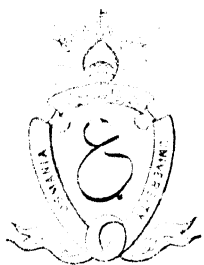


UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224966

UNIVERSAL
LIBRARY



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اصول و طریق محصول

تالیف

آر بیٹھ - ایسٹھ - ام، اے - ڈوی لٹ

سابق پرنسپل بریک کالج (لندن)

ترجمہ

محمد حبیب الرحمن بی ایس سی آنرز (لنڈ)

پروفیسر معاشیات (کلید جامعہ عثمانیہ سرگامالی)

۱۳۵۶ھ ۳۲۶ الف ۴ ۱۹۳۷ء

طبع و نشر: دارالکتاب، لاہور

فہرستِ کتابین

اصول و طریقِ محمول

پہلی فصل

سرکاری خرچ کے اسباب اور اس کی نوعیت

از صفحہ ۱ تا صفحہ ۲۲

شاہی اور مقامی - حکومت کے فرائض - آدم آستہ اور نظری آزادی غیر مداخلت اور سرکاری نظام -
 خرچ برائے تحفظ معدن، امداد مفلسان، تعلیم، دوسرے ابواب جو مصلحت
 ضروری ہوں - موازنہ - قومی مداخل و خارج کا سمتہ -

دوسری فصل

مداخل شاہی کے ذرائع اور ٹیکس کے مسائل

از صفحہ ۲۳ تا صفحہ ۴۴

ذرائع مادی، زمین، معدن، جنگلات، ٹیکس لگانا، اپنے آپ پر ٹیکس لگانا، نظریہ معاوضہ قدرت -
 ٹیکس بحیثیت شغل اصل پیداوار دولت کا محرک ہے ٹیکس غرض میں صنعت

صرف دولت پر رکاوٹ ہے۔ ٹیکس پر اعراض اشتراکیت۔ ٹیکس کی غرض من
محض حصول آمدنی۔ ہر نظام ٹیکس ارتقائی عوامل کا نتیجہ ہے۔

تیسری فصل

ٹیکس لگانے کے اصول

از صفحہ ۳ تا ۵۹

محصول مفرد زمین پر آمدنی پر۔ منتر ٹیکس۔ پیداوار پر۔ بلا واسطہ اور بالواسطہ
محصول آمدنی (انکم ٹیکس)۔ طریق مرکب۔ ٹیکس کے طریقوں پر قومی ریت کا اثر۔
آدم اسمتھ کے اصول۔ مساوات میں دشمنی۔ استطاعت کی تعبیر۔
صرف دولت پر ٹیکس لگانا۔ تدریج۔ متراپہ ٹیکس۔ کچھ مزید اصول۔

چوتھی فصل

بلا واسطہ ٹیکس لگانا۔ املاک اور آمدنی کے محصول

از صفحہ ۶۰ تا صفحہ ۸۱

اراضی پر قومی ملا و اشیائے منقولہ کی آمدنی۔ شخصی ٹیکس، عطیات، تشخیص، چھینگی۔
مصارف شاہی۔ محصول زمین۔ محصول آمدنی یا انکم ٹیکس، سلطنت متحدہ
میں اور دوسرے ملکوں میں۔ محصولات موت۔ محصول مکان پر مسکو۔

پانچویں فصل

بالواسطہ ٹکس لگانا۔ اشیاء اور اعمال کے محصول

از صفحہ ۸۲ تا صفحہ ۱۱۲

قدیم صورتیں۔ اجارے۔ محصولات درآمد و برآمد کا ارتقا۔ کرد و گیزی کی اصلاح اور تجارت آزاد۔ درآمد کا موجودہ طریقہ۔ محصولات برآمد۔ کوئلے کا محصول۔ جنگی، اس کی تاریخ۔ محصولات بحساب قیمت۔ اشیاء کی نقل و حمل کے محصولات۔ اشامپ، زمین اور مکانات۔ محصول ریلوے۔ ڈاک خانے کے محاصل۔ شاہی اراضی۔ نہریں وغیرہ

چھٹی فصل

تادیکس منتقلی

از صفحہ ۱۱۳ تا صفحہ ۱۳۳

تادیے کی تحقیق میں مشکلات۔ فوری اور آخری اثرات۔ طلب پر اثر۔ ضروریات۔ اسباب راحت اور اجاروں پر ٹکس۔ ٹکس لگانے کا رقبہ۔ رجحانات کا خلاصہ۔ اجرت، منافع، لگان اور املاک کے محصول۔

ساتویں فصل

اعتبار عامہ۔ قومی قرضے

از صفحہ ۱۳۴ تا صفحہ ۱۵۵

اسباب، تاریخ، نشوونما۔ جبری قرضے۔ اختیاری قرضے، فنڈ وار اور بے فنڈ۔ اندرونی اور

بیرونی قرضے - پیدا آور قرضے - قرضوں کی اجرائی کے طریقے - تخفیف قرضہ کے طریقے - ذخیرہ ادائی، اختتام پذیر سالیا نے، تبدیل و غیرہ، متعاقب قرضے، ان کا مقصد اور نشو و نما - مرکزی حکومت کی نگرانی - مخصوص اندیشے -

آکھویں فصل

مالیات کے بعض دوسرے نظام

(۱۵ صفحہ ۶ تا صفحہ ۳۷)

تقابل کے فوائد - ہندوستان: زمین، جنگلات، افیون کی آمدنی - نمک، کروڑ گیری، جنگی، آمدنی، کے محصولات - ریلیں اور آب پاشی - قرضہ - تجارت کی عملی آزادی - ترجیح ناقابل عمل - فرانس: مخارج و مداحل - بلاو اسطہ محصولات - رجسٹریشن - اسٹامپ، کروڑ گیری اور مائینی محصولات، جنگی - ریلوے کی آمدنی - شکر کے انعامات، محصولات - آلٹرائے - برکاری اجارے بفرض آمدنی -

نویں فصل

مقامی ٹکس

(۱۷ صفحہ ۴۱ تا صفحہ ۲۰۲)

شہر میں مقامی ٹکس کی بنیاد فیض - تشفیص کے اصول - مقامی خرچ میں سکاری امداد - مقامی خرچ کی نگرانی - زمین، مکانات، اجارہ دار موقعہ محل، سہاوقی عمارات و اراضی، مشینیں، ان سب کے شروع کا قعدیہ - شروع کی مساوات -

آکڑانے - اضافہ مالیت - موقع محل کی قدر پر ٹیکس لگاتا۔

دسویں فصل

۱۹۱۴ء کے بعد کی تبدیلیاں

از صفحہ ۲۰۳ تا صفحہ ۲۲۶

ٹیکس بدوران جنگ : انکم ٹیکس اور زائد ٹیکس - محصولات - میٹنا - محمول منافعہ زائد -
بیر شراب کا محمول - ٹیکس بعد جنگ - تحقیقات - دولت پر حصہ رسد -
ریشم کا محمول - ٹیکسوں کی حالت فرانس میں -

تختہ مداخل و مخارج از صفحہ ۲۲۶ تا صفحہ ۲۳۱ -

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اصول و طریق محمول

پہلی فصل

سرکاری خرچ کے اسباب اور اس کی نوعیت

انسان مخلوق اس بات پر مجبور ہے کہ دنیا میں ملے ہوئے زندگی بسر کرے۔ بغیر اس کے نہ وہ اپنا وجود برقرار رکھ سکتا ہے اور نہ دنیا میں کسی قسم کی ترقی کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بنی نوع انسان چند سیاسی گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور اجتماعی زندگی کے فوائد سے خوب مستفید ہوتے ہیں۔ اگر ان میں یہ اتحاد نہ ہوتا تو یہ انسانی قوتیں نہیں قدر نشوونما پاتیں اور نہ تہذیب و تمدن میں یہ حیرت انگیز ترقی ہوتی۔ غرض انسان کی تمام کوششیں سازیاں نتیجہ ہیں محض اس بات کا کہ وہ ایک اجتماعی زندگی بسر کرتا ہے لیکن اجتماعی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے نظم و نسق شرط اولین ہے اور نظم و نسق قائم رکھنے میں اخراجات کا لاحق ہونا ضروری۔ ظاہر ہے کہ ان اخراجات کی سبیل خود باشندے نہیں تو اور کونسا کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرکار یا کی مالی دولت کا کچھ حصہ خود وصول کر لیتی ہے جو اصطلاح میں

مکس کہلاتا ہے حکومت کو اپنے فرائض کی انجام دہی میں جس قدر اخراجات لائق ہوتے ہیں وہ اسی آمدنی سے پورے ہوتے ہیں کسی منظم سیاسی گردہ پر نظر ڈالئے کسی نہ کسی شکل میں مکس کا موجود ہونا ایک امر لازمی ہے خواہ وہ ملکہ یا دیر سے سرکاری اغراض کے لیے آمدنی حاصل کرنے کا یہی سب سے اہم ذریعہ بن جاتا ہے۔ مکس اور وہ خدمات جو سرکار اپنی رعایا کے لیے انجام دیتی ہے اس طور پر گویا لازم و ملزوم ہیں۔

اب جو جن انسان ترقی کرتا ہے اس کی اجتماعی زندگی میں تنظیم کی صفت روز بروز نمایاں ہوتی جاتی ہے۔ اور جس قدر تنظیم میں ترقی ہوتی ہے اسی قدر حکومت کے فرائض میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا نظام زیادہ مکمل بنتا جاتا ہے۔ اس کے اخراجات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اور ان اخراجات کو پورا کرنے کے لیے مطلوبہ آمدنی کی مقدار بھی بڑھ جاتی ہے۔

سرکاری خرچ اور سرکاری آمدنی کی نوعیت کیا ہے اور وہ کن اصول کے تابع ہیں جس علم میں ان امور کی تحقیق کی جاتی ہے اسی کو اصطلاحاً مالیات کہتے ہیں۔ اس کے مباحث کو معاشیات اور سیاست دونوں سے تعلق ہے۔ ہر مذہن علم کا قاعدہ ہے کہ اس کے اصول تیار ہونے سے پہلے ہی ان پر عملدرآمد ہوتا رہتا ہے۔ یہی حال مالیات کا ہے۔ ابھی یہ علم نمودار نہیں ہوا تھا لیکن بنی نوع انسان کی جماعتیں کافی ترقی یافتہ حالت پر پہنچ چکی تھیں۔ اور کھل اس کے کہ مالیات کے اصول بنائے جاتے یا ان کی تلاش بھی کی جاتی عملاً مالیات کا علم متعدد خطوں اعتبار کر چکا تھا۔ از مینہ قدیم میں مالی ضروریات پورا کرنے کے طریقے کسی خاص قاعدے کے مطابق نہیں تھے بلکہ حکومت کی نوعیت۔ معیار معلومات۔ مقامی حالات جیسے اثرات سے صورت پذیر ہوتے تھے۔ البتہ جو ممالک زیادہ ترقی یافتہ اور مستقل حکومتوں کے تحت تھے وہاں بتدریج مالیات کے اصول عام طور پر تسلیم کیے جانے لگے۔ موجودہ زمانے کی ترقی یافتہ قومیں تو علی الاطلاق یہ اقرار کرتی ہیں کہ سرکاری خرچ کے معاملات میں اپنی رہنمائی کے لیے وہ علمی اصول کو پیش نظر رکھتی ہیں۔ اور ہر ایک کے معاشی اور سیاسی حالات کا لحاظ کرتے ہوئے جو اصول نفع بخش سمجھے جاتے ہیں انہی کے مطابق اپنے مالی نظام میں رد و بدل کرتی ہیں۔

انگلستان میں سولہویں صدی ہی سے معاشی تحقیقات میں علمیت کی جھلک نظر آنے لگتی ہے۔ لیکن ابھی تک وہ پیدائش دولت اور تقسیم دولت جیسے مباحث پر نہیں بلکہ تجارت، زر اور مالیات جیسے جدا جدا مسائل پر مشتمل ہوتی تھی۔ اٹھارہویں صدی کے ادوار میں

۳ آدم آسمتہ نے معاشیات کو ایک مدون علم کی شکل میں پیش کیا اور دولت اقوام کی نوعیت اور اس کے اسباب اور حکومت کے ذرائع آمدنی کی تحقیقات اس کا مقصد قرار دیا۔ چنانچہ اس کتاب کا بہت بڑا حصہ ٹکس اور اس کے اثرات پر مشتمل ہے۔ لیکن مالیات کا باقاعدہ مطالعہ صرف مال کی بات ہے۔ انگلستان میں جس شخص نے سب سے پہلے مالیات کو بجائے خود ایک مددگار علم کی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی وہ پرو فیسر میس میل ہے جس کی کتاب "پبلک فینانس" ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی۔ گوجرینی میں اس سے پہلے ہی اس مضمون کی تحقیقات میں کافی محنت کی جا چکی تھی۔

بھارت میں ٹکس کا جو نظام قائم ہے، اس کا ایک خاکہ پیش کرنا جن اصول پر اس نظام کی بنیاد رکھی گئی ہے ان کی باغ و پڑتال کرنا، اور مختلف قسم کے ٹکس لگانے سے کیا مختلف معاشی نتائج برآمد ہوتے ہیں اور کن کن طبقوں پر ان کا بار پڑتا ہے اس کی تحقیقات کرنا، یہی اس کتاب کا مقصد ہے۔ لیکن اگر اس سے پہلے سرکاری خرچ کی نوعیت کا کچھ ابتدائی حال بیان کر دیا جائے تو وہ اس کتاب کے لیے ایک نہایت مناسب مقدمہ ہو گا۔ کیونکہ اگر اخراجات نہ ہوتے تو پھر آمدنی کی ضرورت ہی پیدا نہ ہوتی۔

یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ ہر شخص کو اپنے خرچ کا معیار اپنی آمدنی کے لحاظ سے قائم کرنا چاہیئے۔ اسی طرح بعض حضرات کا خیال ہے اور یہ خیال ایک حد تک صحیح بھی ہے کہ سرکار بھی پہلے اپنی آمدنی کا اندازہ کر لے اور پھر اسی کے مطابق اپنے اخراجات متعین کر دے۔ لیکن قومی معاملات میں یہ ترتیب بالعموم اٹلہ جاتی ہے۔ یہاں پہلے یہ اندازہ کرتے ہیں کہ سرکاری ضروریات کیا ہیں اور ان کے لیے کس قدر رقم درکار ہے۔ بعد ازاں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ رعایا سے اس قدر آمدنی وصول کی جائے جو ان ضروریات کے لیے کافی ہو سکے۔ ایسا اوقات سرکار کی ضروریات فوری ہوتی ہیں۔ ان کا پورا کرنا لازمی اور ٹالنا نامناسب سمجھا جاتا ہے لہذا ان کی تکمیل کے لیے روپیہ فراہم کرنا ضروری ہے۔ ان حالات میں بعض اوقات قرضوں سے کام کھاتے ہیں۔ لیکن اس طریقے میں ہر وقت یہ اندیشہ لگتا رہتا ہے کہ کہیں اس سے جیٹا فائدہ نہ اٹھائے گئیں۔ نچ کل بالخصوص مقامی معاملات میں یہ طریقہ اس کثرت سے استعمال ہونے لگا ہے کہ اس پر نہایت احتیاد کے ساتھ ور کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ دراصل قرض ہے کیا۔ وہ کچھ ٹکس کی ضرورت کو رنج تو نہیں کرتا بلکہ اس میں بھی جلد یا دیر سے ٹکس

لگا نا ضروری ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ کچھ مدت کے لیے ٹیکس لٹوی ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے معاوضے میں دوسری طرف سود کا بار گراں موجود ہے۔ قومی معاملات میں خرچ کی استطاعت اور اس کی ضرورت دونوں کا ساتھ ساتھ لحاظ کرنا ضروری ہے۔ دونوں کا ایک دوسرے پر اثر پڑتا ہے۔ اور ان کے باہمی اثر سے حقیقی خرچ کی مقدار متعین ہوتی ہے۔ جس کے لیے آمدنی مہیا کرنا ضروری ہے۔

ٹیکس قومی آمدنی سے جمع کئے جاتے ہیں۔ قوم کی سالانہ آمدنی سے بالآخر ان کا ادا کیا جانا لازمی ہے۔ قوم کی خانگی آمدنی سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ لوگوں میں ٹیکس ادا کرنے کی کس قدر استطاعت موجود ہے۔ کیونکہ وہی سرکاری آمدنی کا اصلی ذریعہ ہے۔ لوگ محنت اور دولت سے پیدا آؤں طریقے پر کام لے کر ایک سرمایہ پیدا کرتے ہیں اور اسی سے ٹیکس وصول کئے جاسکتے ہیں۔ اسی وجہ سے آدم اسمتھ کا کید کے ساتھ ایسی تجاویز اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے جو پیدائش دولت کے راستے سے موانعت کو ہٹا دیں اور باشندگان ملک کے کاغذ باری محصلوں کو بڑھائیں۔

سرکاری اخراجات و حصوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔ ایک شاہی۔ دوسرے مقامی پہلا حصہ حیثیت مجموعی تمام قوم سے متعلق ہوتا ہے اور دوسرے کا تعلق ان معاملات سے ہوتا ہے جو نا مسر کسی ایک مقام کے باشندوں سے متعلق ہوتے ہیں۔ فوج اور بحریہ اول الذکر کی مثالیں ہیں۔ سرگواں کی صفائی اور روشنی آخر الذکر کی۔ لیکن بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ شاہی اور مقامی دونوں حیثیتوں سے ان کی اہمیت ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ مرکزی اور مقامی دونوں حکومتیں مشترکہ طور پر اپنی اپنی نگرانی کریں۔ برطانیہ کا قانونی محتاجاں اور ابتدائی تعلیم نہایت موزوں مثالیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کیونکر قومی اور مقامی مفاد اکثر ایک دوسرے سے جدا نہیں کئے جاسکتے جہاں تک رعایا کی تعلیم کا تعلق ہے اخراجات کا بہت بڑا حصہ حکومت خود ادا کرتی ہے لیکن مقامی باشندوں سے بھی اس مقصد کے لیے شرج محمول کیے جاتے ہیں۔ اور قوانین تعلیم کی اجرائی اور عملدرآمد کے متعلق جو فراموش ہیں وہ مقامی حکام کے سپرد ہیں۔ محتاجوں کی امداد کا کام جو پہلے مقامی حکام کے زیر اقتدار تھا۔ ۱۸۳۴ء سے حکومت نے اپنے ہاتھ میں لیا لیکن اس کا عملی انتظام تو مقامی حکام ہی کی نگرانی میں ہے۔ اخراجات کا تعین بھی مقامی حالات کی بنا پر ہوتا ہے۔

اور ان اخراجات کا بار زیادہ تر مقامی شروع ہی پر پڑتا ہے گو حکومت بھی سنا ہی آمدنی سے اس میں کچھ شریک کر دیتی ہے۔

کسی قوم کے نشوونما اور اس کے استحکام کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلیگا کہ حکومت کے سامنے دو اصول ہوتے ہیں جن کے مطابق وہ اپنے فرائض کو پورا کر سکتی ہے۔ ان میں سے ایک کارجمان مرکزیت اور دوسرے کا تضعیف مرکزیت کی طرف ہوتا ہے۔ اتحاد۔ سادگی، انضمام کی یکسانی اور رکھایت شعاری اول الذکر کا نصب العین ہے اسی کی متابعت میں جہاں کہیں مناسب معلوم ہوتا ہے متعدد داغیارات اور مختلف انتظامات کا طریقہ ترک کر کے ایک اختیار اور ایک ہی قسم کا انتظام قائم کیا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے جو معاملات زیادہ تر مقامی باشندوں کے مفاد سے متعلق ہوتے ہیں ان کا انتظام آخر الذکر اصول کے متعلق مقامی حکام کے ہاتھوں میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ہر جگہ کے صنعتی اور تجارتی حالات جداگانہ ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہر جگہ ایک ہی قسم کے طریقے اختیار کرنا خلاف مصلحت ہے۔ لہذا ایسے معاملات مقامی حکام کے سپرد کر دئے جاتے ہیں تاکہ وہ مقامی معلومات اور نگرانی سے پورا فائدہ اٹھا کر اس جگہ کے مخصوص حالات اور ضروریات کے متعلق انتظام کر سکیں۔ اس کے علاوہ مقامی حکومت کے اور بھی متعدد فائدے ہیں۔ وہ رعایا کے لیے ایک قسم کا ذریعہ تعلیم بن جاتی ہے۔ اس کی بدولت لوگوں میں وطن کی محبت بڑھتی ہے اور وطن کے معاملات میں وہ دلچسپی محسوس کرنے لگتے ہیں۔ قوم میں متعدد افراد ایسے ہوتے ہیں جو اپنی خدمات اور مقامی معلومات سے فائدہ پہنچانے کی قابلیت رکھتے اور اس کے خواہشمند بھی ہوتے ہیں۔ لیکن طریقہ مرکزیت کے تحت انھیں یہ موقع نصیب نہیں ہوتا کہ اپنے قومی جوش اور عمدہ جنات کا اظہار کر سکیں۔ مقامی حکومت کی بدولت نہ صرف اس کثیر تعداد کے تفصیلی معلومات اور انتظامی قابلیت سے استفادہ کیا جاسکتا ہے بلکہ رعایا میں حکومت کے ساتھ ہمدردی کا پیدا ہونا بھی یقینی ہے۔ غرض مذکورہ بالا نو ائمہ کی بنا پر اکثر معاملات مقامی حکام کے اختیار پر چھوڑ دئے جاتے ہیں اور مرکزی حکومت صرف ان پر نگرانی رکھتی اور بعض اوقات روک ٹوک بھی کرتی ہے مثلاً مقامی اخراجات کے لیے قرض لینے میں۔ اس کے علاوہ اگر مقامی حکام فوضو خرج میں مبتلا ہو جائیں اور اپنے اخراجات کا بیجا استعمال کرنے لگیں تو مرکزی حکومت گویا ایک

عدالت العالمیہ ہے جہاں ان کے طلاق مراعات دیا جاسکتا ہے۔

مضمون کے آغاز ہی میں سرکاری اخراجات کے متعلق عام ازیں کہ وہ شاہی ہوں یا مقامی دو بنیادی مسائل پیش ہوتے ہیں۔ (۱) ایک تو یہ کہ سرکاری خرچ کے مناسب ابواب کیا ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ روپیہ وصول کرنے کے کیا طریقے ہیں۔ مذکورہ بالا دو سوالوں سے ایک تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کن اصول پریکٹس کی بنیاد رکھی جائے۔ حکومت کے کاروبار کے مناسب حدود کیا ہیں یہ فلسفہ سیاست کا ایک قدیم مسئلہ ہے۔ تاریخی نقطہ نظر سے حکومت کے فرائض عملاً دو انتہائی حدود کے درمیان کم و بیش ہوتے رہے ہیں۔ اور ان کے شیک ٹیک حدود و قوا اب بھی غیر معین ہی ہیں۔ ایک انتہائی طبقہ (اشرافیہ) تو انسان کی تمام معاشی جدوجہد کو حکومت کے فرائض میں شامل کر لیتا ہے۔ اور دوسرا طبقہ جو اصول غیر مداخلت کا حامی ہے حکومت کے کاروبار کو تنگ سے تنگ حدود میں محدود کر دیتا ہے۔ لیکن ترقی یافتہ ممالک میں جو طریقہ عام طور پر رائج ہے وہ معاہدے کی آزادی ہے۔ البتہ حکومت کی طرف سے اس آزادی پر کچھ شرائط لگائی جاتی ہیں اور اسے چند قوانین کا تابع کر دیا جاتا ہے۔

انگلستان میں کئی صدیوں تک بادشاہ کو رعایا کے ہر فرد پر نہایت زبردست اور کامل اقتدار حاصل تھا۔ حتیٰ کہ معاشی اور معاشرتی معاملات میں تو کچھ غلامی کا سارنگ نظر آ جاتا تھا۔ خدمت بجالانا یا ٹکس ادا کرنا زیادہ تر جبر و تشدد پر مبنی تھا۔ صنعت اور تجارت پر متعدد رکاوٹیں تھیں اور عام سیاسی آزادی کا تو قطعاً کوئی وجود ہی نہ تھا۔ بالآخر سخت جھگڑوں کے بعد سیاسی آزادی حاصل کی گئی اور بعد ازاں شخصی اور معاشی آزادی بھی بتدریج میسر ہونے لگی۔ لیکن آزادانہ معاہدہ۔ اختیاری اجتماع اور آزاد تجارت کے حقوق اس قدر جلد حاصل نہ ہو سکے۔

سترہویں صدی عیسوی میں حکومت کی مداخلت کا خیال بہت زیادہ غالب ہوا۔ چنانچہ تجارتی معاملات میں اسی اصول پر عملدرآمد ہوتا تھا۔ اور یہ طریقہ اصطلاح میں تجارتیہیت کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں جب فطرتیں کا طبقہ نمودار ہوا تو لوگ اس طریق سے منحرف ہونے لگے۔ اس نئے طبقے کا پیش کردہ قدرتی آزادی کا اصول روز افزوں مقبول ہونے لگا۔ اور معاشی معاملات پر

اس کو منطبق کرنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ برطانیہ غلطی میں جو شخص سب سے پہلے معاشی آزادی کی حمایت میں کھڑا ہوا وہ آدم اسمتھ تھا۔ اس نے اصول غیر مداخلت کی مکمل طور پر حمایت نہیں کی بلکہ معاشی آزادی پر جو خاص خاص رکاوٹیں تھیں انہیں برائیت ثابت کیا اور دور کرنے کی کوشش کی۔ حکومت کے معاشی۔ سیاسی فرائض کو وہ تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ (۱) بیرونی جماعتوں کے حلوں سے ملک کو محفوظ رکھنا (۲) رعایا کو آپس میں ایک دوسرے کے ظلم اور دوست دراندازی سے بچانا۔ یا یہ الفاظ دیگر حفاظت حقوق کے لیے عدالتیں قائم کرنا (۳) بعض انشئی ٹیوشن اور رفاہ عام کے کام قوم کے لیے جیثیت مجموعی نہایت ہی مفید ہوتے ہیں۔ مگر وہ کچھ اس نوعیت کے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی ایک شخص یا چند اشخاص ان کو انجام دینے کی کوشش کریں تو وہ ان سے کچھ نفع نہیں کما سکتے اس قسم کے انشئی ٹیوشن قائم کرنا اور انہیں برقرار رکھنا۔ اور اس قسم کے کام انجام دینا بسی حکومت ہی کا فرض ہے۔

آدم اسمتھ کے بعد متعدد علماء نے فرائض حکومت کی مختلف طریقوں پر تقسیم کی ہے۔ لیکن دراصل وہ اسمتھ ہی کے بیان کا دوسرے الفاظ میں اعادہ ہیں مثلاً جے۔ ایس مل نے حکومت کے کاموں کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک ضروری و دوسری اختیاری پہلی قسم میں اندرونی و بیرونی دشمنوں سے رعایا کی جان و مال کی حفاظت شامل ہے۔ اور یہ بالکل وہی کام ہیں جو اسمتھ کے پیش کردہ پہلے اور دوسرے فرائض میں داخل ہیں۔ فرائض اختیاری کے متعلق مل خود اقرار کرتا ہے کہ ان کے مدد نہایت ہی تغیر پذیر اور غیر معین ہیں۔ اور مختلف حالات میں مختلف طور پر مصلحت وقت کے لحاظ سے مقرر کئے جاتے ہیں۔ لہذا جب کبھی کسی معاملے میں حکومت دخل دینا چاہے تو اسے نہ صرف یہ ثابت کرنا ہو گا کہ اس قسم کی مداخلت قوم کے لیے مفید ہوگی بلکہ اسے یہ بھی واضح کرنا پڑے گا کہ حصول مطلب کا یہی سب سے بہتر ذریعہ ہے۔

لیکن جب کچھ عرصے بعد اشتراکی عقائد کا غلبہ ہونے لگا تو اسی کے ساتھ مملکت کا مفہوم بھی بدلتا گیا۔ اور وزیر و وزیر خیال دلوں میں جاگزیں ہونے لگا کہ مملکت کو رعایا کے ساتھ وہی خلق ہے جو والدین کو اپنی اولاد کے ساتھ اور یہ کہ مملکت ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی بدولت قوم کا نشو و نما ممکن اور قومی زندگی کا استحکام یقینی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ

اس اصول پر عمل درآمد کرنے کے لیے ملکوں میں بہت بڑا احادہ کار نامہ لگا جو ہر جگہ ممکن نہیں ہو سکتا کیونکہ قوموں کے معاشی اور صنعتی حالات ایک دوسرے سے بہت کچھ مختلف ہوتے ہیں۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ اصولاً تو غیر مداخلت کا طریقہ اختیار کیا جائے اور عملاً جگہ جگہ کے مخصوص حالات اور مدارج ارتقائی کو پیش نظر رکھ کر جس حد تک مناسب ہو مداخلت کی جائے مثلاً برطانیہ کی حکومت انگلستان اور ہندوستان دونوں جگہ قائم ہے لیکن اگر دونوں کا مقابلہ کیجئے تو معلوم ہو گا کہ بہت سے فرائض جو ہندوستان میں خود حکومت انجام دیتی ہے، برطانیہ غلطی میں رعایا کی مرضی اور جو سیلے چھوڑ دئے جاتے ہیں۔ اصول فیہ مداخلت کی اس طرح عدم پابندی کی مثالیں اور ممالک میں بھی نظر آتی ہیں عام ازیں کہ ان کا تعلق تہذیب قدیم سے ہو یا جدید سے۔ اور عوام سیاسی نقطہ نظر سے وہ کتنے ہی ترقی یافتہ ہوں۔ وحشی اقوام میں نہ کوئی تنظیم ہے نہ اجتماع اور سوائے سردار کی اطاعت شعاری اور خدمت گذاری کے نہ کوئی گلس کا باقاعدہ انتظام۔ جاگیریت کے دور میں سوسائٹی کے مختلف طبقے حقیقت اراضی کی زیر نگرین ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے جاتے ہیں اور فوجی خدمت، جسمانی محنت یا رقمی ادائی، حسب رواج کسی نہ کسی شکل میں سب پر لازم ہوتی ہے لیکن معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ بجائے خدمت گذاری کے زر کی شکل میں اس کا معاوضہ لینے لگتے ہیں حتیٰ کہ اس سے رفتہ رفتہ کسی نہ کسی شکل میں گلس نمودار ہو جاتا ہے لیکن ابھی نہ اس کے کوئی خاص اصول ہوتے ہیں اور نہ اس میں خاص خاص طریقوں کی پابندی کیجاتی ہے۔

قرون وسطیٰ میں سرکاری آمدنی کا بہت بڑا مصروف جنگی اور مذہبی اغراض ہوتے تھے اور آمدنی نہ صرف یہ شکل زبرد بلکہ ذاتی خدمات کے طور پر بھی وصول کی جاتی تھی۔ جو لوں تجارت اور صنعت و حرفت میں ترقی ہوئی کئی معاشی معاملات کی اہمیت بھی نمایاں ہونے لگی۔ حکومت کے فرائض اور اس کی مداخلت کے متعلق آئے دن نئے نئے مسائل پیش ہونے لگے۔ اور جہاں قدیم دکانوں میں فروغ ہوئے لگیں وہیں نئی نئی شکلوں میں حکومت کی مداخلت بڑھنے لگی۔ چنانچہ مثلاً ایک طرف تو ان اجتماع ضروریات منسوخ کئے گئے تو دوسری طرف کارخانوں، معدنیات اور ورک شاپوں کے نئے نئے قانون نافذ کئے گئے۔

حکومت کی مداخلت کے متعلق ایک طبقے کا یہ خیال ہے کہ جہاں جہاں یہ مداخلت

ملک و قوم کے لیے مفید ہو اور جہاں عامۃ الناس کی فلاح و بہبودی کا اس سے کوئی بہتر ذریعہ
 میسر نہ ہو وہاں وہ ہر طرح جائز اور مہنی برائے انصاف ہے۔ لیکن چونکہ اس مداخلت کی وجہ سے
 حکومت کو نئے نئے اخراجات اٹھانے پڑتے ہیں اور ان اخراجات کی تکمیل کے لیے
 رعایا سے نئے نئے ٹیکس وصول کیے جاتے ہیں۔ لہذا مداخلت کو مفید ثابت کرنے کا بار
 ہمیشہ اس کے مامیوں پر ڈالاجاتا ہے۔ سائنس کی معلومات کی بدولت قدرت پر
 انسان کا جو تسلط بڑھ گیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ نئے نئے طریقوں سے کام لیکر نئی نئی چیزیں
 بنانے لگے۔ بڑی بڑی مکمل صنعتیں قائم کر دیں۔ اور ان میں نہایت پیچیدہ مشینیں استعمال
 کرنے لگے۔ لیکن اس جدید صنعتی نظام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مزدوروں کو
 نقصان پہنچنے کا زیادہ احتمال رہتا ہے۔ لہذا حکومت کو ضرورت لاحق ہوتی کہ کچھ نئے
 قوانین نافذ کر کے مزدور پیشہ طبقے کو اس قسم کی مضرتوں سے محفوظ رکھے۔ علاوہ اس کے
 جدید صنعتی ترقی میں ایک خطرہ اور موجود ہے۔ یعنی اجارہ دار اپنی غیر معمولی قوت سے
 بیجا فائدہ اٹھا کر عامۃ الناس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ لہذا حکومت کے لیے ضروری ہوا کہ
 اس فرض کے لیے بھی کچھ نئے قوانین جاری کرے۔ غرض اس تمام ترقی کا ماحصل یہ ہے کہ
 سرکاری اخراجات میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے۔ پولیس اور تعلیمات۔ ریلوے
 اور جہازات اور مختلف قسم کی نگرانی اور انتظامات پر ہر سال حکومت کا جو رعبہ
 صرف ہوتا ہے وہ اس اضافے کا نہایت تین ثبوت ہے۔

اخراجات خواہ شاہی ہوں یا مقامی دونوں کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ سرکاری
 روپیہ صرف انہی کاموں پر صرف ہونا چاہیے جو رعایا کی فلاح و بہبودی کے لیے ضروری
 سمجھے جاتے ہیں۔ اور جو بہ نسبت فراہمی انتظام کے سرکاری قوت سے بہتر طریق پر انجام
 پاتے ہیں۔ لیکن اس اصول کی پابندی کے ساتھ یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ رعایا کی
 شخصی آزادی میں ضرورت سے زیادہ رکاوٹیں پیدا نہ ہوں۔ بلکہ انفرادی جدوجہد
 کے لیے بھی کافی گنجائش موجود رہے۔ کیونکہ اسی کی بدولت لوگوں میں کام کرنے کا شوق
 پیدا ہوتا ہے، ان کے حوصلے بڑھتے ہیں اور ان کی طبیعتوں میں ایجاد کی قوت ترقی پاتی ہے
 اور یہی وہ باتیں ہیں جن پر کسی قوم کی ترقی کا انحصار ہے۔ حکومت کو البتہ یہ خیال رکھنا
 ضروری ہے کہ ملک میں امن و امان قائم رہے اور تعلیم کی کافی اشاعت ہو کیونکہ

غیر ان کے کسی قسم کی ترقی ممکن نہیں۔

سرکاری خرچ کے بعض ابواب غیر پیدا آور کھلاتے ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے قوم کی مادی دولت میں بہ ظاہر کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ لیکن باوجود اس کے اگر حکومت اس قسم کے اخراجات سے بچنا چاہے تو نہیں بچ سکتی۔ فوج اور پولیس اس قسم کے ابواب کی نہایت موزوں مثالیں ہیں۔ غیر اقوام کے بعض حصہ اور باشندگان ملک کی اخلاقی حالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی حکومت ان ابواب کی طرف سے غافل نہیں رہ سکتی۔ اور ملک سے قطع نظر صرف یورپ میں مستقل فوجوں پر ہر سال ایک کثیر رقم مصروف کی جاتی ہے اور صنعت و حرفت کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ اس پر مزید ہے۔ ملک کے تندرست و توانا اشخاص کی ایک بہت بڑی تعداد فوج میں شریک کرنی جاتی ہے اگر یہ لوگ ملک کی صنعتوں میں کام کرنے کے لیے میسر ہوتے تو وہ معلوم ملک کی دولت مند میں کس قدر اضافہ ہوتا بغرض خالص معاشی نقطہ نظر سے سرکاری خرچ کی یہ مدہرگز پیدا آور نہیں خیال کیا جاسکتی۔ سرکاری خرچ کے دوسرے ابواب پیدا آور یا فیض رساں کھلاتے ہیں کیونکہ وہ یا تو کوئی نہایت ہی بدیہی معاشی خدمت انجام دیتے ہیں یا ان کی آمدنی اس قدر کافی ہوتی ہے کہ اس سے بازاری شرح کے مطابق سود وصول ہو جاتا ہے۔ ان ابواب پر جس قدر روپیہ خرچ کیا جاتا ہے وہ گویا یہ طور اصل کے چوتھام قوم کے مشترک مفاد کی خاطر مختلف کاموں میں لگایا جاتا ہے۔ بڑوں اور بچہ رگاہوں کی تعمیر و مرمت اور آپ رسائی کے انتظامات اس ملک کی نہایت موزوں مثالیں ہیں۔ ان کاموں پر روپیہ خرچ کرنے کا نتیجہ مادی شکل میں ہماری نظروں کے سامنے موجود ہوتا ہے۔ اسے ہم اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں۔ اس سے ہماری ایک نہ ایک معاشی محتاج پوری ہوتی ہے۔ اور حکومت کے لیے وہ آمدنی کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے لیکن یہاں تک لفظ پیدا آور کا تعلق ہے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ بعض اوقات اس لفظ کا صحیح مفہوم سمجھنے میں اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے مثلاً بعض اخراجات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان کا بہ ظاہر کوئی فوری نتیجہ برآمد نہیں ہوتا لیکن بالآخر ان کے اثرات معاشی نقطہ نظر سے بہت ہی اہم ہوتے ہیں۔ رعایا کی تعلیم پر جس قدر روپیہ صرف کیا جاتا ہے وہ اسی قسم کی ایک مثال ہے۔ گو بہ ظاہر اخراجات تعلیم کا کوئی مادی نتیجہ نہیں نظر نہ آئے تاہم ممکن ہے کہ اس کی بدولت قوم کی قوت پیدا آور میں بے اندازہ اضافہ ہو گیا ہو۔ بعض اوقات تحفظ قوم کے لیے جنگ آزمائی کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ

یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں قوم کا وجود ہی معرض خطر میں نہ پڑ جائے۔ اس قسم کے انحرافات سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں ان کی کوئی قدر و قیمت معین ہی نہیں ہو سکتی۔ بسا اوقات فطرت انسانی کی خامیوں سے بھی بہت کچھ معاشی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ کیونکہ ان کی وجہ سے اس بات کی ضرورت لاحق ہوتی ہے کہ پولیس کی ایک کثیر تعداد کو نوکر رکھی جائے اور بڑی بڑی بری اور بھری فوجیں تیار کی جائیں۔

اس میں شک نہیں کہ معاشی نقطہ نظر سے فوجی تعلیم و تربیت میں بھی ضرور کچھ فائدے موجود ہیں۔ اور یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ جنگ کی بدولت حب الوطنی، ایثار، اور شجاعت جیسی صفات کو اظہار کا موقع ملتا ہے۔ تاہم اگر جنگ آزمائی کا فاسل معاشی حاصل دریافت کیجئے تو معلوم ہو گا کہ وہ سراسر نقصان ہے۔ اب رہیں یہ نیک اور قابل تعریف صفات تو ان کی ترقی کے لیے جداگانہ راہیں کھلی ہوئی ہیں اور ان کے اظہار کے لیے دوسرے مواقع موجود ہیں جنگ کے متعلق بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی بدولت قوم میں بدلت طرازی کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور لوگوں میں نئی نئی باتیں معلوم کرنے کی قابلیت بڑھتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ خیال صحیح ہو لیکن یہ بات بھی مخفی نہیں ہے کہ اس بدلت طرازی اور قابلیت سے زندگی کے ان پندانہ شعبوں میں بھی کام لیا جاسکتا ہے، اس کی بدولت پیدائش دولت میں اضافہ ہو سکتا ہے، محنت کی نکالیف رفع ہو سکتی ہیں۔ اور انسان کے لیے راحت و آرام کا سامان مہیا ہو سکتا ہے۔ برعکاس اس کے جنگ کا محض یہی نقصان نہیں ہے کہ اس کی خاطر رعایا پر طرح طرح سے ٹکس کا بار ڈالا جاتا ہے بلکہ اس کے علاوہ جو قرضے لیے جاتے ہیں ان کی وجہ سے ملک کی صنعتی ترقی میں ہر وقت رکاوٹیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ غرض اس تمام بحث و مباحثہ کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بنی نوع انسان کی فطرتی خامیوں کو دیکھتے ہوئے اور اقوام عالم کے موجودہ تعلقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے فوجوں پر ایک حد تک روپیہ خرچ کرنا ناگزیر ہے لیکن بچے و افسوس کی بات یہ ہے کہ اس قسم کے انحرافات نہایت سہولت کے ساتھ بڑھتے جا رہے ہیں۔ اور قومی آمدنی کا روزانہ زوال مصداق ان کی

نذر ہو رہا ہے۔^{۱۰}

خانگی اخراجات پر چند بندشیں عائد ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ ایک حد معینہ سے بڑھنے نہیں پاتے لیکن سرکاری اخراجات ان بندشوں کے اثر سے بالاتر ہیں حکومت کی ضروریات اور رعایا کی استطاعت و رضامندی صرف یہی دو باتیں ہیں جن کو پیش نظر رکھ کر یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ رعایا سے کس قدر محصول وصول کیا جائے۔ حکومت کو چاہیے کہ ٹکس لگانے سے پہلے یہ تحقیق کر لے کہ کہیں ملک کی صنعت و حرفت اور رعایا کی ٹکس ادا کرنے کی استطاعت پر اس کا مخالف اثر تو نہیں پڑتا۔ کیونکہ جو ٹکس ملک کی صنعتی ترقی میں مائل اور اہل ملک کی خوشحالی کے منافی ہوتے ہیں وہ دو طرح سے ملک کے لیے مضرت رساں ثابت ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو ان کی وجہ سے رعایا کا معیار زندگی گھٹ جاتا ہے اور دوسری طرف وہ قوم کی معاشی طاقت کو کمس لیتے ہیں۔ سرکاری خرچ میں عام ازیں کہ وہ قومی ہو یا مقامی بہت سی غامیاں بھی ہیں۔ بعض اوقات خانگی افراد کے اثر سے سرکاری روپیہ ایسی تجاویز پر خرچ کر دیا جاتا ہے جو نہ پیدا آور ہوتی ہیں اور نہ ان سے عوام الناس کو درحقیقت کوئی فائدہ پہنچتا ہے اس کے علاوہ خانگی کاروبار کی طرح انتظام میں کفایت شعاری کا خیال غالب نہیں رہتا۔ کیونکہ اگر لوگ اپنے خانگی معاملات میں کفایت شعاری کو ملحوظ نہ رکھیں تو اس کا نقصان خود انہی کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ برعکس اس کے سرکاری معاملات میں اس طرح صریح اور یقینی نقصان پہنچے گا بہت کم احتمال ہے لہذا نہ کفایت شعاری کی چنداں پروا ہوتی ہے اور نہ کافی ذمہ داری محسوس کی جاتی ہے۔ یہ نامکن ہے کہ ٹکس ادا کرنے والے اپنے تمام ملازمین کا خود ہی انتخاب کریں یا ان کی کارگزاری سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ اس کے علاوہ خرچ کے طریقے جب ایک مرتبہ مقرر کر دیے جاتے ہیں تو

۱۰۔ اس کے زمانے میں یورپ کی بڑی بڑی طاقتیں اپنی اپنی فوجوں پر سالانہ (۳۰۰) ملین پونڈ خرچ کرتی ہیں۔ اور وقت آ وقت آجنگ چھڑ جاتے سے جو کثیر دولت پائی کی طرح بہا دی جاتی ہے وہ اس پر مزید ہے۔ جہاں ایک قوم نے اپنی فوج کی تیاری پر کچھ مزید روپیہ خرچ کیا تو دوسری قوموں پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ بھی ایسا ہی کریں تاکہ ان کی قوت مقابلہ میں فرق نہ آنے پائے۔

ان میں وہ بار بار رد و بدل نہیں کر سکتے۔ اور نہ ٹکس کا نظام ایک مرتبہ قائم کرنے کے بعد وہ اس کو موثر طریقے پر اپنے قابو میں رکھ سکتے ہیں۔ مزید براں پیدائش کے جو کار و بار حکومت خود بھی انجام دیتی ہے ان میں ناگنی افراد کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں مسابقت کمزور ہو جاتی ہے۔ ہر قسم کے کاموں کا ایک ڈھنگ پڑ جاتا ہے اور نئے نئے طے یقے اختیار کرنے اور کفایت سے کام چلانے کے لیے کسی قسم کی ترغیب نہیں رہتی۔ حالانکہ ترقی کے لیے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ انسان کے سامنے مسابقت کا وسیع میدان کھلا ہو اور ہے تاکہ ہر شخص ذاتی مفاد کی خاطر اپنے اپنے بس کی کوشش کرے اور اس میں کامیاب ہو۔

خانگی کار و بار کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حتی الامکان کثرت سے کثیر منافع حاصل کیا جائے۔ اور اسی وجہ سے اخراجات کی مقدار آمدنی کے لحاظ سے معین کی جاتی ہے۔ بر غلات اس کے سرکاری معاملات میں پہلے یہ طے کیا جاتا ہے کہ خرچی کے لیے کس قدر پیسہ کی ضرورت ہے اور پھر اسی مناسبت سے آمدنی کی مقدار معین کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں فضول خرچی اور اسراف کا نمودار ہونا یقینی ہے جن ممالک میں فرقہ بندی حکومت کا طریقہ رائج ہے وہاں کوئی ایک فرقہ بہت زیادہ مدت تک برسر اقتدار نہیں رہتا بلکہ مختلف فرقے یکے بعد دیگرے حکومت پر قابض ہوتے اور اس سے مشتے رہتے ہیں۔ ہر فرقے کا ایک نہ ایک خاص پروگرام ہوتا ہے جسے وہ اپنے زمانہ اقتدار میں پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس مقصد کے لیے جس قدر روپیہ درکار ہوتا ہے اس کی فراہمی کے لیے بلا پس و پیش رعایا سے ٹکس وصول کرتا ہے عام ازیں کہ جن تجاویز اور جب پروگرام کی خاطر یہ روپیہ کھینچا جاتا ہے وہ دراصل عوام الناس کے لیے مفید ہوں یا نہ ہوں۔ بعض اوقات خود عوام الناس کی طرف سے ایسے مطالبات پیش ہوتے ہیں جو اخراجات کا لحاظ کرتے ہوئے نہ اس قدر مناسب ہوتے ہیں۔ مگر حکومت وقت ان کو فوراً پورا کر دیتی ہے تاکہ محو در عایا کے نزدیک عزیز و مقبول رہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جس شخص سے ٹکس وصول کیا جاتا ہے اس کی قوت خریداری مقدار ٹکس کی مناسبت سے گھٹ جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ حکومت دراصل کوئی ضروری فرض انجام دینے کی غرض سے لوگوں کو نوکر رکھے اور اس طرح ٹکس کی آمدنی اجرت یا تنخواہوں کی شکل میں پھر لوگوں کو واپس

مل جائے لیکن پھر بھی جن لوگوں سے ٹکس وصول کیا جاتا ہے ان کے صرف دولت میں کمی واقع ہوتی ہے اور اسی مناسبت سے محنت کی طلب بھی گھٹ جاتی ہے۔ لہذا اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ جب کبھی حکومت کے فرائض میں توسیع کرنا مقصود ہو تو اس کے اچھے اور بُرے دونوں نتائج کا مطالعہ کر لیا جائے۔ ایک طرف تو اس کی بدولت کام زیادہ بہتر طریقے پر انجام پائیں گے۔ اور دوسری طرف ٹکس میں اضافہ کرنا پڑے گا جو ممکن ہے کہ رعایا کے حق میں مفرت رساں ثابت ہو۔

آگے چل کر معلوم ہو گا کہ سرکار کی آمدنی کا کثیر ترین حصہ صرف دو مدوں میں خرچ ہوتا ہے۔ ایک تحفظ قومی دوسرا انتظام عدالت۔ قوم کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے مستقل طور پر بڑی بڑی فوجیں نوکر رکھی جاتی ہیں اور پھر ملک کے اندر امن و امان برقرار رکھنے کے لیے جاہل عداوتیں قائم کر دی جاتی ہیں جو قانون سرکار کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزائیں دیتی اور مقداروں کو ان کے حقوق پہنچاتی ہیں۔ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ان اغراض کے لیے سرکاری روپیہ خرچ کرنا ضروری اور ناگزیر ہے۔

عدل و انصاف کا قیام حکومت کا ایک بالکل بدیہی فرض ہے۔ آدم آستہ نے فرائض حکومت کی جو تقسیم کی ہے یہ اس کی دوسری قسم میں داخل ہے۔ ملک کے اندر رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرنا اور انھیں اپنے جائز حقوق سے محروم نہ ہونے دینا یہ اس کے خاص مقاصد ہیں جن کی تکمیل کے لیے عدالتوں پولیس اور مجسموں جیسے ابواب پر روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ جنوں جو انسانی ہمدردی کے متعلق قوم کے خیالات میں ترقی ہوتی ہے اس قسم کے اخراجات میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کا ایک نہایت ہی خفیف حصہ قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں سے وصول کیا جاتا ہے لیکن قوانین فوجداری کے تمام اخراجات اور دوسری قانونی انتظامات کے تقریباً تمام مصارف کا بار دراصل قوم ہی پر پڑتا ہے۔ بعض اوقات قانونی خدمات سے استفادہ ہونے والے لوگ ان کا معاوضہ حکومت کو فیس کی شکل میں ادا کرتے ہیں جیسے کہ پیڈنٹ کی صورت میں۔ اس کے علاوہ بہت سے دستاویز اور تمسکات حکومت کے نزدیک اس وقت تک قابل لحاظ تسلیم نہیں کئے جاتے جب تک کہ وہ عدالت کے

مہری کاغذ پر لکھے نہ ہوں یا رجسٹری کی مقررہ فیس ادا نہ کر دیں۔ تاہم اول تو اس طرح بہت تھوڑی آمدنی حاصل ہوتی ہے اور اس کے علاوہ عدالت کے مجموعی اخراجات کا نہایت قلیل حصہ ان انتظامات پر صرف ہوتا ہے۔

رہایا کے مال و الماک کی حفاظت کا انتظام قوم کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے۔ اس کی عدم موجودگی پیداہش دولت کے لیے سخت مضرت رساں ہے۔ اس طرح انتظامات عدالت کے لیے جس قدر عکس وصول کیا جاتا ہے وہ گویا یہ طور قیمت کے ہے جو چند خدمات کے معاوضے میں رہایا سہ کار کو ادا کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر عدالت کا انتظام نہ ہو تو لوگ امن و امان کے ساتھ نہ اپنے اپنے پیشوں کو چلا سکتے اور نہ اس قدر کثیر مقدار میں دولت پیدا کر سکتے۔ مزید برآں ہر قوم میں چند افراد ایسے ضرور موجود ہوتے ہیں جن کی طبیعتوں کا میلان ارتکاب جرائم کی طرف ہوتا ہے۔ اس قسم کے اشخاص پر بھی روپیہ خرچ کرنے کی یہ حد ضرورت ہے۔ ان چاہیے کہ یا تو ان کی شرارتوں سے جس قدر نقصان پہنچے اسے چپ چاپ برداشت کر لیں۔ یا پھر مصارف کا بار اٹھا کر ایسے انتظامات کریں جن کی بدولت سوسائٹی ان کی شرارتوں کے اثر سے محفوظ رہ سکے۔ مثلاً ان لوگوں کو سب کے ساتھ مل کر دھڑے کی اجازت نہ ہو بلکہ ان کی رہائش کے لیے سب سے دور کوئی علیحدہ انتظام کیا جائے۔ تربیت کے مختلف طریقوں کو کام میں لاکر ان کی اصلاح کی جائے اور جتنی الامکان ان کی تعداد گھٹانے کی کوشش کی جائے۔

کلیسائی نظام کے زوال کے بعد سے یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ مفلسوں کی امداد ہی حکومت کا ایک فرض ہے۔ اور محتاجوں کی اس وقت تک خاطر خواہ مدد نہیں کی جاسکتی جب تک کہ حکومت کی نگرانی میں اس کا باقاعدہ انتظام نہ ہو۔ اسی بنا پر سائنس میں قانون محتاجان منظور کیا گیا جس کی رو سے مفلس طبقوں کی امداد کو قانونی جامہ پہنا دیا گیا۔ گو مولانا یہ بات طے کر لی گئی ہے کہ کوئی حکومت ملک کے مفلسوں یتیموں۔ مجنوں اور بے یار و مددگار لوگوں کو بھوکوں مرنے نہ دے تاہم تجربے سے یہ ثابت ہوا کہ امداد کے بعض طریقوں سے افلاس میں بجائے تخفیف کے اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ علاوہ اس کے اگر حکومت اس فرض کی طرف سے غافل رہے تو اس میں نہ صرف اس کی بدنامی ہے

بلکہ اندیشہ ہے کہ یہ طرز عمل تمام قوم کے لیے خطرناک ثابت ہو۔ لہذا امداد محتاجان ایک ایسا مسئلہ ہے جو صرف سرکاری انتظام اور حکومت کی کوششوں سے حل ہو سکتا ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ مفلسوں کی مدد کے لیے ایسے طریقے تجویز و اختیار کرے جن میں عموماً پائی جاتی ہو۔ لیکن حکومت کی مداخلت کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ خانگی خیرات کا سلسلہ بالکل منقطع ہو جائے۔ برطانات اس کے امداد کے دونوں طریقوں کو اس طور پر ترتیب دیا جائے کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف نہ ہوں بلکہ دونوں سے ساتھ ساتھ استفادہ کیا جاسکے تاکہ قوم کو یہ حیثیت مجموعی کثیر سے کثیر فائدہ حاصل ہو۔ محتاجوں کی اس طور پر امداد کرنا کہ اس سے نہ کامیوں کی ہمت افزائی ہو اور نہ محنت و جان نفعی سے روٹی کمانے والوں پر بیجا بار پڑے، یہ ایک ایسا مقصد ہے جس کو اب تک کوئی حکومت بہ تمام و کمال پورا نہ کر سکی۔ بہر حال سرکاری خرچ کے اس سلسلہ جزی کی خاطر بھاری بھاری ٹیکس لگانے پڑتے ہیں۔ مرکزی اور مقامی حکومتوں کے متفقہ عمل سے اس کا انتظام کیا جاتا ہے جدید تحریکیں پیش کرنا اور ان کے عملدرآمد کی تنقید کرنا مرکزی حکومت کا کام ہے شروع عائد کرنا اور اس کا عملی انتظام کرنا مختلف مقامی حکومتوں کا۔ مقصد یہ ہے کہ کام چسن و خوبی انجام پائے اور کام کے طریقہ اتنے تغیر پذیر ہوں کہ مختلف مقامی حالات پر کچھ رد و بدل کے بعد ان کا اطلاق ہو سکے۔

انیسویں صدی سے پیشتر تک رعایا کی تعلیم کا دار و مدار ملک کے سخاوت شعار اور مذہبی افراد کی مرضی پر ہوتا تھا۔ لیکن انیسویں صدی سے تعلیم بھی حکومت کا ایک فرض سمجھی جانے لگی۔ ۱۹۱۸ء میں برطانیہ عظمیٰ نے شاہی آمدنی سے (۱۹۳۰-۱۹۸۰) پونڈ اور مقامی آمدنی سے (۱۹۲۶-۲۸۰۶۹۹) پونڈ عوام الناس کی تعلیم پر خرچ کئے۔ اخلاقی اور معاشی دونوں حیثیتوں سے یہ مصروف بالکل یعنی برائعات ہے۔ اخلاقاً تو اس لیے کہ اس کی بدولت برائیوں اور جرائم کی روک تھام ہوتی ہے اور معاشی نقطہ نظر سے اس لیے کہ رعایا کی معلومات، ان کی مہارت اور ان کی استعدادیں ترقی ہوتی ہے اور انہی پر دراصل قوم کی قوت پیدا آوری کا دار و مدار ہے۔ رعایا میں کارگزاری کی صفت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک خاص درجے تک مدارس میں لڑکوں کی

حاضری لازم کر دی جائے۔ لیکن بے شمار لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی اولاد کی تعلیم کا بار نہیں اٹھا سکتے اور سرکاری امداد کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرکاری تعلیم مفت کر دی گئی۔ اسی طرح ثانوی اور صنعتی تعلیم، علمی تحقیقات، 'عجائب خانوں' تصویر خانوں، اور کتب خانوں پر سرکاری قدر و پیر صرف کرتی ہے اس کی بھی غرض و غایت یہی عوام الناس کا مفاد ہے۔ اگر ان کاموں پر عقل ہندی کے ساتھ روپیہ خرچ کیا جائے تو مصارف کی مناسبت سے نتائج قوم کے لیے بہت زیادہ نفع بخش ہوتے ہیں۔ یہ روپیہ گویا بہ طور اصل کے ہے جو قوم کی آئندہ ترقی کے لیے ان کاموں میں لگایا جاتا ہے۔ لہذا اس کا شمار بھی خرچ پیدا آور میں ہونا چاہیے۔ فنانکی اعداد اور ۱۹ عطیات سے بھی ضروری فائدہ پہنچتا ہے لیکن اس کی مقدار نہایت ناکافی ہوتی ہے۔ مزید برآں تعلیم ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا تعلق بہ حیثیت مجموعی تمام قوم سے ہے اور ابھی تک یہ مسائل معرض بحث ہی میں ہیں کہ قوم کو تعلیم پر کس قدر روپیہ خرچ کرنا چاہیے اور اس طرح روپیہ صرف کرنے کے بہترین طریقے کیا ہیں۔ بہر حال تعلیم پر اگر سوچی سمجھ کر روپیہ صرف کیا جائے تو عوام الناس کے لیے وہ ضرور نفع بخش ثابت ہوتا ہے۔ گو ساتھ ہی اس کے کثیر مطالبات کا شاہی اور مقامی دونوں آمدنیوں پر کافی سخت اثر پڑتا ہے۔ تعلیم پر حکومت کا روپیہ خرچ کرنے کے لیے ایک اور دلیل پیش کی جاتی ہے جو اخلاقی اسباب پر مبنی ہے اور اس دلیل کے مشابہ ہے جو امداد محتاجان کی موافقت میں پیش کی جاتی ہے۔ یعنی یہ بات سراسر خلاف انصاف ہے کہ کوئی شخص تعلیم کے ثمرات اور ایک خوشحال زندگی بسر کرنے کے موقعوں سے صرف اس لیے محروم کر دیا جائے کہ اتفاق سے وہ ایک غریب خاندان میں پیدا ہوا ہے۔ بالفاظ دیگر حکومت کا یہ نہایت اہم فرض ہے کہ رعایا کے لیے ترقی کے وسائل ہم پہنچانے میں طرفداری سے کام نہ لے بلکہ تمام طبقوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرے۔

سرکاری خرچ کی دوسری مدیں جو فرائض اختیاری میں شامل ہیں، آدم اہمہ کی پیش کردہ تیسری قسم کے معاملے ہیں ان میں رعایا کے عام فائدے کی بامین داخل ہیں جیسے روشنی گھر، بندر گاہیں، سڑکیں، پل اور بعض اوقات ریلیں، ناگھر اور محل و نقل اور آمد و رفت کے مختلف ذرائع جو قوم کی معاشی خوشحالی کے لیے نہایت اہم ہیں۔ اس قسم کے

کام اختیاری شیبے میں اس لیے شامل کئے جاتے ہیں کہ رعایا کی خانگی کوششوں سے ان کا بہم پہنچایا جا نا غیر یقینی رہتا ہے۔ اور یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی قدر سرکاری روپیہ خرچ ہو گا یا ان کی کیا شکل ہوگی۔ جہاں اصل اور محنت کی افراط ہوتی ہے ریلیں اور نقل و حمل کے دوسرے ذرائع صاحب حوصلہ افراد کی خانگی کوششوں سے بہتر طریقہ طور پر مہیا کئے جاسکتے ہیں۔ البتہ حکومت عوام الناس کی محافظت اور مفاد کی خاطر ان پر نگرانی ضرور رکھے۔ لیکن جہاں ملک کے معاشی وسائل کی کافی نشوونما نہ ہوئی ہو وہاں اگر حکومت نقل و حمل اور آمد و رفت کے ذرائع خود مہیا کرے تو اس سے ملک کی دولت مند میں بہت کچھ اضافہ ہو سکتا ہے۔ ہندوستان برطانوی نوآبادیات اور دوسرے ملکوں کی مثالوں سے اب یہ بات پائیدار ثابت ہو چکی ہے کہ اس قسم کے کاموں پر سرکاری قدر روپیہ خرچ کرتی ہے اس کا وہ کافی معاوضہ پائی ہے۔ البتہ ایسے کاموں میں ہمیشہ یہ اندیشہ لگنا رہتا ہے کہ حکام متعلقہ کہیں اسرار میں نہ مبتلا ہو جائیں اور سرکاری روپیہ غلط راستوں پر نہ لگا دیں جن خاص خاص مقامات کو اس قسم کے کاموں سے فائدہ پہنچنے والا ہوتا ہے وہ ان کے فوائد گننانے میں مبالغے سے کام لیتے ہیں اور اخراجات کا لحاظ کئے بغیر ان کاموں کی تکمیل کے لیے مقرر ہوتے ہیں ورنہ لیکہ نقصان کی تمام ذمہ داری سرکاری خزانے پر ہوتی ہے۔

رعایا کے فائدے اور سہولت کے خیال سے حکومت اور بھی متعدد خدمات انجام دیتی ہے۔ پیدائش، اموات، شادی، بیاہ، معاہدات، وصیت ناموں وغیرہ کی رجسٹر کرنا۔ آبادی، تجارت، صنعت، صحت عامہ وغیرہ کے متعلق اعداد و شمار اکٹھا کرنا، اس کے سازی اور زیر سرکاری نگرانی رکھنا، وزن اور نپان کے معیار مقرر کرنا، ان خدمات کی چند مثالیں ہیں۔ یہ خدمات کچھ اس نوعیت کی ہیں کہ اگر ان کا اہتمام افراد کی خانگی کوششوں پر چھوڑ دیا جائے تو ان میں سے چند کی بہم رسانی یا تو قطعاً بند ہو جائے گی یا کم از کم ان کی خوبی میں ضرور فرق واقع ہوگا۔ بعض اوقات حکومت درآمد و برآمد پر مامنی محصول لگا کر اور انعام و اکرام دے کر خاص خاص صنعتوں کی براہ راست مدد کرتی ہے۔ ساہمائے سابقہ میں اس قسم کی جدوجہد بالعموم حکومت کے دائرہ عمل میں شامل سمجھی جاتی تھی۔ اور اب بھی بہت کچھ سمجھی جاتی ہے لیکن درحقیقت

ایسے کاموں پر روپیہ صرف کرنا حکومت کے لیے جیسا اور نامناسب ہے۔ کیونکہ ان سے جو کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ تو صرف چند خوش قسمت افراد تک محدود رہتا ہے۔ اور ان کی وجہ سے جو کثیر اخراجات لاحق ہوتے ہیں ان کا بار جمیثیت مجموعی تمام قوم پر پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ صحت بخش مسابقت جو ہر قسم کی ترقی کی روح رواں ہے اس کے رُک جانے سے قوم کو جو نقصان اٹھانا پڑتا ہے وہ بالکل جداگانہ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ سرکاری جدوجہد کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس میں مزید وسعت کی گنجائش بے انتہا ہے۔ اس کے متعلق کوئی قطعی معیار قائم نہیں کیا جاسکتا بلکہ مصلحت وقت اور حالات حاضرہ کے لحاظ سے اس کے حدود معین کئے جاتے ہیں۔ ہر ایک تجویز کے متعلق شہادت و استدلال کے ذریعے سے یہ ثابت کرنا ضروری ہوگا کہ وہ دراصل عوام الناس کے مفاد کے مطابق و نیز اس قدر اہم ہے کہ اس کے مصارف کا بار اٹھانا حکومت کے لیے مناسب و ضروری ہے۔ اور اگر کسی نئے کام میں ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کیا جائے تو پہلے ایک چھوٹے پیمانے پر اس کا تجربہ کر لیا جائے بشرطیکہ ایسا کرنا ممکن ہو۔ رہنمائی کی غرض سے بعض عام اصول ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ حکومت کی جدوجہد مصلحت مند اشخاص کی پست بہت ہی کا باعث نہ ہو بلکہ مخصوص ان کاموں میں جو رعایا کی فائلی کو شششوں سے چسن و خوبی انجام پاسکتے ہوں۔ حکومت کو ایسے کاموں میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہیے جن کی کامیابی کا کافی یقین نہ ہو اور جو کم و بیش تعینی نوعیت کے ہوں جن کاموں کے لیے کثیر سرمایہ و کار ہو ان کے متعلق کافی ثبوت ہم پہنچا یا جائے کہ وہ عوام الناس کے حق میں مفید ہوں گے۔ کام اس قسم کے نہ ہوں کہ ان سے صرف کوئی خاص جماعت یا طبقہ مستفید ہو سکے اور ان کے اخراجات کا بار دوسرے طبقوں کو برداشت کرنا پڑے بلکہ واضح طور پر یہ ثابت کرنا چاہیے کہ تمام قوم جمیثیت مجموعی ان کے ثمرات سے مستفیع ہو سکے گی۔ اور حکومت کے تمام کاروبار اسی قسم کے ہوں کہ عوام الناس ہر آسانی ان کا مشاہدہ کر سکیں اور ان کے مالی اثرات اور عملدرآمد کے متعلق کچھ چینی کر سکیں۔

برطانیہ عظمیٰ میں ہر سال سرکار کی آمدنی اور اخراجات کا ایک بیٹھ یا تو می ہوا نہ تیار کیا جاتا ہے اور پارلیمنٹ میں بغرض تنقید پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آئینہ دی کسیچیکر یہ جمیثیت وزیر مال اور کیبنٹ کے قائم مقام کے موازنہ تیار کرتا ہے لیکن

کل کیسٹ جیٹ مجموعی ایک ذمہ دار ہوتی ہے۔ پہلے تو وہ سال گذشتہ کی آمدنی اور اخراجات کا حساب بتاتا ہے بعد ازاں سال آئندہ کے مجوزہ اخراجات کا تخمینہ پیش کرتا ہے۔ اور پھر ان اخراجات کے لیے آمدنی حاصل کرنے کے ذرائع تجویز کرتا ہے۔ کل اخراجات و اخراجات میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ (۱) مصارف معین جن میں وہ اخراجات شامل کئے جاتے ہیں جو کم و بیش مدامی ہوتے ہیں۔ اور جس کے لیے ہر سال پارلیمنٹ کی منظوری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سود، سالیانے، قرضہ عام کا ذخیرہ ادائی، خاندان شاہی کے مصارف، عدالتوں وغیرہ کے اخراجات اور غماص خاص و خلافت اس عنوان میں شامل ہیں۔ (۲) مصارف غیر معین ان کے لیے ہر سال از سر نو منظوری حاصل کی جاتی ہے۔ اور ان میں دیوانی خدمات، اور معمول آمدنی کے اخراجات، ملک کی حفاظت (فوج۔ بحریہ وغیرہ) اور تعلیم کے مصارف شامل ہوتے ہیں۔ موازنہ تیار کرنے کے لیے حکومت کے مختلف سرشتوں سے مفصل تخمینہ دفتر خزانہ میں روانہ کئے جاتے ہیں۔ سال آئندہ کی آمدنی کا اندازہ کرنے کے لیے بڑی مہارت اور تجربے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک طرف تو آمدنی کے متعلق حقائق قیاس بڑی بڑی امیدیں نہیں باندھنا چاہی اور دوسری طرف اخراجات کا گھٹا گھٹا کر اندازہ نہیں کرنا چاہیے۔ بالعموم مالیات کے مدامی حکام کو سا لہا سال تک ایک ہی قسم کا کام کرنے کی وجہ سے اس قدر تجربہ حاصل ہو جاتا ہے کہ ان کے تخمینہ اکثر و بیشتر نہایت صحیح و درست ہوتے ہیں۔

برطانوی دستور کا یہ ایک نہایت ہی اچھا اصول ہے کہ سرکاری و غیرہ اخراجات کی تمام تجویزیں وزارت کی طرف سے پیش ہوتی ہیں۔ دارالامرا کو مالی معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ دارالعوام کی طرف سے ایک کمیٹی مقرر کی جاتی ہے جس کی تنقید و نکتہ چینی کے بعد اخراجات و ذرائع آمدنی کی تمام تجاویز دارالعوام کے جلسے میں پیش اور غلبہ آراء سے منظور کی جاتی ہیں۔ چونکہ رقبی معاملات پر صرف مجلس ادنیٰ کو اختیار حاصل ہے لہذا رعایا پر جس قدر ٹیکس لگایا جاتا ہے وہ گویا فود انسی کی رضا مندی سے لگایا جاتا ہے۔ خاص خاص اوجاب کے لیے خاص خاص رقبے مقرر کروئی جاتی ہیں اور ایک مد کی رقم دوسری مد میں صرف نہیں کی جاسکتی۔ اس بات کی نگرانی کے لیے کہ آیا مختلف حکام اپنے اختیارات کو بجا طور پر استعمال کرتے ہیں، حکومت کی طرف سے نہایت ہی باقاعدہ اور مکمل اعظام کیا جاتا ہے جس کی بدولت

تغلب و تصرف کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہتا۔ جوں جوں آمدنی وصول ہوتی جاتی ہے انگلستان بینک میں جو حکومت کا خزانچی ہے بہ طور امانت کے رکھوا دی جاتی ہے حکومت کی طرف سے رقموں کی ادائیگی بھی پارلیمنٹ کے ایک قانون کے مطابق اور کنٹرولر جنرل اور دفتر خزانہ کے احکامات کی بنا پر انگلستان بینک ہی کے توسط سے ہوتی ہے حسابات کی جانچ پڑتال کے لیے حکومت نے ایک مخصوص محکمہ قائم کر رکھا ہے جو محکمہ تصفیہ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ محکمہ حکومت کے بعد حسابات کی جانچ پڑتال کر کے پارلیمنٹ کی حسابات عامر کی کمیٹی کے پاس رپورٹ پیش کرتا ہے۔ اس طرح خرچ کرنے اور نکس لگانے کا اختیار بھی پارلیمنٹ ہی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور قوم کے تعمیل حسابات بھی ختم سال کے بعد پارلیمنٹ ہی کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ دوسرے ملک کے مالی انتظامات ہی انہی اصول پر بنی اور نہ کوئی بالفاظ عام کے مشابہت کو تفصیلی جزئیات میں وہ بہت کچھ مختلف ہیں۔ مندرجہ ذیل تحتے ۱۹۱۳ء کے حسابات فیڈانٹس سے نقل کئے گئے ہیں جن کو دیکھنے سے اس سال کے مجموعی مدائل و مخارج کا خلاصہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔

۲۰

سلطنت متحدہ

مدائل

نکس کی آمدنی :-

نکس کی آمدنی :-

£ 30,800,000-0-0	ڈاک فنانس	£ 35,450,000-0-0	گورنمنٹ گری
£ 530,000-0-0	ساربرقی	£ 89,590,000-0-0	چینسکی
£ 1,759,972-9-7	زمینات شاہی	£ 27,359,000-0-0	محال بحساب بادلوغیم
£ 2,303,924-14-5	نہر سوز کے مقسوم	£ 9,966,000-0-0	استناپ
	متفرقات	£ 700,000-0-0	نکس زمین
		£ 2,000,000-0-0	محمول مکان
		£ 47,249,000-0-0	نکس بحساب ملک آمدنی
		£ 415,000-0-0	محال بحساب قدر زمین
£ 35,213,897-9-0	میزان	£ 163,029,000-0-0	میزان
£ 198,242,897-4-0		جلد مدائل	

مخارج

مصارف غیر معینہ ۱۔	مصارف خدمات معینہ ۱۔
۵۔ فوجی خدمات £ 28,831,000-0-0 فوجی کارخانے £ 15,000-0-0 بحری خدمات £ 48,833,000 0-0 دیوانی خدمات £ 53,901,000-0-0 ۶۔ کروڑگی و جنگی £ 2,481,000-0-0 اندرونی آمدنی £ 2,052,000-0 0 خدمات ڈاکخانہ £ 24,607,000-0-0	(۱) مصارف قرضہ عامہ د (۱) قرضہ مدامی (سود) £ 14,787,103-16-2 قرضہ مدامی (فنانس سالیانے) £ 3,202,026-12-5 (ب) قرضہ ملکی (سود) £ 1,115,849-18-7 (ج) انتظام قرضہ £ 166,529-19-9 (د) ذخیرہ ادائیگی بدیدہ £ 5,228-484-18-1 £ 24,500,000-0-0
£ 160,170,000-0-0	۲۔ سرمایہ اصلاح شرک
	۳۔ امداد و سکونت گاہے مقامی £ 9,734,127-10-6
	۴۔ دیگر مصارف معینہ
	مصارف شہری
	سالیانے اور وظائف
	تخواتیں اور الاؤنس £ 1,698,890-6-10
	عدالتیں اور
	مستغرق خدمات
	£ 12,822,968-17-4
£ 197,492,968 17-4	جملہ مخارج



دوسری فصل

داخل شاہی کے ذرائع اور ٹیکس کے مسائل

۲۱ قرونِ اولیٰ میں دولت کا سب سے بڑا مخزن زمین تھی۔ چنانچہ اس زمانے کے بادشاہوں کی تقریباً کل آمدنی محض زمین سے حاصل کی جاتی تھی۔ فتح نازین سے سولہویں صدی کے وسط تک شاہی زمینات، معمولات کر و زگیری اور مختلف بلاد اسٹیکس مثلاً عطیے، نذرانے اور شخصی ٹیکس وغیرہ آمدنی کے خاص ذرائع تھے۔ لیکن غاندان شاہی کی موروثی جائیداد مختلف بادشاہوں اور بالخصوص ہنری ہشتم اور اس کے لڑکے کی فضول خرچیوں اور عطیات کی وجہ سے بہت کچھ ضائع ہو گئی۔ جتنی کہ جب چند سال بعد جمہوری حکومت کا دور دورہ شروع ہوا تو جو کچھ رہی سہی جائیداد تھی، وہ حکومت کے زیرِ انتظام آگئی۔ برطانیہ عظمیٰ میں عرصہ ہوا کہ حکومت کے املاک سے سرکاری آمدنی کا کوئی قابلِ لحاظ حصہ نہیں وصول ہوتا۔ لیکن اب بھی بعض ممالک میں زمین اور قدرتی وسائل کا شمار آمدنی کے اہم ذرائع میں ہوتا ہے۔ مثلاً آسٹریا اور روس میں سرکاری اراضی کا رقبہ نہایت وسیع ہے۔ انگلستان، ریاستہائے متحدہ اور برطانوی نوآبادیات میں زمین خاگی افراد کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی ہے اور اس سے جو کچھ آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ محض اس طرح کہ بہ حیثیت ایک قسم کی دولت ہونے کے اس پر ٹیکس لگایا جاتا ہے۔ آدم آسمتھ اور جے بیس بل دونوں معاشی اسباب کی بنا پر اس بات کے حامی تھے کہ سرکار اپنی اراضی علیحدہ کر دے۔ ان کی رائے کے مطابق سرکاری طور پر اراضی کا انتظام کرنے میں بہت زیادہ مصارف لاحق ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے اگر زمین خاگی افراد کی ملکیت میں چھوڑ دی جائے تو ذاتی مفاد کے اثر سے اس کی ترقی نسبتاً زیادہ سرعت کے ساتھ ہوگی۔ اور اس طرح رعایا جو مختل ہوگی تو سرکار کی آمدنی کے ذرائع میں بھی بہت زیادہ توسیع ہوگی۔ اس اصول پر عمل درآمد کی نہایت موزون مثالیں ہیں خود مختار نوآبادیات میں دستیاب ہوتی ہیں چنانچہ کناڈا نے خاص طور پر زمینیں مفت دے دے کر بیرونی ممالک کے

۲۲

لوگوں کو کتنا ڈامیں آکر بسنے کی ترغیب دی اور اس طرح ملک کی رفتار ترقی کو تیز کر دیا۔
ہندوستان میں حکومت کی خالص آمدنی کا پچھلے حصہ صرف زمین سے وصول کیا
جاتا ہے۔ اس کا باعث ہندوستان کے مخصوص حالات ہیں یہاں زمانہ قدیم سے
بادشاہ وقت زمین کی پیداوار میں حصہ دار سمجھا جاتا ہے حکومت ہی دراصل زمین کی مالک ہے
اور وہی اس کا انتظام بھی کرتی ہے۔ البتہ وہ اس کو اپنے قبضے میں نہیں رکھتی بلکہ رعایا کو پٹ پر
دے دیتی اور ان سے معمولی شرح پر لگان وصول کرتی ہے جو عرف عام میں گنسا کہلاتا ہے۔
بعض ممالک میں جنگلات، معدنیات اور دوسری قدرتی پیداواروں سے
حکومت کو آمدنی حاصل ہوتی ہے جو جنوں زمانہ گذرتا اور ملک کی آبادی میں اضافہ
ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض وسائل میں تخفیف ہوئے لگتی ہے حتیٰ کہ ایک مدت کے بعد وہ
بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ جرمنی اور برطانوی ہند میں جنگلات سے اب بھی بہت بڑی آمدنی
حاصل کی جاتی ہے۔ اور جزیرہ ناروے کی بدولت حکومت جاپان کو ایک قدرتی پیداوار
یعنی درخت کا فورا اجارہ حاصل ہے جس سے کثیر آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ اکثر ممالک میں
حکومت آمدنی کی غرض سے خاص خاص صنعتوں کو اپنی نگرانی میں رکھتی ہے۔
فرانس میں تباکو کی مناعت، سب سے صنعت اجارہ دہی کی ایک مثال ہے جس کی غایت محض
مصول آمدنی ہے۔ اس طریقے سے حکومت کو آمدنی حاصل ہوتی ہے تاہم معاشی نقطہ نظر سے
وہ مناسب نہیں خیال کیا جاسکتا۔ یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ سرکاری طور پر بنائی ہوئی
چیزیں بہت کم بل ان چیزوں کے جو رعایا کی فائنی کوششوں سے تیار کی جاتی ہیں
اوتی قسم کی ہوتی ہیں اور ایسی صنعتوں میں وہ تمام عیوب نمودار ہو جاتے ہیں جو سرکاری
پیدائش و دولت کا لازمی فائدہ ہیں۔ ہندوستان میں برطانوی حکومت کو چند سال پیشتر
افیون کی تجارت کا کم و بیش مکمل اجارہ حاصل تھا جو اس کے لیے بہت بڑی آمدنی کا
ذریعہ تھا۔ علاقائی اسباب کی بنا پر ۱۹۰۸ء میں اس تجارت میں تخفیف کی گئی اور
۱۹۱۱ء میں در قطعی طور پر بند ہو گئی۔ پریشی کی حکومت اپنی ریلوں کی خود ہی مالک ہے
اور ان کو چلا کر منافع کماتی ہے گو یہ ضرور ہے کہ اس صورت میں محض مالی منافع اس کی
اصلی غایت نہیں ہے۔ برطانیہ غلطی میں صرف ایک سرکاری اجارہ جس سے آمدنی حاصل
ہوتی ہے ڈاکخانہ ہے جس میں تار برقی اور ٹیلیفون بھی شامل ہیں۔ اس مد سے تقریباً

۸ ملین پونڈ خالص آمدنی حکومت کے ہاتھ لگتی ہے۔

سلطنت متحدہ کی مجموعی قومی آمدنی (باستثناء اس آمدنی کے جو مقامی اغراض کے لیے حاصل کی گئی تھی) ۱۹۱۴ء میں ۲۹۲۹۸۷۹ پونڈ ہوئی۔ اس میں سے ۸۳ فیصدی حصہ ٹیکس لگا کر حاصل کیا گیا تھا۔ ۵۷ ملین پونڈ اشیاء سے ۴۷ ملین پونڈ محصول آمدنی و املاک سے ۲۷ ملین پونڈ اس دولت سے جو کسی عزیز کے مرنے سے ورثہ کے ہاتھ لگتی ہے۔ ۹۹۰۰۰۰ پونڈ ان محصولات سے جو کاروباری معاملات پر لگائے جاتے ہیں اور ۲ ملین پونڈ ان ٹیکسوں سے جو زیر استعمال مکانات اور کاروباری مقامات پر لگائے جاتے ہیں۔

برطانیہ کا مالی نظام ایک زمانے تک متعدد ارتقائی مدارج طے کرنے کے بعد اپنی موجودہ صورت پر پہنچ سکا ہے۔ اس دوران میں ٹیکس کا طریقہ رفتہ رفتہ آمدنی کا اکیلا ذریعہ بن گیا۔ حصول آمدنی کے سارے طریقے جو ایام گذشتہ میں رائج تھے بتدریج متروک ہوئے گئے کیونکہ وہ یا تو مالی نقطہ نظر سے غیر مفید ثابت ہونے لگے یا خود مختار باشندوں کے سیاسی خیالات اور مقاصد کے لیے نامناسب خیال کئے جانے لگے موجودہ زمانے میں تو مالیات کی نگرانی اور اس کا انتظام دارالعوام کے اہم ترین فرامین میں شامل ہیں ٹیکس کی شکل اب سابق کی طرح رسمی خدمت کی سی نہیں رہی اور نہ وہ کسی حاکم اعلیٰ کے جبر و تشدد کا نتیجہ ہے۔ بلکہ وہ محض عوام الناس کی ذاتی رضامندی اور خدمات پر مبنی۔ اور مساوات پیدا آوری جیسے خاص اصولوں کے تابع ہے۔ ٹیکس اس لحاظ سے جبری ہیں کہ وہ خالص آمدنی کا ایک حصہ ہیں جو عام اغراض کے لیے وصول کیا جاتا ہے۔ واضعان قانون ٹیکسوں کی نوعیت اور مقدار معین کرتے اور ان کی تحصیل کا انتظام کرتے ہیں۔ غرض سیاسی اور معاشی خیالات کے زیر اثر بتدریج یہ طریقہ موعودت پذیر ہوا۔ مقصد اس کا یہ ہے کہ ملک کے تمام باشندے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق قومی آمدنی میں اپنا حصہ شریک کریں اور ان میں سے کسی پر بیجا بار نہ پڑے۔ لیکن نوعیت مالیات کے لحاظ سے بہت سی خلافت مساوات یا قوں کا نودار ہونا لازمی ہے۔ کوئی ٹیکس ایسا نہیں ہو سکتا جو مساوات و کفایت کے لحاظ سے ہر طرح مکمل کہلا یا جاسکے۔ جب تک جماعتوں اور ان کے حالات میں تبدیلیاں پیدا ہوتی رہیں گی، یہ مسئلہ کہ ٹیکس کا کونسا طریقہ سب سے بہتر ہے۔ ایک مسئلہ مجرّد کی

حیثیت سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔

بعض حضرات کے خیال میں کس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ خود ہی اپنی مرضی کے مطابق کس ادا کر دے گو محض ایک خیال اور ناقابل عمل تجویز ہے تاہم زمانہ گزشتہ میں کم و بیش اسی قسم کا ایک طریقہ متعدد چھوٹی چھوٹی شہری ملکوں میں مروج تھا۔ ہامبرگ، زوریخ اور بال کی ملکیتیں ایک زمانے میں اپنی آمدنی کا کثیر ترین حصہ رعایا کی ذاتی امداد سے جو بہ رفاہ و رغبت دی جاتی تھی، حاصل کرتی تھیں۔ اس طریقے کی کامیابی کا مدار اس بات پر ہے کہ لوگ، جمہوری طریقہ حکومت کی محبت میں سرشار ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک نہایت قابل تعریف صفت ہے لیکن وہ ایک بہت محدود درجے میں کامیاب ہو سکتی ہے اور اس کی نوعیت قومی نہیں بلکہ شہری ہے۔ اب بھی وقتاً فوقتاً اس طریقے کی حمایت کی جاتی ہے، لیکن اندیشہ یہ ہے کہ وہ حکومت کی آمدنی کا ایک بہت ہی مشتبہ ذریعہ ہوگا۔ اور زمانہ موجودہ کی حکومتوں کے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ایسی صورت میں جو موازنہ بنایا جائے گا، وہ ایک نہایت ہی ناقابل اعتبار موازنہ ہوگا۔

ایک زمانے میں کس کی توسیع اس طور پر کی جاتی تھی کہ رعایا کو حکومت کی طرف سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں جن کے معاوضے میں ہر شخص حکومت کو کچھ نہ کچھ کس ادا کرتا ہے۔ بعض اوقات اس اصول کو نظریہ مقسوم اجتماعی یا نظریہ معاوضہ خدمت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس اصول سے شاہی کسوں کی کوئی شخصی بخشش تو جبیہ نہیں ہوتی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال غالباً اس زمانے میں پیدا ہوا جبکہ ہر امیر اپنے آسامی سے ذاتی خدمت لینے کا حق رکھتا تھا۔ رفتہ رفتہ لوگ بجائے ذاتی طور پر خدمت کرنے کے زر کی شکل میں اس کا معاوضہ ادا کرنے لگے۔ اور اسی وقت سے کسوں کے ساتھ بھی معاوضے کا خیال غالب ہو گیا۔ جو جن تمدن میں ترقی ہوئی گئی، حکومت کے متعلق لوگوں کے خیالات میں تبدیلی پیدا ہوئی گئی اور بتدریج یہ خیال نمودار ہوا کہ چونکہ بادشاہ وقت ہی تمام اختیارات اور حقوق کا مرکز ہے لہذا وہ اس بات کا مستحق ہے کہ رعایا کے جان و مال کی حفاظت کے لیے ان سے کس وصول کرے اور چونکہ بادشاہ ہی خاص خاص لوگوں کو مراعات اور اجارے عطا کر سکتا تھا، اس لیے اس خیال کی اور توثیق ہو گئی۔ حتیٰ کہ حال تک یقین کیا جاتا تھا کہ

بکس گویا کم و بیش مبنی بر انصاف معاوضہ میں ان ذریعہ نوائید کا جوہر شخص کو حکومت کی جانب سے میسر جوتے ہیں۔

ماٹیکے اپنی کتاب ”روح قانون“ میں یہ اصول پیش کرتا ہے کہ سرکار کی آمدنی اس طور پر جمع ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنی دولت کا کچھ حصہ حکومت کے حوالے کر دیتا ہے کہ بقیہ حصے سے اطمینان کے ساتھ مستفید ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ یہ رائے بھی نظریہ معاوضہ خدمت ہی کی حمایت میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس اصول کے حامی ارتقاء کے گرد و انسان کی نہایت اہم اور درحقیقت بنیادی نوائید کا مطلق کوئی لحاظ نہیں کرتے۔ وہ اس حقیقت کو بھلا دیتے ہیں کہ سرکار کی خدمات کا شیک شیک اندازہ کرنا اور ان کو افراد کے درمیان تقسیم کرنا قطعی ناممکن ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حکومت ٹکسوں کے معاوضے میں محض رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرتی ہے تو اس لحاظ سے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ٹکس کی آمدنی کا کثیر ترین حصہ تو مفلس و کمزور طبقوں سے وصول کیا جائے اور جو لوگ دولت مند اور طاقتور ہوں وہ کم سے کم ٹکس ادا کریں کیونکہ اول الذکر طبقہ حفاظت کا سب سے زیادہ محتاج اور حکومت کی خدمات سے سب سے زیادہ مستفید ہوتا ہے۔ بر خلاف اس کے دولت مند اور طاقتور اشخاص نہ حکومت کے اس قدر محتاج ہیں اور نہ انہیں زیادہ معاوضہ دینے کی چنداں ضرورت۔ اس رائے کی غامی مطلق کسی تشریح کی محتاج نہیں ہے اور نہ وہ اعتراضات اور نکتہ چینی کے سامنے ٹھیر سکتی ہے۔ اخراجات سرکاری کے لیے ٹکس ادا کرنا کوئی خرید و فروخت یا مبادلہ نہیں بلکہ قوم کی آواز پر لیک بکنا اور عام فلاح و بہبود کی خاطر قوم کے مطالبات کو پورا کرنا ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ اس کی بدولت حیثیت مجموعی قوم کو بے شمار نوائید حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن ان نوائید کی کوئی مقدار معین کرنا اور ان کی خاص خاص مقدار خاص خاص اشخاص پر تقسیم کرنا قطعی ناممکن ہے۔ گردہ انسانی کے استحکام سے جو نوائید حاصل ہوتے ہیں ان کا کوئی حساب یا شمار نہیں ہو سکتا۔ اس کے اخراجات عام اور آمدنی کی ضرورت مشترک ہوتی ہے۔ ہر شخص اس سرمائے کی فراہمی کے لیے اپنی آمدنی سے کچھ نہ کچھ شریک کرتا ہے مگر اس وجہ سے نہیں کہ افراد کی حیثیت سے اسے کچھ فائدہ پہنچتا ہے بلکہ ان اجتماعی نوائید کی خاطر جو ایک منظم حالت میں اور باقاعدہ حکومت کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے تمام قوم کو حاصل ہوتے ہیں۔

سرکاری آمدنی کا بہت تصور اجماعہ ایسا ہے جو خاص خاص خدمات کا معاوضہ سمجھا جاسکتا ہے، مثلاً ڈاک اور تار کی آمدنی، عدالتوں کی فیس وغیرہ۔ ان کے سوا تمام ٹیکسوں کا دار و مدار اور سبب اصلی احتیاجات عامہ اور فوائد مشترکہ ہیں۔ اسی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ آبادی کا کوئی طبقہ ادائیگیس سے مستثنیٰ نہ ہو۔ ہر شخص رفاه عامہ سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور اٹھاتا ہے لہذا ہر شخص کا یہ فریضہ ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق شہریت کے فرائض اور اس کی ذمہ داریوں میں بھی شریک ہو۔

آدم اسمتھ اور ریکارڈ نے نقد ٹیکس کے متعلق جو بحث کی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ٹیکس کا بار اجرت، منافع اور لگان پر پڑتا ہے۔ چونکہ قومی آمدنی انہی تینوں سے مرکب ہے اور آمدنی کے یہی تین اجزاء ہیں لہذا آمدنی پر جو ٹیکس لگایا جائے گا، وہ انہی میں سے کسی نہ کسی پر عائد ہوگا۔ یہ تحقیق اس لحاظ سے بہت زیادہ قابل قدر ہے کہ اس کی بدولت مختلف قسم کی آمدنی پر ٹیکس لگانے کے مختلف اثرات کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن تقسیم ٹیکس میں اس سے کوئی قابل قدر مدد نہیں ملتی۔ مزید براں بہت سی آمدنیاں اجرت اور منافع یا لگان کا مجموعہ ہوتی ہیں۔ مثلاً مہارت کی بدولت ہیں قدر آمدنی حاصل ہوتی ہے اگر معاشی نقطہ نظر سے اس کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ان تینوں اجزاء سے کچھ اس طرح مرکب ہوتی ہے کہ ان کا ایک دوسرے سے جدا کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ محنت یا مہارت کا معاوضہ دو اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے: ایک تو قابلیت کا لگان اور دوسرے اس اصل کا سود جو مزدور کی ذات یا اس کے آلات و اوزار پر صرف کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر چائے، تبا کو یا شراب کو لیجئے جن پر ٹیکو مست محصول لگاتی ہے۔ فرض کیجئے کہ کوئی پریشہ ور ان چیزوں کی خریداری پر اپنی آمدنی کا کچھ حصہ صرف کرتا ہے۔ اب یہ بتانا ناممکن ہے کہ آیا اس محصول کا بار اجرت پر پڑے گا یا منافع پر یا لگان پر۔ ہاں یہ معلوم کرنا کافی ہے کہ وہ اس کی مجموعی آمدنی سے ادا ہوتا ہے۔ ٹیکس کے متعلق بعض اوقات یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ دولت کا ایک اچھا صنف ہے اور اس سے قوم کو آئندہ چل کر خرچ شدہ سرمائے کا سود مل جائے گا۔ لیکن یہ خیال عام طور پر صحیح نہیں ہو سکتا اور ضرورت ہے کہ نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی نشہ بچ کی جائے، ورنہ اندیشہ ہے کہ اس کی بدولت فنونِ عمری کی ترغیب ہو اور ایک تباہ کن حد تک رعایا ٹیکس وصول کرنا پڑے۔ حد سے زیادہ ٹیکس وصول کرنے سے جو تباہ کن نتائج پیدا ہوتے ہیں اس کی شہادت کے لیے

انٹیمیل پاشا کے زمانے میں مہار اور انیسویں صدی کے آغاز میں برطانیہ غلطی کی حالت کا مطالعہ کافی ہے، حالانکہ اس زمانے میں نئی نئی صنعتی ترقیوں کے باعث بہت سے مفید اثرات بھی کام کر رہے تھے۔ ہر کس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اس کی بدولت ادا کنندہ کی توجہ بچہ گھٹ جاتی ہے اور اس کی وجہ سے اشیاء کی طلب میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اس طرح کس صرف دولت اور پیدائش دولت دونوں میں تخفیف کا باعث ہیں چونکہ کس دولت پیدا نہیں کرتے بلکہ اس کو حکومت کے ہاتھوں میں منتقل کر دیتے ہیں لہذا وہ صرف اس بنا پر بجا اور مبنی بر انصاف سمجھے جاسکتے ہیں کہ مصلحت وقت ان کی مقتضی ہے۔ اور ان کا مصرف اچھا اور مفید اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ ان کے مقاصد صحیحاً قوم کے حق میں نفع بخش ہوں اور کس وصول کرنے کے طریقے کفایت اور انصاف پر مبنی ہوں۔ گرانبار اور غلات انصاف کس قوم کی توجہ پیدا آوری کو گھٹانے اور بالآخر اس کا خاتمہ کرنے کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ کوئی قوم مقدار کس کے تناسب سے مرفہ الحال نہیں بنتی بلکہ جب وہ مرفہ الحال اور دولت مند ہوتی ہے تو گرانبار کس آسانی کے ساتھ برداشت کر لیتی ہے۔ جنوبی افسہ اقیانوس کی جنگ کا برطانیہ کے مالیات پر جو اثر پڑا وہ اسی واقعے کی ایک مثال ہے۔ قوم نے مقابلہ جس آسانی کے ساتھ اس بوجھ کو اٹھالیا، وہ زبردست شہادت ہے اس بات کی کہ جنگ سے پہلے قوم نہایت ہی مرفہ الحال تھی۔

بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ اضافہ کس کی بدولت صنعت و مرفہ میں ترقی ہوگی، لوگ پہلے سے زیادہ محنت کرنے لگیں گے اور اس وجہ سے دولت بھی مقابلہ زیادہ پیدا ہونے لگی۔ کفایت شعاری، محنت اور جفاکشی کی عادتیں لوگوں میں ترقی پائیں گی جن سے کام لیکر وہ دولت کا ایک نیا۔۔۔ ماہ پیدا کرے گی کس کے اور اس طرح ادا کنندہ دل سے جو مقدار لے لی گئی تھی، اس کا انھیں کافی معاوضہ مل جائے گا واضح ہو کہ یہ استدلال اول تو کسی قدر

لے۔ محمول دیا سلائی“ رزچونس۔

کس لگانے سے پہلے ہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہر کس برا ہے لیکن چونکہ میں آمدنی کی ضرورت ہے لہذا اس سے قطعی گریز ناگھن۔ البتہ سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ کون کون کس مقابلہ زیادہ یا کم برے ہیں۔

سوفسطایا نہ ہے اور دوسرے اس کا اطلاق بہت ہی جزمی ہے۔ گمان غالب تو یہ ہے کہ اضافہ ٹیکس کی بدولت جو میلے پست، بدمرد و جہد مردہ اور صرف دولت گھٹ جائے گا۔ رعایا کو محنت و جفاکشی پر مائل کرنے کے لیے اضافہ ٹیکس سے زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ انھیں آئندہ کامیابی کی امید اور اپنی محنت کے ثمرات سے مستفید و محظوظ ہونے کا کافی یقین ہو۔ اور ٹیکس بھی صرف اسی حد تک ملک کی صنعت کو فروغ دے سکتے ہیں جس حد تک کہ وہ اس قسم کے موافق حالات پیدا کرنے اور انھیں وسعت دینے میں کامیاب ہوں۔

گزشتہ ستر سال سے برطانیہ عظمیٰ میں ٹیکس کا سب سے زیادہ مقبول و مروج اصول یہ ہے کہ ٹیکس صرف آمدنی کی غرض سے لگائے جانے چاہئیں۔ لیکن بسا اوقات دوسرے اغراض کے لیے بھی ٹیکس کی حمایت کی جاتی ہے، بالخصوص ویسی صنعتوں کی پرورش اور حفاظت کے لیے بیرونی ممالک سے آنے والے سامان پر ملک میں داخلے کے وقت محصول لگائے جاتے ہیں۔ تاکہ متی الامکان بیرونی چیزیں ملک میں داخل نہ ہوسکیں اور اس طرح ملک کی صنعتوں کو جو مصارف پیدائش زیادہ ہونے سے بیرونی مقابلے کی تائید نہیں لاسکتیں، کچھ ترجیح دیا جاسکے۔ ایسی صورت میں محصول لگانے سے ہرگز یہ مقصد نہیں ہوتا کہ حکومت کو کچھ آمدنی حاصل ہو بلکہ صرف ویسی صنعتوں کی حفاظت پیش نظر ہوتی ہے۔ یہ طریقہ بیرونی ممالک میں بہت زیادہ رائج ہے۔ معاشی نقطہ نظر سے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ محصول کے ذریعے بیرونی مسابقت کو خارج کر کے ملکی صنعتوں کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور اعلیٰ مصارف پیدائش کا بار گران قیمتوں کی شکل میں خریداروں پر پڑتا ہے۔ مزید برآں ملک کے اندر بعض دوسری چیزیں یعنی اشیائے برآمد کی پیداوار میں تخفیف ہوتی جاتی ہے۔ اگر بیرونی سامان کی درآمد پر محصول نہ لگایا جاتا تو اول الذکر چیزیں ملک میں تیار کی جاتیں تاکہ ان کے معاوضے میں بیرونی ممالک سے وہ چیزیں خریدی جائیں جو اب محصول درآمد کی مدد سے روک دی گئی ہیں اور اعلیٰ مصارف پیدائش کے ساتھ ملک میں پیدا کی جارہی ہیں۔ اس طرح گویا ایک تجارت کو تباہ کر کے دوسری تجارت کو بڑھایا جاتا ہے اور ملک کی محنت و اصل کو ایک قسم کی صنعتوں سے منتقل کر کے دوسری قسم کی صنعتوں میں لگادیا جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ معاشی نقصان ہے۔ ایک طرف تو ٹیکس کی بدولت ضرورت کی چیزیں گراں ہو جاتی ہیں اور دوسری طرف حکومت کو مطلق کوئی آمدنی نہیں ملتی یا اگر ملتی بھی ہے تو اسی قدر

تقلیل کہ وہ قابل لحاظ نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے کہ کس یا تو ملکی صنعتوں کی حفاظت کرے گا یا حکومت کے لیے آمدنی کا ذریعہ بنے گا۔ وقت واحد میں وہ ان دونوں صنعتوں کا حامل نہیں ہو سکتا جس حد تک وہ دیسی صنعتوں کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتا ہے اس حد تک وہ حکومت کی آمدنی میں تخفیف کا باعث ہوتا ہے اور جس قدر اس کی بدولت حکومت کو آمدنی حاصل ہوتی ہے، اسی قدر وہ اپنا اصلی مقصد انجام دینے میں ناکام رہتا ہے۔

۱۸۳۶ء میں قوانین غلہ کی تنسیخ کے بعد سے برطانیہ عظمیٰ میں یہ طریقہ باطل ترک کر دیا گیا اور ۱۸۴۶ء میں تو برطانیہ کے مالی نظام سے وہ قطعی طور پر خارج کر دیا گیا۔ لیکن چند سال سے تائینی محصولات کو دوبارہ رائج کرنے کے لیے زبردست کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اور اس سلسلے میں بہت سی دلیلیں پیش کی جاتی ہیں جو اکثر ایک دوسرے کی مخالفت ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک تجویز یہ پیش کی جاتی ہے کہ (۱) بیرونی پیداوار پر خوب محمول لگا کر نوآبادیات کی پیداواروں کو ترجیح دی جائے تاکہ نوآبادیات سے ہماری تجارت خارجہ قائم ہو جائے اور اس طرح ایک خود کفیل برطانوی شاہنشاہی کا خیال واقفیت کا جامہ پہن سکے۔ ساتھ ہی ایک تجویز یہ بھی ہے کہ (۲) بیرونی پیداوار کو محمول کی مدد سے خارج کر کے ملک کی صنعتوں کو بڑھایا جائے۔ اور پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (۳) دوسرے ممالک سے آنے والی چیزوں پر انتقامی محصولات عائد کئے جائیں تاکہ دوسری قومیں برطانوی مال پر سے محمول گھٹانے پر مجبور رہوں اور اس طرح ان ممالک کے ساتھ برطانوی تجارت میں اضافہ ہو۔ لیکن یہ کہ یہ دلائل انفرادی حیثیت سے مختلف طبقوں کو مناسب معلوم ہوں لیکن از روئے منطقی ان تینوں مقاصد کو کسی ایک مالی نظام کے تحت حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اور ساتھ ہی یہ ایک یقینی بات ہے کہ دوبارہ تائینی محصولات عائد کرنے سے برطانیہ عظمیٰ کو بہت بڑا معاشی نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔

۳۰

بسا اوقات حکومتیں قوانین تعیش کی مدد سے رعایا کے صرف مصارف کو درست کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ فضول خرچی اور تعیش قوم کی جسمانی طاقت کو کمزور اور اس کے اخلاق کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تعیشات اور بانخصوص مسکرات پر کس لگانے کی نہایت زور دے ساتھ حمایت کی جاتی ہے۔ بعض لوگ جو مسکرات کے استعمال سے کامل احتراز کرتے ہیں اس بات کے حامی ہیں کہ ان چیزوں پر کس اس قدر

زیادہ لگائے جائیں کہ ان کی خرید و فروخت قطعاً بند ہو جائے۔ کامل احتسار کی بدولت ایک طرف تو دولت میں اضافہ ہو گا اور دوسری طرف اربنکاب جبرائیم کے سلسلے میں جو اخوابین لاحق ہوتے ہیں، ان میں تخفیف ہوگی اور مسکرات پر ٹکس لگانے سے فی الحال بجا دینی حاصل ہوتی ہے اس کا اس طرح کافی سے مائدہ معاوضہ مل جائے گا۔ اخراجات سرکاری کے اسباب میں معاشرتی اور اخلاقی اغراض کا بھی بلاشبہ بہت بڑا حصہ ہوتا ہے چنانچہ تعلیم، مفاسد کی پردوش و محابس اور مجوسین کی تربیت گاہوں کے اخراجات اس واقعے کی بدیہی مثالیں ہیں۔ لیکن نامناسب مصارف کو روکنے کے لیے ٹکس کو خاص طور پر ذریعہ بنانا ایک ایسے اصول کی ابتداء کرنا ہے جس کا اطلاق نہایت وسیع ہو سکتا ہے اور جو ٹکس کے خاص اور ضروری مقصد کے منافی ہو گا۔ ساتھ ہی ساتھ ٹکس لگانے کے لیے اشیاء کا انتخاب کرتے وقت ضمنی مقصد ہی اگر پیش نظر رہے تو بہتر ہے۔ مثلاً شراب اور تباکو جیسے تعیشت پر ٹکس لگانے کے لیے بہ مقابل غذا کے جو حیات کے لیے ضروری ہے زیادہ موزوں چیزیں ہیں۔ اشتراکیت کے حامی ٹکس کے ذریعے موجودہ معاشرتی نظام میں رد و بدل اور تقسیم دولت میں مساوات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ دولت مند طبقوں سے اس قدر ٹکس وصول کیا جائے کہ ان کی دولت کا بہت بڑا حصہ اس کی ادائیگی صرف ہو جائے۔ معاشی نقطہ نظر سے اس طرح ٹکس لگانے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ عاقل و محنت و بافضلانہ کرنے اور اپنی کمائی سے کچھ پس انداز کرنے کے لیے کوئی ترغیب نہیں باقی رہے گی اور اس طرح اہل نہیں جمع ہوتے پائے گا۔ اس قسم کی تجویزوں کی حمایت کرنے والے اس بات کو بھلا دیتے ہیں کہ دولت ہمیشہ مصروف اور دوبارہ پیدا کی جا رہی ہے۔ اگر ہم کوئی ایسا طرز عمل اختیار کریں جس کی بدولت دوبارہ دولت پیدا کرنے کے لیے کسی قسم کی ترغیب نہ رہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ پیدائش دولت میں رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی اور افلاس ہر طبقہ آبادی میں پھیل جائے گا۔

غرض ہم اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں کہ ٹکس لگانے سے محض آمدنی حاصل کرنا مقصود ہے۔ اس کے بعد ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ ٹکس لگاتے وقت کن کن اصول کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ سب سے پہلا اصول تو مساوات یا سیاسی انصاف کا ہے جس کو آدم اسمتھ نے اس طور پر بیان کیا ہے کہ "چرٹن کو اپنی استطاعت کے موافق ٹکس ادا کرنا

چاہیئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر "استقامت" کے کیا معنی ہیں۔ یا استقامت کے عوض جو الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں مثلاً "قوت"، "قابلیت"، "مساوات" ایسا "ران" کا کیا مفہوم ہے اور کیونکر ان کی تشریح کی جانی چاہیئے جس زمانے میں ایسا راجہ فوجی خدمت یا ذاتی محنت کی شکل میں کیا جاتا تھا، اس قسم کی مساوات کا قائم کرنا زیادہ آسان تھا۔ ہر شخص اپنی جسمانی طاقت اور دماغی قابلیت کے لحاظ سے اپنا حصہ ادا کرتا تھا جو وہ زمانے میں اس قسم کی مثالیں بہت کمپا ہیں، گو اب بھی جب کبھی فوج میں زبردستی بھرتی کی جاتی ہے تو ہر ایک باشندہ یہ حیثیت ایک فوجی کے اپنی اپنی استقامت کے موافق ملک و قوم کی خدمت انجام دیتا ہے۔ لیکن اول تو فوج میں زبردستی بھرتی کرنا معاشی نقطہ نظر سے بہت قابل اعتراض ہے، دوسرے یہ کہ حکومت کی تمام ضروریات محض فوجی خدمت سے پوری نہیں ہوتیں۔ تہذیب جدید کے مطالبات کو پورا کرنے کے لیے تو آمدنی کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ جدید صنعتی اور تجارتی اقوام میں مساوات ایسا رکنا حاصل کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہے کیونکہ ان کے نظام نہایت ہی پیچیدہ ہو گئے ہیں اور ہر چیز کی قدر و قیمت ایک مشترک معیار کے ذریعے سے ظاہر کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ "استقامت" کو زرعی اصطلاح میں ظاہر کرنا آگے لگاتے وقت یہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ اس کا اثر ہر شخص پر اس کی مالی استقامت کے مطابق ہو۔ جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہو گا کہ کامل مساوات یا سہا شری انصاف کا حاصل کرنا محال ہے۔ البتہ اس کے قریب قریب پہنچنا ضرور ممکن ہے اور وہ اس طرح کہ معمول مرکب کا طریقہ اختیار کیا جائے جس کی بدولت قوم کے مختلف طبقوں پر براہ راست یا بالواسطہ اثر ڈالا جاسکتا ہے۔

نکس کے جدید طریقوں کی تشریح کرتے وقت ان کے ارتقائے تاریخی کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ برطانوی نظام کے بہت سے اجزاء اس وقت تک ہمارے سمجھ میں نہیں آتے جب تک کہ ہم اس بات کو خوب ذہن نشین نہ کر لیں کہ وہ بعض قدیم نکسوں کے قائم مقام ہیں جو حالات کے بدل جانے سے جدید شکلیں اختیار کر چکے ہیں۔ اسی کے ساتھ بعض نئے نکس بھی نمودار ہو گئے ہیں جو زمانہ حال کے جدید اصول کا نتیجہ ہیں۔ اور ان قدیم و جدید تمام نکسوں سے یہ حیثیت مجموعی ایک ایسا نظام قسائم ہو جاتا ہے

جس کی بدولت سیاسی انصاف کا امول بہت بڑی حد تک پورا ہو جاتا ہے۔ غرض یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ ٹکس کے جدید طریقے بتدریج ترقی کرتے کرتے اپنی موجودہ حالت پر پہنچے ہیں اور مختلف ممالک میں جو طریقے آج کل رائج ہیں وہ دراصل بعض قدیم طریقوں کی یادگار ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ جدید حالات، معاشی معلومات اور سیاسی خیالات کے اثر سے ان کی شکلیں بھی بدل گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف ممالک میں ٹکس کے مختلف طریقے نظر آتے ہیں۔

معاشی اور معاشرتی دونوں حیثیتوں سے ہر ملک پر اس کے ٹکسوں کی نوعیت کا اثر پڑتا ہے۔ اور اسی طرح ہر ملک کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات کا اثر وہاں ٹکس کے مروجہ طریقوں پر پڑنا لازمی ہے۔

بحث چہم

نفت :- نفت میں براغسرا من آمدنی Spirits پر ایک بھاری محصول لگایا گیا جس کے اثر سے ان کا استعمال اور ساتھ ہی اس ٹکس کی پیداوار دونوں گھٹ گئے۔ تب اس بنا پر اس کی چابنج کی گئی کہ وہ لوگوں کو اعتدال بلکہ ترک استعمال کی طرف مائل کرتا ہے۔

بیکاروں کے لئے کام مہیا کرنے کی غرض سے ٹکس کی آمدنی سے رقمیں مہیا کی گئیں۔ اس کا معاشی اثر یہ ہے کہ اصل خانگی ہاتھوں سے کل کر سرکاری ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔ خانگی اشخاص جو مزدوروں سے کام لیتے ہیں اس میں غالباً کمی واقع ہوتی ہے تاکہ نسبت بہت کم کار گزار طریقے پر سرکار ان کے لیے کام مہیا کر سکے۔ مسئلے کی مجبوری اور شدت ضرورت کی بنا پر اس تدبیر کی حمایت کی جاتی ہے لیکن قانون مفلسان پر نظر ثانی کر کے زیادہ کفایت کے ساتھ اس کو مل کیا جاسکتا ہے۔

تیسری فصل

فلکس لگانے کے اصول

فلکس کا کوئی نظام اس وقت تک اچھا نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ وہ چند بنیادی شرائط کو پورا نہ کرے۔ مساوات، پیداواری کفایت اور سادگی یہ چند اصول ہیں جن کی پیروی ہر فلکس کے واسطے ضروری ہے۔ فلکسوں کا بار تمام رعایا پر مساوی حیثیت سے پڑنا چاہیے، ہر فلکس سے کثیر آمدنی حاصل اور اس کے وصول کرنے میں کم سے کم اخراجات لائق ہونے چاہئیں۔ اور اس کا اس طور پر انتظام کرنا چاہیے کہ ادا کنندوں کو یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ کس قدر فلکس ادا کر رہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا اس قدر جامع مقصد محصول مفرد کے طریق سے بہتر حاصل ہو سکتا ہے یا محصول مرکب کے طریقے سے جو متعدد فلکسوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ جہاں تک سادگی کا تعلق ہے محصول مفرد کا طریق خاص طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ تو محصول آمدنی کی شکل میں اس کی حمایت کرتے ہیں اور بعض (جو زمین کو تمام دولت کا اکیلا ماخذ خیال کرتے ہیں) محصول زمین کی شکل میں۔

فرائض میں اٹھارہویں صدی کے وسط میں یہ اعتقاد بہت زیادہ غالب تھا کہ صرف زمین سے فلکس وصول کرنا سراسر مبنی بر انصاف ہے۔ اس زمانے کے معاشین جو فطرتاً زمین کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں یہ سمجھتے تھے کہ ان کا ایجاد کیا ہوا محصول مفرد ہی فلکس کا ایک ایسا طریق ہے جو صحیح معاشی اصول پر مبنی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ زراعت سے ہر صورت میں ایک حاصل خالص یا حاصل زائد ہاتھ لگتا ہے جو کسی اور صنعت میں میسر نہیں ہوتا۔ اس بنا پر وہ اس اصول کے حامی تھے کہ تمام فلکس زمین کی لگان سے وصول کرنا چاہیے۔ انھوں نے اس بات پر نہیں غور کیا کہ زراعتی پیداوار کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا بھی ہوتا ہے جس سے مصارف پیدایش ہی بہ مشکل دستیاب ہوتے ہیں۔ لہذا جس زمین پر وہ اگایا جاتا ہے اس سے کوئی لگان نہیں ملتا۔ اگر تمام فلکس کا انحصار

محض زراعتی لگان پر رہے تو حالات جدید کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس سے کافی آمدنی نہیں حاصل ہو سکتی۔ مزید برآں کسی طرح اصول مساوات کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ معاشی تجربے کی بدولت اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ منافع اور اجرت کو دونوں میں لگان کا جزو و نمودار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ موجودہ زمانے میں تجارت اور صنعت سے بڑی بڑی آمدنیاں پیدا کی جاتی ہیں جو محض زمین پر محصول لگانے سے نکس کی ادائی سے بچ جاتی ہیں۔ برغلاف اس کے بسا اوقات زراعتی زمین کا لگان اس اصل کے سود سے زیادہ نہیں ہوتا جو زمین پر دسترس حاصل کرنے اور اُسے پیدا آور بنانے میں صرف کیا جاتا ہے۔ (بدیہ حقیقت سے ثابت ہو چکا ہے کہ لگان کوئی ایسا بے مثل یا سادہ زراعتی واقعہ نہیں ہے جیسا کہ فلاسٹین نے خیال کیا تھا)۔ بہتری باارج اور دوسرے اشخاص نے بھی زمین پر محصول مفرد کی حمایت کی ہے، لیکن اس لیے نہیں کہ وہ کوئی محصول آمدنی کا ایسا ذریعہ ہے جو محصول نمس کے مطابق ہے۔ بلکہ اس خیال سے کہ لگان کی آمدنیوں پر تصرف جاکر زمین کو عمومی ملک بنانے کی وہ ایک تجویز ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر مناسب سمجھا گیا کہ اس مسئلہ پر کسی اور جگہ بحث کی جائے۔

طریق محصول مفرد کی بنیاد محصول آمدنی پر رکھنا بھی اسی طرح ناقابل عمل ہے۔ اس خیال کو عملی جامہ پہنانا قطعاً ممکن نہیں ہے۔ غرضاً تو اس قسم کے براہ راست مطالبات کو پورا کر ہی نہ سکیں گے۔ اور دوسروں کے لیے بھی یہ بات نہایت مشکل بلکہ شاید ناممکن ہوگی کہ اپنے تمام نمس ایک براہ راست محصول کی شکل میں ادا کریں۔ اور اگر اس پر اصرار کیا گیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ تکلیف محسوس کریں گے، نکس کی ادائی سے بچنے کی کوشش کریں گے اور غالباً ایسے مطالبات کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے محصول مفرد آمدنی میں جو مساوی تصور کر لی گئی ہے وہ حقیقت سے بہت دور ہے۔ اس کے علاوہ محصول مفرد آمدنی کے طریق میں تغیر پذیری یا پلک برائے نام بھی نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کو نوراً مختلف حالات کے مطابق نہیں کر سکتے جیسا کہ محصول مرکب کی حالت میں ممکن ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی نوعیت ہی کچھ اس قسم کی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے نفرت کا پیدا ہونا یقینی ہے۔ اور عام ازیں کہ اس کے کتنے ہی مدارج مقرر کئے جائیں، وہ مساوات پر قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک پیچیدہ اور اعلیٰ درجے کی

تنظیم یافتہ سوسائٹی میں متعدد اور مختلف ذرائع سے لوگ آمدنی پیدا کرتے ہیں۔ لہذا جب تک کہ محمول مرکب کا طریق نہ اختیار کیا جائے مختلف طبقوں اور مختلف استطاعت والوں سے ٹکس وصول کرنا یا مساوات کے قریب قریب پہنچنا قطعاً ناممکن ہے۔

محمول مفرد کی مخالفت میں آر تھرینگ نے ایک دوسرا اصول پیش کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ٹکس کا وہی نظام اچھا ہے جس کا بار ضیف لیکن بے شمار مقامات پر عائد ہوتا ہے اور جو کسی طبقے پر گراں نہیں ہوتا۔ لیکن یہ طریقہ بھی اصول عام اور کفایت دونوں کے خلاف ہے جو بات اس اصول کے قبول کرنے پر لوگوں کو آمادہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے مطابق ٹکس کا اثر منتشر ہو جاتا ہے اور ادا کرنے والوں کو اس کا بار نہیں محسوس ہوتا۔ لیکن دراصل یہ خیال سخت غلط نہیں پرینی ہے۔ آمدنی، خرچ، املاک، آمد و رفت اور نقل و حمل کے ذرائع، غرض کوئی معاشی جدوجہد ایسی نہ ہوگی جو اس انتظام میں ٹکس کی ادائی سے بچ جائے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک ایسا مشکل اور پیچیدہ نظام قائم ہو جائے گا جس کی وجہ سے پیدائش و تجارت میں متعدد موانعات پیدا ہو جائیں گی اور کفایت، دقت و مساوات کے اصول باقی نہ رہ سکیں گے۔ فیسری جنگ کے آغاز سے انیسویں صدی کے وسط تک برطانیہ غلطی میں ٹکس کا جو پیچیدہ اور مشکل نظام قائم تھا، اس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ متعدد مقامات پر ٹکس کا بار ڈالنے سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ملک کے تمام طبقے اور بالخصوص غریب خریدار ملکوں کے بارگراں کے نیچے دبے جاتے تھے۔ بہت سے ٹکس غیر پیداوار اور زندگی کی ہر ضرورت پر عائد ہوتے تھے اور پیدائش، دولت کے حق میں ان کے اثرات نہایت تباہ کن تھے۔

سرجارج کارن وال لیوین نے ٹکس کا ایک اور اصول تجویز کیا ہے جس کے مطابق

لے۔ جیوئس۔ "اصول معاشیات" اگر ہم بہت تیز دیکھیں تو ان کا بار لازمی غیر یقینی اور بے قاعدہ ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر ہم چھوٹے چھوٹے ٹکس کثیر تعداد میں لگائیں تو اندیشہ ہے کہ آزادی میں ضرورت سے زیادہ مداخلت ہوگی تو زمین بہت پیچیدہ ہو جائیں گے اور ٹکس وصول کرنے کے مصارف میں شدہ آمدنی سے بڑھ جائیں گے۔ لہذا مناسب ترین طریقہ عمل یہ ہے کہ ملکوں کی تعداد محدود ہو اور ہر ٹکس بجائے خود ایک قابل لحاظ آمدنی کا باعث ہو۔

”نسیات کا مقصد یہ ہے کہ کم سے کم تکلیف اٹھا کر زیادہ سے زیادہ سرمایہ حاصل کیا جائے۔“ اس اصول کے مطابق ٹکس کی دو بڑی شرطیں یعنی پیدا آوری اور کفایت پوری ہو سکتی ہیں۔ لیکن ان شرائط کو عملی جامہ پہننانے کے کوئی ذرائع پیش نہیں کئے گئے ہیں۔ اگر تکلیف سے مراد حکومت کی تکلیف ہی جائے تو اندیشہ ہے کہ کہیں ٹکس ادا کرنے والوں کے ساتھ نا انصافی ہو۔ برعکاس اس کے اگر اس سے ٹکس ادا کنندوں کی تکلیف مقصود ہو تو ممکن ہے کہ قوم کے حق میں اس کے معاشی اثرات قابل اطمینان نہ ہوں۔ غرض ایک ایسے طریق کی طرف رہنمائی کی ضرورت ہے جسے اختیار کر کے اس اصول کو عملی جامہ پہنایا جاسکے۔ یہ حالت موجود یہ اصول ضرورت سے زیادہ مجرور ہے۔ اور فرانسسی وزیر کالبرٹ کی پیش کردہ تعمیر لیف سے کچھ زیادہ معین محدود نہیں ہے۔ وزیر مذکور کا مقولہ ہے کہ ”فن ٹکس کو یا تو کم پر اکٹھا کرنے کا فن ہے مقصد یہ ہوتا ہے کہ حتی الامکان کم سے کم تھج پکا دیا جائے اور زیادہ مقدار میں یہ ہاتھ لگیں۔“

بلا واسطہ اور بالواسطہ دو اصطلاحیں ہیں جو ٹکسوں کے ساتھ استعمال کی جاتی ہیں اور ان کے تشبیہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں، یعنی یہ ظاہر کرتی ہیں کہ ٹکسوں کا بار بالآخر کس پر پڑتا ہے۔

ٹکس بلا واسطہ سے مراد ایسا ٹکس ہے جو کسی دوسرے شخص پر منتقل نہیں ہوتا بلکہ جس شخص پر اس کا بار ڈالنا مقصود ہوتا ہے اس سے وہ براہ راست وصول کیا جاتا ہے۔ محصول آمدنی اس کی ایک نہایت بدیہی مثال ہے محصولات موت، زمین کا ٹکس اور گاڑیوں، کتوں، بندو توں اور خدمتکاروں کے لیسنس اس کی دوسری مثالیں ہیں محصول بلا واسطہ کی اس بنا پر حمایت کی جاتی ہے کہ ٹکس ادا کرنے والوں کو اس کی نوعیت اور اس کے بار کا کافی اندازہ اور احساس ہوتا ہے اور وہ ایسی طرح سمجھنے لگتے ہیں کہ حکومت کے معاشی کاروبار میں انھیں کس حد تک دھسپی ہوئی جائیے اور بہ حیثیت رعایا کے ان پر کہاں تک اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن وقت یہ ہے کہ محض بلا واسطہ ٹکسوں سے کام چلانا ناممکن نہیں ہے عملی نقطہ نظر سے اس میں بڑی بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اس کے علاوہ بعض لوگ اس بات کو نہیں مناسب خیال کرتے کہ ٹکس ادا کرنے والوں کو یہ محسوس کرایا جائے کہ ان پر ٹکس کا کس قدر بار پڑ رہا ہے۔ برعکاس اس کے ان کی یہ رائے ہے کہ حتی الامکان ٹکس کا بار ظاہر نہ ہونے پائے تاکہ لوگوں میں بددلی، تعرض اور ٹال مٹول کرنے کا خیال

پیدا نہ ہو سکے۔

ملکس بالواسطہ وہ محصول ہیں جو اشیاء، خدمات، یا اعمال پر لگائے جاتے ہیں۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دوسروں پر منتقل کیے جاسکتے ہیں چنانچہ اشیائے درآمد یا خود ملک کی بنی ہوئی چیزوں پر جو محصول لگائے جاتے ہیں، وہ گراں قیمتوں کی شکل میں خریداروں پر منتقل ہو جاتے ہیں۔ بالواسطہ ملکسوں کی خوبی یہ ہے کہ وہ نسبتاً کم نمایاں ہوتے ہیں اور ان کے جمع کرنے کا طریق ہی کچھ ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ بہت کچھ مخفی رہتے ہیں اور اس طرح بہ مقابل ملکس بلا واسطہ کے ان کی زیادہ مخالفت نہیں ہوتی۔ مزید برآں وہ چھوٹی چھوٹی مقداروں میں ادا ہوتے ہیں اور اس لیے زیادہ گراں نہیں معلوم ہوتے۔ بالواسطہ ملکسوں کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ ملکس لگانے کے لیے مناسب اشیاء کا انتخاب کر کے ان کے ذریعے سے ملک کے تمام طبقوں پر ملکس کا بار ڈالا جاسکتا ہے۔ ضروریات حیات ملکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ کی جاسکتی ہیں اور تمام تعیضات پر حسب منشاء ملکس لگایا جاسکتا ہے۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ تمام ملکس ایک لحاظ سے انتیاری ہو جاتے ہیں کیونکہ اگر کوئی شخص چاہے تو محصول ادا کرنے والی تعیضات کا استعمال ترک کر سکتا ہے۔ ضروریات راحت اور تعیضات پر جو محصول لگائے جاتے ہیں، ان میں تغیر پذیری کی صفت بھی موجود ہوتی ہے یعنی رعایا کی خوش حالی کے زمانے میں جب عام طور پر دولت زیادہ صرف ہوئے لگتی ہے تو ان ملکسوں کی آمدنی میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ مزید برآں جب کبھی کسی فوری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے زیادہ آمدنی مطلوب ہوتی ہے تو شرح ملکس میں خفیف سا تغیر کرنے سے کام نکل جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب کبھی ملکس میں کوئی تبدیلی کی جاتی ہے تو اس سے معاشی انتظامات میں ضرور کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ تاہم نئے نئے محصول لگانے سے تو یہی بہتر ہے کہ شراب، چائے، یا تمباکو جیسی چیزوں کے ملکسوں میں خفیف سا رد و بدل کر دیں۔

ملکس بالواسطہ کے خلاف بہت سے اعتراضات کیے جاتے ہیں:- (۱) ایک تو یہ کہ کوئی نیا ملکس لگانا حکومت کے لیے آسان نہیں ہے، کیونکہ تجارتی انتظامات بگڑ جانے کے خوف سے ہمیشہ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جائے گی۔ (۲) دوسرے یہ کہ اشیاء پر ملکس وصول کرنے میں بہ مقابل ملکس بلا واسطہ کے زیادہ دشمنیں پیش آتی اور

زیادہ مصارف لاحق ہوتے ہیں۔ (۳) تیسرے یہ کہ اگر دوران پیدائش میں ٹکس لگایا جائے تو اس سے تجارت میں بڑی قیمتیں پیدا ہوں گی اور خریداروں کے حق میں قیمتیں بھی بڑھ جائیں گی۔ کیونکہ پیشگی ٹکس ادا کرنے میں جو اصل صرف ہوتا ہے اس پر سود ادا کرنا ضروری ہے۔ کل ٹکس بالواسطہ کی کچھ مزید خامیاں بیان کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ بڑی بڑی رقمیں ٹکس کی نذر کروینا کم حیثیت کا رخاںہ داروں کی استطاعت سے بالاتر ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کاروبار صرف بڑے بڑے سرمایہ داروں تک محدود ہو جاتے ہیں اور اس طرح اجاروں کے قیام و استحکام کے لیے موانع حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ مزید براں بعض اوقات بالواسطہ محصول چیز تیار کرنے کے کسی خاص طریقے پر یا دوران پیدائش کے مختلف مدارج میں سے کسی خاص درجے پر عاید کیے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ضروری ہوتا ہے کہ پیدائش کا کام ایک ہی طریقے پر جاری رہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طریق پیدائش کی اصلاح میں موانعات رونما ہوتے ہیں۔ ان اعتراضات کو ایک حد تک رفع کرنے کی بعض صورتیں یہ ہیں کہ (۱) ٹکس بالواسطہ چیزوں کی ایک محدود تعداد پر عائد کیے جائیں۔ (۲) مختلف مطالبات آمدنی کو پورا کرنے کے لیے نئے نئے ٹکس نہ لگائے جائیں بلکہ موجودہ ٹکسوں میں خفیف سارڈو بدل کر کے کام چلایا جائے۔ (۳) محصول محض تیار شدہ چیزوں پر لگایا جائے۔ چنانچہ بیہ شراب پر آج کل جو محصول لگایا جاتا ہے، وہ دراصل قائم مقام ہے۔ اس قدیم ٹکس کا Maltese پر لگایا جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ سرکاری گودام کے طریق کی بدولت ٹکس کی اجرائی حتی الامکان استعمال شے کے وقت سے قریب تر ہوتی جاتی ہے اور اس طرح اشیائے درآمد پر پیشگی ٹکس ادا کرنے کے لیے زیادہ اصل قرض لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بالواسطہ ٹکسوں کی ایک بہت بڑی خامی یہ بھی ہے کہ ان کے قدیم کا ٹیکس پتہ چلانا مشکل ہے۔ ان سے اکثر فلاف توقع نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کے مفاد یا اغراض پر اثر ڈالنا مقصود نہیں ہوتا وہ اکثر ان کی بدولت نقصان اٹھاتے ہیں۔ اور بعض اوقات اصلی صنعتیں تو بچ جاتی ہیں اور تقصیمی صنعتوں کے ساتھ خواہ مخواہ نا انصافی ہو جاتی ہے۔ خواہ نئے ٹکس لگائے جائیں یا قدیم ٹکسوں میں کچھ زیادہ

رد و بدل کیا جائے، دونوں صورتوں میں اس اعتراض کا اطلاق ہوتا ہے۔ ہر نئے ٹکس کی بدولت حالات کچھ نہ کچھ درہم برہم ہو جاتے ہیں، قیمت اور طلب اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن ایک کافی مدت گزرنے کے بعد تجارت و صنعت جدید ناگزیر حالات کے ساتھ مطابقت پیدا کر لیتے ہیں، ٹکس کا بار کم محسوس ہونے لگتا ہے اور قیمتوں اور طلب میں حالات بدید کے مطابق ضروری رد و بدل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود بدید ہی عیوب کے ایک قدیم ٹکس کو برقرار رکھنا اس قدر بڑا نہیں ہے جس قدر کہ ایک نئے ٹکس کا آغاز کرنا جو حالات موجودہ کو درہم برہم کر دیتا ہے خواہ وہ معاشی اصول کے کتنا ہی زیادہ مطابقت ہو۔ اسی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ قدیم ٹکس کوئی ٹکس ہی نہیں ہے یا یہ کہ قدیم ٹکس جدید ٹکس سے بہتر ہے۔“

ٹکس کا کوئی نظام ایسا نہیں ہے جس پر کچھ نہ کچھ اعتراض نہ کیا جاسکے۔ لہذا ہمیں کوئی ایسا نظام تلاش کرنا چاہیئے جو کم سے کم قابل اعتراض اور زیادہ سے زیادہ موثر ہو۔ اس مقصد کی قریب ترین تکمیل ایک ایسے نظام سے ہو سکتی ہے جو بہت متوازن اور بالواسطہ و بلاواسطہ دونوں قسم کے محصولوں پر مشتمل ہو۔ اسی ذریعے سے مسادات بھی نسبتاً زیادہ حاصل ہو سکتی ہے، ہر طبقے سے اس کی استطاعت کے تناسب اور اس کی سہولت کے لحاظ سے ٹکس وصول کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح ٹکس کا بار برابر برابر تقسیم ہو جائے گا اور ملک کی صنعت اس کی وجہ سے زیادہ درہم برہم نہ ہونے پائے گی۔ آج کل یہ خیال زیادہ قوی ہوتا جا رہا ہے کہ برطانوی نظام میں ٹیک پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ محصول آمدنی ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو محصول آمدنی میں ایک پانی کا اضافہ کرنا نہایت ہی آسان ہے اور دوسری طرف ایسے قلیل اضافے سے ۲۵ لاکھ پونڈ عیسوی کی تر آمدنی حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر صرف ایک ہی ٹکس کے ذریعے سے تمام نظام میں ٹیک پیدا کرنا مقصود ہو تو ایسی صورت میں نہایت ضروری ہے کہ اس ٹکس کا تعویذ وسیع ہو اور معمولی حالات میں ادا کنندوں کو وہ زیادہ گراں نہ محسوس ہوتا ہو۔ کسی زمانے میں محصول آمدنی کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ زیادہ ترجیحی اغراض کے لیے لگایا جاتا ہے لیکن آج کل وہ حکومت کی آمدنی کا نہایت ہی پیداوار دار ناگزیر جز بن گیا ہے اور اسی پر آمدنی کے لیے سب سے زیادہ بھروسہ کیا جاتا ہے۔ لیکن خامی یہ ہے کہ

وہ قوم کے صرف ایک خاص طبقے پر عائد ہوتا ہے اور اس لیے یہ بات اصول مساوات کے خلاف ہے کہ معمولی اوقات میں بھی اس کی شرح بلند رکھی جائے اور جنگ و جدال کے زمانے میں بھی اس کو مالیات کا مد محفوظ سمجھا جائے۔

مالیات کے ہر نظام میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ٹیکس کا بار حتیٰ الامکان صرف آمدنی پر پڑے۔ اور اضافہ اصل میں ٹیکس کی بدولت رکاوٹیں نہ پیدا ہوں کیونکہ وہی آئندہ مزید دولت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ معاشین نے یہ اصول عام طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ صنعت و حرفت، کاروباری حوصلہ مند، اور پیدائش دولت میں ٹیکس کی بدولت کم سے کم مداخلت ہونی چاہیے۔ محصول موت ایک بلا واسطہ اور تدریجی محصول ہے جو اصل پر عائد کیا جاتا ہے اس کی نوعیت اور اس کا تعدیہ متشکلات میں شامل ہیں۔ ۱۹۰۹ء سے زین کی مالیت پر محصول لگائے جاتے ہیں۔ یہ بھی بلا واسطہ ٹیکس میں جو ایک خاص قسم کے اصل پر عائد کیے جاتے ہیں۔ اب تک ان کے متعلق جس قدر تجربہ ہوا ہے اس سے ظاہر ہے کہ ان کے وصول کرنے کے مصارف بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ان سے بہت کم آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ اشیائے صرف کے ٹیکسوں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آمدنی کے نہیں بلکہ خرچ کے محصول ہیں اور ابتدا میں وہ دراصل ہیں بھی ہیں۔ لیکن چونکہ عام طور پر اخراجات آمدنی سے پورے کیے جاتے ہیں لہذا یہ ٹیکس بھی سالانہ آمدنی ہی سے ادا ہوتے ہیں الا ان صورتوں کے جبکہ فضول خرچی کی بدولت آمدنی ناکافی ہوتی ہے اور جمع شدہ اصل پر ہاتھ ڈالنا پڑتا ہے۔ بعض آمدنیاں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ ان سے براہ راست ٹیکس وصول کرنا نامناسب یا دقت طلب ہوتا ہے۔ ایسی آمدنیوں پر بار ڈالنے کے لیے ٹیکس بہ حساب صرف کا طریق اختیار کیا جاتا ہے غرض ٹیکس بالواسطہ بھی انہی طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے جن کی بدولت اصول استطاعت کے مطابق عمل درآمد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ٹیکسوں کی تقسیم مختلف طریقوں سے کی گئی ہے :- ایک بدیہی طریقہ یہ ہے کہ ٹیکس لمبا یا حصول دولت، قبضہ دولت اور صرف دولت یا ہ الفافا دیگر لمبا یا آمدنی، اصل اور استعمال کے مختلف قسموں میں تقسیم کیے جائیں۔ ٹیکسوں کو ترتیب دینے کا یہ طریقہ اس لحاظ سے ضرور مفید ہے کہ اس کی بدولت پیدائش تقسیم اور صرف دولت پر

ملکس کے معاشی اثرات کا پتہ چلتا ہے لیکن یہ تقسیم علمی اصول کے مطابق نہیں ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ملکسوں کی کوئی ایک تقسیم جو ہر لحاظ سے مکمل ہو ناممکن ہے اور اس میں غلط ملط پیدا ہونا یقینی ہے۔ کیونکہ ملکس ایک نہایت ہی پیچیدہ مسئلہ ہے اور اس میں مختلف امور کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اصول مساوات پر مقبوضی کے ساتھ قائم رہنا کافی مقدار میں آمدنی حاصل کرنا، پیدائش و تقسیم دولت پر کیا معاشی اثرات پڑتے ہیں، ان کا خیال رکھنا، غرض ملکس لگاتے وقت ان تمام امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں ملکس کی کوئی ایسی تقسیم نہیں کی جاسکتی جو بالکل اصول منطبق کے مطابق ہو یا علمی نقطہ نظر سے بالکل مثبک ہو۔

ملکس لگانے کا مسئلہ ایک خاص علمی مسئلہ ہے۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ بہتر سے بہتر طریقہ جو ہمارے خیال میں آسکے اس کی تحقیقات کرے جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ملکس کا ہر موجودہ نظام نتیجہ ہے بہت سے تاریخی واقعات کا جن سے متاثر ہو کر وہ اپنی موجودہ صورت اختیار کرتا ہے۔ ملک کے مخصوص حالات، اس کے قدرتی وسائل اور ماحول اس کی صنعتی ترقی کی حالت، اس کے باشندوں کی عادات و خصوصیات اور اس کی حکومت کی تاریخ و شکل فرض یہ ہیں وہ تمام باتیں جو ملکس کے طریقوں پر اپنا اثر ڈالتی ہیں۔ اس طرح جو طریقہ ایک ملک کے لیے مناسب ہے، ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے ملک کے حالات میں ناموزوں ثابت ہو۔ محض مسئلہ مجرد کی بنا پر ملکسوں میں تغیر و تبدل نہیں کیا جاسکتا بلکہ ضرورت ہے کہ ملک کی تاریخ اور باشندگان ملک کے جذبات کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ معاشی اور سیاسی نقطہ نظر سے مجوزہ طرز عمل کہاں تک مناسب ہوگا۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اصول بھی جگہ جگہ بدلتے جاتے ہیں بلکہ ان کا اطلاق مختلف حالات میں مختلف ہوتا ہے۔ ایک کم عمر نوآبادی کے لیے جس کی آبادی تعدادیں کم اور دور درو پھیلی ہوئی ہے، آمدنی کا سہل ترین اور کم خرچ طریقہ یہ ہے کہ وہ بیرونی مال کی درآمد پر محصول لگائے۔ ترقی کے اس ابتدائی دور میں محصول آمدنی سے کام لینا دقت طلب بلکہ شاید ناممکن ہو۔ جوں جوں یہ نوآباد مقام نشوونما پاتا جاتا ہے ملکس کے دوسرے طریقہ زیادہ موزوں ہوتے جاتے ہیں۔ قوم کی اعلیٰ تنظیم کی بدولت دولت نئی نئی شکلوں میں نمودار ہوتی ہے اور آمدنی کے نئے نئے وسائل مہیا ہوتے جاتے ہیں۔

جہاں تک برطانوی شہنشاہی کا تعلق ہے، ہر حصے کے معاشی، معاشرتی اور نسلی حالات جدا گانہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں شاہی زول ورائن یا اتحاد درآمد برآمد کا قیام قطعی ناممکن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آبائی ملک خود مختار نوآبادیات ماتحت علاقے اور شاہی نوآبادیات، غرض شہنشاہی کے تمام علاقوں میں جن بنیادی اصولوں پر ٹکس کے نظام قائم ہیں، وہ سب دراصل ایک ہی ہیں۔ تاہم تفصیلی امور میں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان مقامات کے حالات ایک دوسرے سے جدا گانہ ہیں اور ہر قسم کے حالات میں مساوات کفایت اور سہولت سے ان مطالبات کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر برطانیہ عظمیٰ میں محمول آمدنی اور محصول شراب سے یہ مطالبات پورے ہوتے ہیں تو ہمارے ہندوستانی بھائیوں کے حالات میں انہی معاشی اصول پر عمل کرنے کا بہتر ذریعہ محمول ٹکس ہے۔

آدم اسمتھ کے قدیم اور مشہور قوانین، معاملات ٹکس میں رہنمائی کے لیے اب عام طور پر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ پیٹ پیل اور گلڈ سٹون کی اہلانات کی بنیاد انہی قوانین پر تھی اور اب تک بھی ان کے متعلق یہ اعتقاد باقی ہے کہ ٹکس کی ہر معقول تجویز میں ان پر عمل درآمد کرنا ضروری ہے گو ان کے ساتھ اور بھی متعدد چھوٹے چھوٹے اصول شامل کیے جاسکتے ہیں۔ یہ قوانین چار اہم اصولوں پر مبنی ہیں مساوات، یقین، سہولت، کفایت۔

قانون مساوات جو اصول مودلت پر مبنی ہے، اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہر ریاست کی رعایا کو چاہیے کہ حکومت کا کاروبار چلانے کے لیے جو اخراجات لاحق ہوتے ہیں ان کی ذمہ داری اپنے حسب استطاعت شریک ہو۔ یعنی ریاست کے زیر حفاظت ہر شخص جس قدر آمدنی حاصل کرتا ہے اسی کے تناسب سے اپنا حصہ ادا کرے۔ یہ ایک نہایت ہی بنیادی قانون ہے اور ٹکس کے پورے نظام پر یہ حیثیت مجموعی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ لفظ ”چاہیے“ اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ ٹکس کی ادائی ہر شخص کا فریضہ ہے۔ حکومت کا کاروبار چلانے کے لیے ان الفاظ سے ٹکس کا سیاسی مقصد ظاہر ہوتا ہے۔ ریاست کے زیر حفاظت ان الفاظ سے ان خدمات کا پتہ چلتا ہے جن کی خاطر ٹکس ادا کیا جاتا ہے۔ حسب استطاعت کا مقصد یہ ہے کہ حکومت کے مصارف میں سب برابر کے

شریک ہوں۔

بقیہ تین قوانین محض چند معاشی قاعدے ہیں جن کا اطلاق عالمہ و عامہ ہر کس پر ہونا چاہیے، تاکہ پیداواری کا مقصد پورا ہو۔ دراصل ان کا تعلق زیادہ تر عملی انتظام سے ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) کس جس کی ادائیگی ہر شخص پر لازم ہے بے قاعدہ نہیں بلکہ یقینی ہو۔ ادائیگی کا وقت اور طریقہ اور کس کی مقدار غرض یہ سب باتیں نہ صرف ادا کنندہ بلکہ دوسرے تمام لوگوں پر بھی اچھی طرح واضح رہیں۔

(۲) جو وقت اور جو طریقہ ادا کنندہ کے لیے سب سے زیادہ سہولت کا باعث ہو، اسی وقت اور اسی طریقہ کے مطابق کس وصول کیا جائے۔

(۳) کس وصول کرنے کا ایسا انتظام کیا جائے کہ علاوہ اس رقم کے جو ضرورت کر کے ہیں اس کی بدولت داخل ہوتی ہے، کم سے کم رقم رعایا کی جیبوں سے باہر نکلے۔

جہاں تک اصول یقین کا تعلق ہے برطانیہ نظم میں بجٹ کا طریقہ اس کی کافی

ضمانت ہے۔ دارالعوام میں ہر کس کی ذرا ذرا سی تفصیلی باتوں پر مباحثہ ہو سکتا ہے

اور ہر شخص اس مباحثے سے آگاہ اور واقف رہ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ پارلیمنٹ کی

منظوری بغیر کوئی کس نہیں وصول کیا جاسکتا۔ بیعت عہدہ طور پر کس وصول کرنا پیدائش دولت

کے لیے سخت مقرر ہے۔ وہ گویا ایک قسم کا ڈاکہ ہو جاتا ہے جو حکومت یا اس کے عاملین

کی طرف سے ڈالا جاتا ہے۔ مقرر میں کس کے بوطریقہ پہلے استعمال کیے جاتے تھے اور جو ملک

کے حق میں سخت تباہی اور افلاس کا باعث تھے، ان سے بیعت عہدہ کسوں کیے اثرات کی

اچھی مثال دستیاب ہوتی ہے۔ اسی طرح فرانس میں انقلاب سے پہلے جو کس لیا جاتا

وہ بانی زمین کا کس وصول کیا جاتا تھا، وہ بھی ایک بیعت عہدہ اور وقتاً فوقتاً بدلنے والا

کس تھا جو ہر کاشتکار کے مقبوضات پر لگایا جاتا تھا۔ اس کی شدت اور گہرائی

بڑی سخت مصیبتوں کا باعث تھی، اس کی بدولت ٹال مٹول اور غلط بیانی کی

عادتیں پھیل گئی تھیں اور مصیبت زدہ کاشتکاروں کی زندگی ہمیشہ غم و غصہ اور

بددلی میں گذرتی تھی۔

سہولت سے مراد یہ ہے کہ کس کا مطالبہ ایسے وقت پر اور اس طریق سے

کیا جائے کہ دولت پیدا اور صرف کرنے والوں کے معاملات میں وقتی الامکان کم سے کم مغل ہو۔ بہت سے ٹکس جو اب متروک ہو گئے ہیں، اس قانون کے سراسر خلاف تھے، مثلاً Malt-tax — پیدا ایش کے کاروبار میں حارج ہوتا بہت۔ Hop-tax -- کی وجہ سے کاشتکار بسا اوقات اس بات پر مجبور ہوتے تھے کہ فصل تیار ہونے کے بعد اپنی پیداوار جلد سے جلد فروخت کر ڈالیں تاکہ وہ ٹکس ادا کر سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ بازار میں یکایک رسد بہت زیادہ ہو جاتی تھی اور پیداوار نہایت ادنیٰ قیمتوں پر فروخت ہونے لگتی تھی۔ اس سے درمیانی تاجر تو خوب فائدہ اٹھاتے تھے اور پیدا کرنے والے کاشتکار سراسر نقصان میں رہتے تھے جو موجودہ زمانے میں سرکاری گوداموں کی بدولت کروڑ گیری اور جنگلی کے محصولوں سے تاجروں کو کم سے کم تکلیف پہنچتی ہے اور استعمال کی چیزوں پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں، وہ خریداروں سے بوقت خرید وصول کیے جاتے ہیں اور اس طرح استعمال کرنے والوں کے لیے بہت زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوتے۔ اسی طرح معاہدات کے ٹکس اور میراث کے محصول بھی اصول سہولت کے مطابق ہیں کیونکہ اول الذکر مبادلے کے وقت آخر الذکر موت کے بعد عائد کیے جاتے ہیں۔ محصول آمدنی بہ مقابل دوسرے تمام ٹکسوں کے شاید سب سے کم اس قانون کے مطابق ہے۔ اور اگر کہیں یہ محصول عام کر دیا جائے اور ٹکس بالواسطہ کے عوض استعمال ہونے لگے تو وہ رعایا کے حق میں اس قدر تکلیف دہ ثابت ہو کہ اس کا برقرار رکھنا ناممکن ہو جائے۔

قانون کفایت اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ پیدا آوری ٹکس کے لیے ایک ضروری خصوصیت ہے۔ ٹکس کا نصب العین آمدنی ہے اور محصول آمدنی کی وجہ سے قوم کی پیداوار و قوتوں میں کمی نہ ہونی چاہیے یعنی ٹکس وصول کرنے کا اس طور پر انتظام کیا جائے کہ زمین، محنت اور اصل کی کارکردگی میں کسی طرح فرق نہ آئے۔ پائے۔ جس ٹکس کو وصول کرنے کے لیے ضرورت سے زیادہ بڑے علیے کی ضرورت ہو، جس کی وجہ سے پیدائش میں بے ضرورت مصارف لاحق ہوتے ہوں، جو اداکندوں کے لیے تکلیف دہ اور ان کی تہذیب اوقات کا باعث ہو، جو رعایا کی آزادی میں رکاوٹیں پیدا کرتا ہو یا انھیں چوری اور حیلہ جوئی کی ترغیب دیتا ہو، اصول کفایت کے سراسر منافی ہے۔

آدم آستہ نے کفایت کو جس معنی میں استعمال کیا ہے اس کے لحاظ سے بالواسطہ ٹکس بہ مقابل بلا واسطہ ٹکسوں کے بالعموم اسی اصول سے کم مطابق ہوتے ہیں۔ تاہم ٹکس بھی اس اصول کے منافی ہیں کیونکہ ایک طرف توان کی بدولت محنت واصل کم پیدا اور کاموں میں لگ جاتے ہیں اور دوسری طرف مصارف کے مقابل حکومت کو ان سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے، وہ بہت مختوڑی ہوتی ہے، ان کے فوائد کم اور مصارف نسبتاً زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی بدولت جو اور کثیر نقصانات لاحق ہوتے ہیں وہ جدا گانہ ہیں۔

اشیا پر ٹکس وصول کرنے کا ایک اور طریقہ جو کسی زمانے میں یورپ میں بہت عام تھا اور اب بھی ایران اور بعض دوسرے غیر ترقی یافتہ ممالک میں رائج ہے، یہ ہے کہ حکومت کسی درمیانی شخص کو اس بات کا اجارہ دے دیتی ہے کہ وہ رعایا سے ٹکس وصول کرے اور خود اس شخص سے ہر سال کوئی معینہ رقم وصول کر لیتی ہے۔ اس طرح وہ خود ٹکس وصول کرنے کی زحمت اور درد سہی سہیج جاتی ہے، لیکن یہ طریقہ حکومت کے لیے پیداوار نہیں ہے کیونکہ اس کو دراصل جو آمدنی حاصل ہوتی ہے، اس سے کہیں زیادہ رقم ظالم اجارہ دار رعایا سے وصول کر لیتے ہیں۔ یہ طریقہ زیادہ تر قومی ترقی کے بہت بدائی مدارج میں دکھائی دیتا ہے۔ ٹکس ادا کنندوں کو اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ انھیں کس قدر ٹکس ادا کرنا پڑے گا اور نہ ٹکس وصول کرنے میں ادا کنندوں کی سہولت کا کوئی خیال رکھا جاتا ہے۔ بسا اوقات ان ٹکسوں کی شرح بھی بہت بلند ہوتی ہے۔ غرض یہ طریقہ اپنی معاشی خامیوں کی بدولت ترقی میں رکاوٹیں پیدا کرتا اور رعایا کے حوصلوں کو پست کر دیتا ہے۔

فرانس میں انقلاب سے پہلے تین سو سال تک ہر ایک ٹکس لگایا جاتا تھا جو گاہیل کہلاتا تھا۔ یہ ٹکس تمام قوانین ٹکس کے منافی تھا حکومت نے آمدنی کی غرض سے ٹکس کا اجارہ خود لے رکھا تھا۔ رعایا میں ہر شخص اس بات پر مجبور تھا کہ ٹکس کی کم از کم اتنی مقدار خریدے جو حکومت نے معین کر دی تھی۔ اب ٹکس کی جو قیمت مقرر کی جاتی تھی وہ محض خود رائی پر مبنی اور بار بار بدلنے والی ہوتی تھی۔ اور بسا اوقات خاندانی کمپنیوں کو اس ٹکس کا اجارہ دے دیا جاتا تھا جو ٹکس کی فروخت سے خوب دل کھول کر نفع کماتی تھیں۔ چوری بہت عام تھی اور آبادی کا ایک کثیر حصہ اس ناجائز تجارت میں مشغول تھا۔

جس کی روک تھام کے لیے بہت سے مالی عہدہ دار نوکرتھے اور اس طرح ایک کثیر رقم ان کی تنخواہوں میں منسلک ہوتی تھی۔ غرض جس پہلو پر نظر ڈالیے یہ ٹکس اصول کفایت کے سرسرمہ منافی اور اپنے اثرات میں بحید مضر تھا۔

ٹکس کا ایک پیداوار باقاعدہ اور مبنی بر انصاف نظام قائم کرنے کے لیے جن ابتدائی شرائط کی ضرورت ہے وہ آدم اسمتھ کے قوانین سے ہمارے پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ جو نظام مبنی بر انصاف نہ ہو گا وہ بالآخر اصول کفایت کے منافی ہو گا۔ کیونکہ اس کی بدولت معنئی اور پس انداز کرنے والے اشخاص کی ہمتیں پست ہو جائیں گی، دولت کثیر مقدار میں جمع نہ ہو سکے گی اور ٹکس وصول کرنے کا امکان مشتبہ ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر ٹکس جمع کرنے میں بقیاعسدہ غیر یقینی تکلیف دہ اور فضول خرچی طریقہ استعمال کئے گئے تو بالآخر خود ٹکس کی آمدنی میں بہت بڑی تخفیف ہو جائے گی۔ یہ بات سرسرمہ اصول انصاف کے مطابق ہے کہ نمائندگی اور ٹکس کی ادائیگی یہ دونوں بطور حقوق اور فرائض کے ہمیشہ ساتھ ساتھ رہیں۔ ٹکس ادا کرنے والے کو یہ حق حاصل ہو کہ معاملات ٹکس میں اپنی ذاتی رائے دے سکے۔ برخلاف اس کے جو شخص اخراجات منظور کرنے میں شریک ہو گا اس پر یہ بات لازم ہو جاتی ہے کہ ان اخراجات کے لیے آمدنی فسرانہم کرنے میں اپنے حسب استطاعت شریک ہو۔ جو طبقے برسر حکومت ہوتے ہیں، ان کا ہمیشہ یہ رجحان ہوتا ہے کہ ٹکس کا بار زیادہ تر دوسرے طبقوں پر ڈالیں، حتیٰ کہ زمانہ موجودہ میں بھی جبکہ کشش سیاسی کامرکز عوام کی طرف منتقل ہو گیا ہے، یہ رجحان کچھ کم نمایاں نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل بلا واسطہ ٹکسوں میں اضافہ کرنے اور بالواسطہ ٹکسوں کو گھٹانے کی طرف زیادہ میلان نظر آتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ آبادی کا کثیر حصہ اول الذکر سے مستثنیٰ اور

۱۹۳۰ء میں انگلستان میں ٹکس پر محمول چنگی لگایا گیا۔ دارالعوام کی رپورٹوں پر ۱۹۳۰ء میں یہ ظاہر کرتی ہے کہ ٹکس کے مصمولوں کی وجہ سے قوم کے لیے پھپھلی کی رسد عین تنگی کے زمانے میں گھٹ گئی۔

آخر الذکر سے متاثر ہوتا ہے۔

آدم آئینہ کے قانون مساوات پر معاشین کے درمیان بہت کچھ اختلاف رائے

۱۔ انگلستان کے وزیر مال سر ایم۔ ای۔ کس بیچ نے ۱۸۹۶ء میں دارالحکومت میں موازنہ پیش کرتے ہوئے کہا تھا: ”واقعہ یہ ہے کہ ہمارے ہدیہ نگسوں کا بہت زیادہ بلا واسطہ ٹیکس ادا کرنے والوں نے برداشت کیا ہے۔ پچاس سال سے ہمارے مالی سلک کا ستوا تریبی میلان رہا ہے۔ مرہا برٹن پیل کے محصول آمدنی عائد کرنے سے ایک سال قبل یعنی ۱۸۵۷ء میں فی پونڈ آمدنی میں ۴ شلنگ۔ ۶ پینس، صارفین کے طبقوں سے اور ۵ شلنگ۔ ۴ پینس، صاحب الماک طبقوں سے وصول ہوئے تھے۔ لیکن اب حالت یہ ہے کہ فی پونڈ آمدنی میں ۱۰ شلنگ ۵ پینس، صارفین سے اور ۹ شلنگ ۷ پینس، صاحب الماک طبقوں سے وصول کیے جاتے ہیں۔“

”۱۸۴۲-۱۸۴۳ء میں ٹیکس کی آمدنی ۵۰ ملین پونڈ تھی۔ اس میں سے ۳۰ فی صدی آمدنی بلا واسطہ ٹیکسوں کا نتیجہ تھی اور ۲۰ فی صدی بلا واسطہ ٹیکسوں کا۔“

”۱۸۶۱ء میں جملہ آمدنی ۴۰ ملین پونڈ تھی۔ اس میں سے ۶۲ فی صدی بلا واسطہ اور ۳۸ فی صدی بلا واسطہ ٹیکسوں سے حاصل کی گئی تھی۔“

”۱۸۹۱ء میں ۸۳۲۰۰۰ پونڈ میں سے ۶۲ فی صدی آمدنی بلا واسطہ اور ۳۸ فی صدی بلا واسطہ ٹیکسوں سے حاصل کی گئی تھی۔“

”۱۸۹۹ء میں ۹۲۴۸۲۰۰۰ پونڈ آمدنی میں سے ۶۲ فی صدی بلا واسطہ ٹیکسوں سے اور ۳۸ فی صدی بلا واسطہ ٹیکسوں سے حاصل ہوئی تھی۔“

مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹیکس کا بار بلا واسطہ ٹیکس ادا کرنے والوں پر سے ہر تدریج منتقل ہو چکا ہے بلا واسطہ ٹیکس ادا کرنے والوں پر عاید ہوتا جا رہا ہے نتیجہ یہ ہے کہ جہاں ۱۸۵۷ء میں فی کس پونڈ ۴ شلنگ۔ ۶ پینس بلا واسطہ ٹیکسوں سے اور ۵ شلنگ ایک پینس بلا واسطہ ٹیکسوں سے حاصل ہوتے تھے اب وہیں ایک پونڈ ۴ شلنگ۔ ۹ پینس اول الذکر اور ایک پونڈ ۲ شلنگ۔ ۶ پینس آخر الذکر قسم سے حاصل ہوتے ہیں۔“

اس بیان پر غور کرتے وقت یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ پیل اور گلیڈ سٹون کی زبردست مالی اصلاحات (جن کی بدولت انگلستان میں یہ اصول قائم ہو گیا کہ ٹیکس کی غرض محض آمدنی ہے) ۱۸۴۲ء اور ۱۸۶۱ء کے درمیان واقع ہوئیں۔

اور بحث مباحثہ ہوا ہے۔ آدم آسمان نے استقامت کی تعمیر آمدنی سے کی ہے۔ یہ ایک معروضی معیار ہے جو ایک مادی قابل احساس چیز یعنی عکس ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ لیکن استقامت میں جو بنیادی خیال مضمر ہے وہ ایثار ہے جو دراصل ایک مومنوی کیفیت یا نفسی حالت ہے جس کا اندازہ کوئی مشترک بیرونی معیار نہیں کر سکتا۔ تاہم چونکہ مقصود عکس لگانا ہے لہذا عکس کو اصطلاح زیریں طی ہر کرنا ضروری ہے۔ بل کے خیال سے قانون انصاف پر عمل درآمد کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ عکس کی بدولت ادا کنندوں پر مساوی مساوی تکلیف عائد ہو۔ اور عکس لگانے سے پہلے ادا کرنے والوں کی جو حالت تھی وہی اس کے بعد بھی باقی رہے۔ مساوات ایثار کے اصول پر عمل درآمد کرنے کی غرض سے متعدد تجویزیں پیش کی جاتی ہیں۔ مثلاً ضروریات کو عکس سے مستثنیٰ کر دینا، ایک خاص مقدار سے کم آمدنیوں پر عکس نہ لگانا، عکس کے مدارج قائم کرنا تاکہ دو نعمت طبقوں پر زیادہ بار ڈالا جائے۔ ان تجویزوں پر عمل کرنے میں بڑی بڑی وقتیں پیش آتی ہیں اور ان سب کا نتیجہ اصول پیداوری کے خلاف ثابت ہوتا ہے، حتیٰ کہ ایسے ذرائع ہی دستیاب نہیں ہیں جن کی مدد سے ٹھیک ٹھیک یہ اندازہ ہو سکے کہ آیا فی الواقع سب ادا کنندوں کو مساوی تکلیف پہنچی ہے۔ البتہ ایک نہایت ہی سرسری اندازہ ممکن ہے۔

۴۸ پر و فیہ را بجز آتہ نے اس سلسلے میں ایک اصطلاح یعنی "تقلیل ترین اعدام افساد" تجویز کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ اصطلاح نسبتاً ضرور بہتر ہے کسی چیز یا خدمت کی قدر کا اگر ہم اندازہ کرنا چاہیں تو اس کا صرف ایک عملی معیار ہے اور وہ شکل ہے اس قیمت پر جو ہم اس چیز یا خدمت کے استعمال کی خاطر دینے پر آمادہ ہوں۔ اصطلاح مذکور اسی معیار کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ تاہم اس میں بھی ایک وقت موجود ہے ہر شخص اپنے لیے کسی چیز کے افادہ ختم کا خود ہی اندازہ کرتا ہے جس کا اظہار اس قیمت سے ہوتا ہے جو وہ اس کے معاوضے میں دینے پر آمادہ ہو عکسوں کی صورت بالکل جداگانہ ہے یہ تو حکومت کی طرف سے لگائے جاتے ہیں اور یہاں آخری افادے یا اہام افادہ کا اندازہ ایک بیرونی قوت یعنی حکومت کرتی ہے۔

استقامت کی تعمیر حیثیت سے بھی کی جاتی ہے اس صورت میں مومنوی خیال کا کوئی شاکیہ نہیں رہتا۔ سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کس حد تک عکس برداشت کرنے کی

قابلیت موجود ہے۔ اور آمدنی کو اس کا معیار سمجھا جاتا ہے۔ اس رائے کے مطابق اتنا تو ضرور ہے کہ آبادی کا کوئی طبقہ ادائیگیس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا جیسا کہ کسی فرما سٹھنے کا قاعدہ تھا یا جس طرح فرانس میں انقلاب سے پہلے رواج تھا۔ لیکن پھر بھی مساوات کا حاصل کرنا بے حد مشکل ہے۔ کیونکہ ہر آمدنی مخصوص مقامی حالات کے تابع ہوتی ہے یہ تو یقینی ہے کہ شخص کو ٹکس ادا کرنا چاہیے لیکن سوال یہ ہے کہ کس مناسبت سے؟

جس طرح مساوات ٹکس کا بنیادی اصول ہے اسی طرح یہ اصول بھی بہت اہم ہے کہ ٹکس لگانے سے قوم کی پیداوار و قوتوں میں تخفیف واقع نہ ہو۔ لیکن اگر استقامت کا معیار محض آمدنی قرار پائے تو عام ازیں کہ وہ آمدنی زمین سے حاصل ہوئی ہو یا محنت یا اصل سے پیدا آوری کو ضرور نقصان پہنچے گا۔

اگر ہم بلحاظ اور باتوں کے صرف زر کی شکل میں آمدنی پر نظر ڈالیں تو اس سے ٹکس ادا کرنے کی استقامت کا کوئی صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بہت سے اشخاص کی آمدنی زر کی شکل میں مساوی ہوتی ہے لیکن ان کے دوسرے حالات غیر مساوی ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی ٹکس ادا کرنے کی استقامت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ اسی بنا پر بنہ تمام مل اور کارڈونے یہ تجویز پیش کی کہ آمدنی کا ایک قلیل ترین حصہ جو زندگی کے لئے درکار ہو، ادائیگیس سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ کیونکہ جب تک کوئی شخص زندہ نہ رہے وہ کیونکر ٹکس ادا کر سکتا ہے۔ لہذا انھوں نے یہ رائے قائم کی کہ ٹکس ادا

۴۹

کرنے کی قابلیت کا اندازہ خالص نہ کہ خام آمدنی سے کیا جائے۔ کیونکہ یہ بات کفایت شعاری کے خلاف ہے کہ ادائیگیس کی بدولت قوت پیدا آوری میں ہرج واقع ہو۔ لیکن انصاف اس بات کا مقتضی ہے کہ استثنائے قلیل مقدار معین ہو، وہ ہر صورت میں ایک ہی نہ ہو بلکہ مختلف حالات میں بدلتی رہے۔ کیونکہ ضروریات زندگی کی تعریف مطلق نہیں بلکہ ہر شخص کی حیثیت و رتبہ اور فرائض زندگی کے لحاظ سے اضافی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے استثنائے ٹکس کی کوئی معین حد نہیں قائم کی جاسکتی جو ہر حالت میں یکساں رہے اور اگر بالفرض ہم ایسی کوئی حد قائم بھی کر دیں تو وہ محض خود رائی پر مبنی ہوگی۔ لیکن قلیل آمدنی والوں کو مستثنیٰ کرنے کے بعد بھی کوئی محصول آمدنی ایسا نہیں ہے جو تقسیم شدہ کے نقطہ نظر سے مبنی بر انصاف ہو۔

۵۰ فی صدی محصول ۱۰۰ پونڈ خالص آمدنی پر بہ مقابل ایک ہزار پونڈ خالص آمدنی کے بہت زیادہ ایشار کا باعث ہو گا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ایک تجویز یہ پیش کی جاتی ہے کہ محصول آمدنی متزاید ہو۔ لیکن جو سود ریجی پیما نہ بنایا جائے گا وہ بھی خود رانی پر مبنی ہو گا لہذا یہ عملی وقت تو باقی رہ جاتی ہے کہ کیونکر مختلف حالات میں مساوات حاصل کی جائے۔ مزید برآں ایک اور اعتراض یہ پیش ہوتا ہے کہ بڑی بڑی آمدنیوں سے بھاری ٹکس وصول کرنا گویا زیادہ معنئی اور پس انداز کرنے والے اشخاص پر جرمانہ لگانا، اضافہ دولت و اجتماع اصل میں رکاوٹیں پیدا کرنا اور اس طرح پیدائش میں تخفیف کر کے ٹکس کے مقصد اصلی کو ناکام بنانے کا یقینی ذریعہ ہم پہنچانا ہے۔ انگلستان کے محصول آمدنی میں ان خامیوں کے اخراجات کو کم کرنے کی اس طور پر کوشش کی گئی ہے کہ اول تو بہت کافی مقدار (۱۶۰ پونڈ ٹیکس کی آمدنوں اور ان ٹیکس سے مستثنیٰ کردہ جاتی ہیں اور اس کے علاوہ تخفیفات یا رعامات کی تجویز پر عمل کیا جاتا ہے جس کی بدولت ٹکس بجائے متزاید کے متناقص ہو جاتا ہے۔ اس طریقے کی حمایت میں سب سے بہتر دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ وہ محض ایک بڑے نظام کا جز ہے اس کا اثر قوم کے صرف قلیل حصے پر پڑتا ہے اور کثیر حصہ اس سے بالکل بچ رہتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں چھوٹی آمدنی والے بہت سے بالواسطہ ٹکس ادا کرتے ہیں اور اس طرح محصول آمدنی سے بچ رہنے کی کسر نکل جاتی ہے۔

آمدنی کو استطاعت کا معیار قرار دینے کے خلاف اور بھی اعتراضات کیے جاتے ہیں، مثلاً یہ کہ اس بات کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا کہ ذریعہ آمدنی کی نوعیت کیا ہے، آیا وہ دوامی مشغولات اصل سے حاصل ہو رہی ہے یا بہ طور عارضی اور غیر یقینی کمائی کے ہے جس میں سے بڑھاپے اور اتفاقی اخراجات کے لیے کچھ پس انداز کرنا ضروری ہے۔ عدم مساوات کے اس سبب کا ایک بہت ہی جزئی احساس اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدمعاشیوں کے اقساط پر محصول آمدنی نہیں وصول کیا جاتا۔ لیکن پس اندازی کی اور بھی متعدد دعوئیں ہیں جو اسی قسم کے سلوک کی مستحق ہیں مگر

ان سب پر استثناء کا اطلاق دائرہ عمل سے خارج معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ آمدنی کی بنا پر مساوات ایسا کار کا اندازہ کرنے سے پہلے ضرورت ہے کہ افراد کے مخصوص حالات کا لحاظ کیا جائے۔ مثلاً خاندان کی وسعت، متعدد مطالبات جو افراد پر ان کی تمدنی حیثیت اور معاشرتی فرائض کی وجہ سے عائد ہوتے ہیں، آمدنی حاصل کرنے والے کی صحت اور اس کی زندگی کا وہ زمانہ جس میں وہ کام کر سکتا ہے اور دوسرے حالات جو اس کی آمدنی کو کم و بیش مشکوک بنا دیتے ہیں۔ عدم مساوات کی ان صورتوں پر غور کرنے سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ باوجود ایک مقدار کو مستثنیٰ کر دینے کے محض آمدنی ادائیگی کی استطاعت کا کوئی قابل اعتبار معیار نہیں ہے مکمل مساوات حاصل کرنا تو دائرہ امکان سے باہر ہے، البتہ اس کے قریب قریب پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ ٹیکس کے مختلف طریقوں کو ایک مشترک نظام کے تحت لا کر ان سے کام لیا جائے۔

ایک طبقے کی یہ رائے ہے کہ ٹیکس کی بنیاد محض صرف پر ہونی چاہیے کیونکہ صرف ہی ادائیگی کی استطاعت کا بہتر معیار ہے لیکن محض خرچ پر ٹیکس لگانا مساوات کو قائم رکھنا بہت وقت طلب ہے۔ اور ایک پیچیدہ تمدن میں مشکل سے اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ استعمال کی سیکڑوں چیزوں پر محصول لگانا پڑے گا جس کے لیے ایک نہایت ہی مشکل انتظام کی ضرورت ہوگی اور ٹیکس وصول کرنے میں بہت زیادہ مصارف لاحق ہوں گے۔ اس کے علاوہ خود صرف کی صحیح صحیح تعریف کرنا ضروری ہوگا۔ اور یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ آیا ٹیکس صرف اس دولت پر لگایا جائے جو ذاتی راحت و آرام کی خاطر خرچ کی جاتی ہے یا اس دولت پر بھی جو صنعت و حرفت کی ترقی میں لگائی جاتی ہے، بالفاظ دیگر ٹیکس محض دولت پر لگایا جائے یا اصل پر بھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورتوں میں امتیاز کرنا کس قدر دشوار ہوگا۔ مزید برآں یہ بات بہت قریں عقل ہے کہ اس طریق کی بدولت لوگوں میں حیلہ جوئی کی عادت بہت عام ہو جائے گی۔ غیر مستعملہ دولت ادائیگی ٹیکس سے محفوظ رہے گی۔ دولت صرف کرنے والوں کی ہمتیں پست ہو جائیں گی اور اس کی وجہ سے پیدائش دولت میں تخفیف ہونے لگے گی۔ بہت سی چیزیں بقائے حیات کے لیے اٹل ہوتی ہیں۔ ان کی خریداری سے مطلق گریز نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کی جملہ آمدنی محض ضروریات زندگی کے ہم پہنچانے میں ختم ہو جاتی ہو،

اس کو اپنی کل آمدنی پر ٹیکس ادا کرنا پڑے گا۔ اس طرح جو لوگ ادائیگی ٹیکس کی سب سے کم استطاعت رکھتے ہیں انہی کو سب سے زیادہ اس ٹیکس کا بار اٹھانا پڑے گا۔ برطانیہ عظمیٰ میں ایک صدی قبل ٹیکس کا جو نظام مروج تھا اس کو دیکھنے سے اس اصول کے عملدرآمد کا پورا خاکہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔

بعض اوقات ایک تجویز اور پیش کی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ٹیکس محض اس دولت پر لگایا جائے جو بچ رہے۔ لیکن اس تجویز پر عمل کرنا گویا دولت پس انداز کرنے والے اشخاص کو ایک قسم کی سزا دینا ہے۔ اس کی وجہ سے اصل کی مقدار میں تخفیف ہونا یقینی ہے۔ ہیشیار اور انجام میں حضرات اس کی بدولت نقصان اٹھائیں گے اور مسرت و فصول خرچ اس کے بار سے بالکل محفوظ رہیں گے۔ یہ طریقہ بالکل بے سود اور آپ اپنی تباہی کا باعث ہو گا۔ کیونکہ اس کی بدولت پیدائش میں رکاوٹیں واقع ہوں گی اور اس طرح آمدنی کے ذرائع منقطع ہو جائیں گے۔ مزدوروں کی ایک کثیر تعداد کے ذرائع معاش مفقود ہو جائیں گے۔ اور اس طرح ایک طرف تو مزید ٹیکس کی ضرورت و زبرد زیادہ ہوتی جائے گی اور دوسری طرف حصول ٹیکس کے وسائل کم ہوتے جائیں گے۔ بالآخر مجبور ہو کر حصول آمدنی کے دوسرے ذرائع اختیار کرنا پڑیں گے۔

اگر ٹیکس کی شرح ہر صورت میں یکساں رہے، خواہ آمدنی اور دولت کی مقدار کچھ ہی ہو تو ایسا ٹیکس محصول متناسب کہلاتا ہے۔ فی صدی آمدنی یا دولت کے حساب سے یہ ٹیکس لگایا جاتا ہے اور مقدار آمدنی یا دولت کے تناسب سے کم و بیش ہوتا ہے۔ محصول آمدنی (بشرطیکہ اس میں تخفیفات کو نظر انداز کر دیا جائے) ٹیکس متناسب ہی کی ایک مثال ہے۔ کیونکہ خواہ آمدنی کی مقدار کچھ ہی ہو اس کی شرح میں تغیر نہیں واقع ہوتا۔ اول تناسب کی حمایت تو اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ ایک نہایت سادہ طریقہ ہے اور اس پر عملدرآمد بے حد آسان ہے۔ لیکن وہ قابلِ اعمتراض اس لیے ہے کہ اس کی بدولت قانون مساوات کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ بسا اوقات آمدنیاں اس قدر کثیر ہوتی ہیں کہ ان پر اس سے کہیں زیادہ ٹیکس لگایا جاسکتا ہے۔

اصول مساوات پر زیادہ کامیابی کے ساتھ عمل کرنے کی غرض سے تدریجی

فلس کی حمایت کی جاتی ہے۔ تدریج کے متعدد طریقے ہیں جن میں سے ہر ملک میں ایک نہ ایک طریقہ اختیار کر لیا جاتا ہے۔ اور اسی کے مطابق رعایا سے محصول آمدنی وصول کیا جاتا ہے۔

محصول متزاہد تدریجی فلس ہی کی ایک صورت ہے۔ جوں جوں آمدنی بڑھتی جاتی ہے شرح فلس میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ محصول بحساب جائیداد اس اصول کی بہترین مثال ہے۔ اس محصول کے بارہ مدارج قائم کئے گئے ہیں۔ پہلا درجہ ایک سو پونڈ بحساب ایک فی صدی شروع ہوتا ہے۔ اور آخری درجہ ایک ملین پونڈ پر بحساب ۸ فی صدی ختم ہوتا ہے۔ تدریج کی ایک اور مثال محصول مکان سکونتی ہے۔ طریقہ تدریج کے استدلال کی بنیاد مسئلہ تفکیک افادہ پر رکھی جاتی ہے اس طریقے کے حایوں کا یہ بیان ہے کہ جس طرح ایک حد معینہ کے بعد مزید دولت کا افادہ گھٹتا جاتا ہے، اسی طرح ساتھ ساتھ ایشیا کا اثر بھی کم محسوس ہونے لگتا ہے۔ لہذا اگر بڑی آمدنیوں پر نسبتاً اعلیٰ شرح سے فلس لگایا جائے تو ادا کنندوں پر نسبتاً زیادہ بار نہیں پڑے گا۔ بلکہ وہ بھی دراصل اتنا ہی ایشیا کریں گے جتنا کہ چھوٹی آمدنیوں والے جو نسبتاً ادنیٰ شرح سے فلس ادا کرتے ہیں۔ طریقہ تدریج کے خلاف جو اعتراض کیے جاتے ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ طریقہ زیادہ تر خود رانی پر مبنی ہے۔ شرح فلس میں اس طرح اضافہ کرتے جتنا گویا ادا کنندوں کے املاک کو زبردستی چھین لینا ہے۔ اور یہ طرز عمل کفایت اور پیدایش دولت کے سراسر منافی ہے۔ مزید برآں اس طریقے سے بیجا فائدہ اٹھانے کی ہمیشہ بہت کچھ گنجائش موجود رہتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کو رعایا کی دولت ضبط کرنے کا ایک ذریعہ بنا لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس طریقے کی بدولت حیلہ جوئی اور غلط بیانی کی عادتیں بڑھ جاتی ہیں اور ملک کی دولت میں تخفیف ہو جاتی ہے کیونکہ یا تو پس اندازی کی عادت منقوہ ہو جاتی ہے یا دولت ایسے ممالک میں منتقل کر دی جاتی ہے جہاں اطمینان کے ساتھ اس سے مستفید ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

غرض تدریج کی حمایت میں دہش طلبہ وہ ایک معقول اور مستوسط پیمانے پر اختیار کی جائے، جو استدلال کیا جاتا ہے وہ بحیثیت مجموعی صحیح معلوم ہوتا ہے فلس کے

ایک ایسے نظام میں جو مختلف محمولوں کا مجموعہ ہو، اگر تدریج کا اطلاق چند بلاد اس کے ملکوں تک محدود رکھا جائے تو مساوات اور پیداوار میں کمی کے مطالبات کی تکمیل میں اس سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ جہاں تک محمول جانیہ اور کاشتکاری سے اس میں ذرا شک نہیں کہ جس قدر میراث کی مقدار زیادہ ہوتی ہے، اسی قدر ادائیگی کی استطاعت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اور یہ بات بالکل قرین انصاف ہے کہ جو لوگ اس قدر کثیر میراث کے مالک بننے والے ہوتے ہیں ان پر اعلیٰ شرح سے ٹیکس لگایا جائے، خواہ بالآخر ان سے جو دولت حاصل کی جائے وہ بہ حیثیت مجموعی کتنی ہی کثیر دکھائی دے۔

ہیں ایک مرتبہ اور یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ برطانیہ عظمیٰ میں حصول آمدنی کا جو نظام قائم ہے وہ بہت سے ملکوں کا مجموعہ ہے جس کا ایک جز خصوصیات موت بھی ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ ہم صرف کسی ایک ملک اور اس کے اثرات کو دیکھ کر کوئی قطعی رائے قائم نہ کریں بلکہ بہ حیثیت مجموعی تمام نظام پر نظر ڈالیں۔ اُس وقت میں یہ معلوم ہو گا کہ محمول موت میں جو مدارج قائم کیے گئے ہیں ان کے ذریعے سے نظام ٹیکس کے دوسرے اجزاء کے عدم مساوات کی تلافی ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ ممکن ہے کہ بالواسطہ ٹیکسوں کے ذریعے سے رعایا کے چند طبقوں پر زیادہ بار پڑ رہا ہو۔ ایسی صورت میں محمول موت کے ذریعے سے مختلف طبقوں میں توازن قائم رکھا جاسکتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ بڑی سے بڑی مہارت والا انسان بھی مختلف طبقوں کے درمیان کوئی ایسا توازن یا مساوات قائم نہیں کر سکتا جو ہر لحاظ سے مکمل ہو اور جس میں مطلق کوئی خامی نہ نظر آئے۔ لیکن مسئلہ ٹیکس مختلف ممالک کی حکومتوں پر اس قسم کی ذمہ داری عائد کرتا ہے۔ لہذا اس ذمہ داری کو پورا کرنے کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے کہ نظام ٹیکس کے مختلف حصے اس طور پر ترتیب دیئے جائیں کہ ان سے بہ حیثیت مجموعی زیادہ سے زیادہ مساوات حاصل ہو سکے۔

ٹکسوں میں تبدیلیج قائم کرنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے جو اصطلاحاً اصول رجعتی کہلاتا ہے۔ اس اصول کے مطابق جوں جوں مقدار بڑھتی ہے شرح ٹکس میں تخفیف ہوتی جاتی ہے۔ ٹکس کی یہ شکل عملاً مشاذ و نادری اختیار کی جاتی ہے۔ تاہم فرانس کا شخصی ٹکس اور ٹکس آتشدان اس کی اچھی مثالیں ہیں۔ یہ ٹکس فرانس میں چودھویں صدی میں رائج تھے جبکہ وہاں غریب طبقوں سے بالعموم زیادہ ٹکس وصول کیے جاتے تھے۔

۱۹۱۶ء کے بعد سے محصول آمدنی اور موت کے محصولوں میں متعدد تبدیلیاں کی گئیں جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ محصول اختلافی اور پہلے سے زیادہ شدید بن گئے۔ آج کل جو بیمانہ قائم ہے اس کے لحاظ سے ٹکس سب اور غیر مکتبہ آمدنیوں میں یا بالفاظ دیگر اجرت اور شغل اصل کے سودیں امتیاز کیا جاتا ہے۔

اشیا پر ٹکس متزاید کا اطلاق آسانی کے ساتھ نہیں ہو سکتا اور اگر اس کی کوشش کی گئی تو مصارف بہت زیادہ اور نتائج ناقابل الطینان ہوں گے اور اس طرح قانون پیدا آوری کی تکمیل نہ ہو سکے گی۔ مزید برآں بڑی بڑی صنعتوں کی پیداواروں پر ٹکس متزاید کا اثر قانون تکثیر حاصل کے

۱۹۱۶ء کے پیمانے کے مطابق صرف ۱۳۰ پونڈ تک کی آمدنی ادائیگی سے مستثنیٰ کی گئی۔ اس سے پہلے یہ مقدار اور زیادہ تھی۔ ۱۳۰ پونڈ سے زائد مقدار والی آمدنیوں پر حسب ذیل شرحوں سے ٹکس لگایا گیا ہے۔

۵۰۰ پونڈ تک	حصہ مکتبہ پر ۲ ش ۳ پ	اور غیر مکتبہ پر ۳ ش
۱۰۰ پونڈ	۲ ش ۶ پ	۳ ش ۶ پ
۱۵۰ پونڈ	۳ ش ۶ پ	۴ ش
۲۰۰ پونڈ	۳ ش ۸ پ	۴ ش ۲ پ
۲۵۰ پونڈ	۴ ش ۴ پ	۵ ش
زائد ۲۵۰ پونڈ کے	۵ ش	۵ ش

مخالف اور اس طرح معاشی نقصان کا باعث ہوگا۔ آمدنیوں پر ٹیکس متزاید کا اطلاق سیاسی نقطہ نظر سے غلات انصاف ہوگا کیونکہ ہمارے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے جس کی مدد سے مختلف افراد کے ایثار کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا جاسکے۔ پیمانہ نہایت آسانی کے ساتھ اس طور پر بنایا جاسکتا ہے کہ آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ ٹیکس کی نذر ہو جائے اور اس طرح آمدنیوں میں تخفیف واقع ہو جائے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ محنت و جانفشانی اور کفایت شعاری کی عادتیں مفقود ہو جائیں گی، پیدائش دولت میں کمی واقع ہوگی، ملک کا اصل باہر چلا جائے گا اور معاشی ترقی رُک جائے گی۔ چپندر لوگوں پر ٹیکس کا اثر بہت گراں ہوگا اور دوسرے لوگ محض اس کے نتائج باعہ سے متاثر ہوں گے۔ مدامی طور پر کافی آمدنی حاصل کرنے کے لیے اس قسم کے ٹیکس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ایک طرف تو اس کی بدولت قانون مساوات کی غلات ورزی ہوگی اور دوسری طرف وہ اپنے معاشی مقصد یعنی مستقل پیداواری میں ناکام ہوگا اور اس طرح قوم کے نظام ٹیکس کی اولین ضرورت ہی پوری نہ ہو سکے گی۔ اس بات کے بار بار دہرانے کی چندال ضرورت نہیں ہے کہ ٹیکس کی بدولت محنتی اور پس اندازہ کرنے والے اشخاص کی ہمتیں پست نہ ہونے پائیں تاکہ نو ٹیکس کی پیداواری میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ کیونکہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ٹیکس محنت ہی کے ثمرات سے ادا کیے جاسکتے ہیں۔

آدم آسمتہ کے قوانین کے ساتھ بعض چھوٹے چھوٹے قاعدے یہ طور ضمیمہ شامل کیے جاسکتے ہیں جو دراصل اصول مساوات و کفایت سے ماخوذ اور مندرجہ بالا مباحثے کے نتائج ہیں۔

۱) ٹیکس کا نظام بالکل سادہ اور واضح ہو اور آسانی کے ساتھ لوگوں کی سمجھ میں آسکے۔ اور اس کے تقدیر کا کم و بیش یقین کے ساتھ پتہ لگایا جاسکے۔ زندگی کی ابتدائی ضروریات اس سے مستثنیٰ ہوں۔ اور وہ صرف ایسی چیزوں تک محدود رہے جو بہت زیادہ ضروری نہ ہوں یا جو تعیشیات میں شامل ہوں۔ (۲) صنعت و حرفت کے طریقوں میں ٹیکس کے انتظامات کی بدولت کم سے کم مداخلت ہو۔ ٹیکس خالص آمدنی پر لگایا جائے اور وہ سبھی اس طرح کہ نہ اضافہ اصل میں

زکا و ٹیپیدا ہو اور نہ لوگ اپنا اصل ملک سے باہر بھیجنے پر مجبور ہو جائیں۔
 (۳) ٹیکس کے نظام میں بحیثیت مجموعی لچک یا تغیر پذیری کی گنجائش ہو۔
 بالفاظ دیگر ہر سال کی آمدنی اس سال کی ضروریات کے مطابق کم و بیش کی جاسکے
 اور اس کے لیے موجودہ ٹیکسوں میں رد و بدل کرنا نہ ٹیکس لگانے سے زیادہ بہتر ہے۔
 (۴) ٹیکس کا وہ نظام زیادہ مناسب ہے جو بلا واسطہ اور بالواسطہ دونوں
 قسم کے ٹیکسوں پر مشتمل ہو۔ اس کی بدولت مختلف طبقوں پر ٹیکس کا بار ڈالنا جاسکتا ہے
 اور قانون مساوات کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ مزید برآں جب کبھی کوئی فوری ضرورت
 لاحق ہو تو تغیر و تبدل کے لیے ہمارے سامنے بہت سے ذرائع موجود رہیں گے اور
 فوراً روپیہ فراہم کرنے میں بہت کچھ سہولت ہوگی۔

(۵) چیزوں پر جو ٹیکس لگائے جاتے ہیں ان میں بار بار رد و بدل کرنا چنداں مناسب
 نہیں، کیونکہ ہر تبدیلی سابقہ حالت کو ضرور کچھ نہ کچھ تہ و بالا کر دیتی ہے۔ قدیم ٹیکسوں سے مطابقت
 پیدا ہونے والی ہوگی کہ پھر نئے ٹیکس آسموجود ہو گئے جن سے بالواسطہ بہت سے اغراض
 متاثر ہوتے ہیں۔ اس اصول کو اصولِ تیقن بہ شکل استقامت کا نام دیا گیا ہے۔

(۰)

نوٹ :- خاص محمول مناسب میں بعض آمدنی معیار ہے لیکن مشروطاً محمول متناسب کی حالت
 اس سے جدا گانہ ہے ایسی صورت میں ضرورت ہے کہ مختلف قسم کے رد و بدل کو پیش نظر رکھا جائے۔
 مثلاً تحقیقات، اقل مقدار جس پر ٹیکس معاف ہو، رقوم پس انداز دہیمہ جو ادائیگی ٹیکس سے
 مستثنیٰ ہوں، وسیلہ آمدنی داجرت یا سود کا لحاظ یا اخراجات خاندان کے لیے مہنائی وغیرہ۔

چوتھی فصل

بلو اسطہ ٹکس لگانا۔ املاک اور آمدنی کے محصول

(۰)

زمانہ گذشتہ میں بادشاہوں کی آمدنی زیادہ تر زمین سے حاصل کی جاتی تھی۔ سیکسن۔ انگریز بادشاہوں کے دور حکومت میں آمدنی کا بڑا مآخذ شاہی زمینات تھیں۔ گو تحفظ ملک کے لئے وقتاً فوقتاً دوسرے ٹکس بھی عاید کیے جاتے تھے مثلاً، زبرجہاز، زر ڈین اور زر آتشدان۔ زر ڈین اس حیثیت سے زیادہ دلچسپ ہے کہ وہ انگلستان میں سب سے پہلا ٹکس ہے جو زر کی شکل میں وصول کیا گیا۔ یہ ٹکس اولاً اس لئے لگایا گیا تھا کہ ڈینی حملہ آوروں کو کچھ روپیہ دے کر انگلستان پر حملہ کرنے سے باز رکھا جائے۔ بعد ازاں وہ محصول زمین کی شکل میں تبدیل ہو گیا اور بارہویں صدی کے اختتام تک رو اجا جاری رہا۔ فتح نارمن کی بدولت شاہی زمینات میں بہت اضافہ ہو گیا۔ اور بعد ازاں ضبطیوں اور حقوق بازگشت کی وجہ سے اس میں متواتر توسیع ہوتی رہی۔ زمینیں جاگیر دار اپنی زمینات کے معاوضے میں فوجی اور دوسری خدمتیں بجالاتے تھے۔ یہی خدمتیں ایک زمانے کے بعد زر کی شکل میں بدل دی گئیں اور خدمت بجالانے کے عوض یہ لوگ زر ادا کرتے گئے۔ ہر جاگیر دار کی زمین بہت سے ذیلی آسامیوں میں منقسم ہوتی تھی جو اپنی زمینوں کے معاوضے میں جاگیر داروں کی خدمات بجالاتے تھے۔ یہ خدمات بھی بتدریج زر کی شکل میں بدل دی گئیں۔ بعض اوقات خاص خاص اغراض کے لئے غیر معمولی ٹکس وصول کیے جاتے تھے اور بادشاہ اپنے آسامیوں سے اور ان شہروں سے جو شاہی علاقے میں واقع ہوتے تھے ”رقمی اداوں“ اور فوجی ضروریات کا مطالبہ کرتے تھے۔ چودھویں صدی میں یہ ”رقمی اداوں“ منسوخ کر دی گئیں اور

۵۷ ان کی جگہ پارلیمنٹ کی رضا مندی سے "اشیائے منقولہ" پر ٹکس مقرر کیے گئے۔ رفتہ رفتہ یہ محاصل املاک کے ٹکس کے طور پر قائم ہو گئے۔ اور پندرہویں اور دسویں کے نام سے موسوم کیے جانے لگے۔ ان ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جائیداد کی مالیت کا کس قدر حصہ یہ طور ٹکس وصول کیا جاتا تھا۔ اول الذکر رقوم اضلاع سے وصول کیے جاتے تھے اور میونسپلٹیوں اور فصول کی قدر کا تخمینہ کر کے ان پر عاید کیے جاتے تھے۔ آخر الذکر رقوم شہروں سے وصول ہوتے تھے اور سامان تجارت اور اشیائے منقولہ کی قدر کا تخمینہ کر کے ان پر عاید کیے جاتے تھے۔ ۱۳۳۲ء میں پارلیمنٹ کی جانب سے خاص طور پر تحقیقات کی گئی تاکہ ان رقوم کو معین اور مشخص کرنے کے طریقوں میں کچھ اصلاح کی جائے۔ اس سلسلے میں کل نظام کی نظر ثانی کی گئی اور ایک مجموعی رقم مقرر کر کے شہروں اور اضلاع کے درمیان اسے تقسیم کر دیا گیا۔ غرض یہی ٹکس جو بلحاظ مقامات کے عاید کیا جاتا تھا اور جس کی شرح بلحاظ املاک کے معین ہوتی تھی، کچھ مولیٰ تغیر و تبدل کے ساتھ سترہویں صدی تک جاری رہا۔

اسی اثنا میں حصول آمدنی کا ایک اور ذریعہ یعنی شخصی ٹکس ایجاد کیا گیا۔ یہ ایک قسم کا ذاتی ٹکس تھا جو ہر شخص سے اس کی حیثیت و رتبہ کے لحاظ سے وصول کیا جاتا تھا۔ اور یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ وہ ادا کنندوں کی استطاعت کے تناسب سے جس کا معیار ان کی ظاہری حیثیت و آمدنی ہوتی تھی، لگایا جاتا ہے۔ لیکن شخصی ٹکس دراصل محصول آمدنی و املاک ہی کی گویا ایک قدیم اور سری قدر بے قاعدہ شکل تھی۔ بلحاظ تعدیہ کے یہ ٹکس بہت گراں اور رعایا میں بہت نامقبول تھا، حتیٰ کہ ۱۳۸۱ء کی بغاوت کا شکاراں کے فوری اسباب میں اس ٹکس کی نذر انصافی کا بھی ضرور کچھ حصہ تھا۔ ۱۳۳۵ء میں پارلیمنٹ نے اسی قسم کا ایک اور ٹکس منظور کیا، لیکن کچھ دنوں بعد ٹیڈر بادشاہوں کے دور میں اس کی جگہ عطیات مقرر کیے گئے جو لگان اور جائیداد منقولہ پر لگائے جاتے تھے اور ان سے ۵۸ جو آمدنی حاصل ہوتی تھی وہ پندرہویں اور دسویں کی آمدنی کے ساتھ شامل کر دی جاتی تھی۔ غیر معمولی اخراجات کے لیے اس قسم کے عطیات ۱۶۲۳ء تک جاری رہے۔ اس کے بعد ان سے کافی آمدنی حاصل نہیں ہونے لگی چنانچہ

آخری مرتبہ اُن سے صرف ۲۸۲۰۰۰ پونڈ وصول ہوئے۔ بنا بر اں انھیں منوع کر دیا گیا اور ان کی جگہ خاص تشکیلات کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ چند چند سال کے وقفے سے جنگ کے خاص اخراجات کو پورا کرنے کے لیے شخصی ٹکس یا فنی کس رقم کا طریقہ دوبارہ جاری کیا گیا۔ چنانچہ عود شاہی کے موقعہ پر، نیز ۱۹۶۶ء اور ۱۹۶۷ء میں شخصی ٹکس عاید کیا گیا۔ ہر شخص کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ خود ہی اپنی آمدنی اور اس کی مقدار کا اعتراف کرے تاکہ اسی کے مطابق اُس سے ٹکس وصول کیا جائے۔ اس کے بعد ۱۹۶۸ء اور ۱۹۶۹ء کے درمیان فرانس کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے مزید آمدنی کی ضرورت لاحق ہوئی تو پھر شخصی ٹکس ہی کے ذریعے سے اس کا کچھ حصہ حاصل کیا گیا۔ اس ٹکس کے اختیار کرنے پر جو بات خاص طور پر آمادہ کردہ تھی وہ یہ تھی کہ اس کا سہارا اور وصول کرنا نہایت آسان تھا۔ لیکن خرابی اس میں یہ تھی کہ لوگ بسا اوقات مال منول کر کے اس کی ادائیگی سے بچ جاتے تھے، یہاں تک کہ بتدریج اس کی آمدنی میں اس قدر تخفیف ہو گئی کہ ۱۹۶۸ء کے بعد پھر کبھی اس پر ہاتھ نہیں ڈالا گیا۔

جمہوری حکومت کے دور میں پارلیمنٹ جائیداد منقولہ وغیرہ منقولہ دونوں سے "ماہانہ شخص" کے ذریعے سے آمدنی حاصل کرتی تھی۔ یہ ایک قسم کی امداد تھی جو فائدہ جگہ کے اغراض کے لیے مقامی طور پر وصول کی جاتی تھی اور قدیم بندرگاہی محصولات، ٹینج، پونڈیج وغیرہ کی آمدنی سے اس کی تکمیل ہوتی تھی۔ بعد ازاں پارلیمنٹ نے اٹلی اور آئینہ کی تقلید کر کے ایک نیا ٹکس جاری کیا یعنی ملک کے اندر تیار کی ہوئی چیزوں مثلاً بیرونی، ساڈر، شرابوں اور لمبوسات وغیرہ پر محصول جنگی عاید کیا۔ اول اول تو لوگوں میں یہ محصول بہت غیر مقبول رہا، لیکن ۱۹۶۹ء میں پارلیمنٹ نے ایک فرمان کے ذریعے یہ اعلان کر دیا کہ رعایا سے جو ٹکس وصول کیے جاسکتے ہیں اُن میں یہی سب سے زیادہ سادہ اور غیر جانبدار ہے۔

۱۹۶۶ء میں عود شاہی کے موقعہ پر شاہی آمدنی کی مقدار بارہ لاکھ پونڈ مقرر کی گئی۔ یہ زیادہ تر تین ذرائع سے حاصل کی جاتی تھی: (۱) کروڑ گیری یا قدیم بندرگاہی محصولات (۲) جدید جنگی محصول۔ یہ ٹکس بعض متروک الاستعمال جاگیریں محصولات کے معاوضے میں جو ۱۹۶۴ء میں منسوخ کر دیے گئے تھے

نیز مطالبہ اشیاے نوراک وغیرہ کے قدیم شاہی حقوق کے معاوضے میں وصول کیا جاتا تھا ۵۹ اور اس کا نام موروثی مینگی رکھا گیا تھا۔ (۳) ایک عارضی جنگی کا محصول جو موروثی جنگی کو عملاً دگنا کر دیتا تھا۔

۱۶۶۲ء میں ایک نئی قسم کا محصول مکان جو اصطلاحاً زر آتشدان کہلاتا تھا، جاری کیا گیا۔ یہ کسی قدر محصول آمدنی کے مشابہ تھا کیونکہ اس کی مقدار معین کرنے میں یہ دیکھا جاتا تھا کہ مکان میں کتنے آتشدان ہیں اور یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ بس مکان میں جس قدر زیادہ آتشدان ہوں گے، اسی قدر وہ مالک مکان کی دولت مستعدی یا کثیر آمدنی کو ظاہر کریں گے۔ اس ٹکس کے ٹھیکہ دار چینی والے کہلاتے تھے جو نہایت سختی کے ساتھ ٹکس وصول کرتے تھے۔ ان کے تجسساً نہ طریقوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کو اس ٹکس سے سخت نفرت ہو گئی اور بالآخر ولیم ثالث نے اپنی تخت نشینی کے موقع پر اس کو منسوخ کر دیا۔ اس سال اس ٹکس سے دولاکھ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی ۱۶۷۲ء سے بنگ واروں پر ٹکس لگایا جانے لگا۔ انگلستان میں تجارتی ترقی اور طریق اعتبار کے نشوونما کا اس سے بخوبی پتہ چلتا ہے۔

۱۶۸۸ء کے انقلاب کے بعد یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ محصول آمدنی کا کوئی جدید انتظام کیا جائے۔ قدیم شاہی زمینات کی آمدنی تقریباً بند ہو گئی تھی اور جدید جنگی اور بندرگاہی محصولات آمدنی کے خاص ذرائع بن گئے تھے۔ اسی بنا پر مصارف شاہی کی مقدار معین کر دی گئی جس سے نہ صرف شاہی خاندان کی ضروریات پوری ہوتی تھیں بلکہ ججوں، سفیروں وغیرہ کے اخراجات اور شاہی وظیفہ خواروں اور سالانے پائے والوں کی امداد کی بھی اس سے سبیل کی جاتی تھی۔ پہلی مرتبہ اس کی مقدار ۶ لاکھ پونڈ مقرر کی گئی تھی لیکن بعد ازاں اس میں اضافہ کیا گیا اور ہر بادشاہ کے لیے اس کی تخت نشینی کے وقت از سر نو اس کی منظوری دی جانے لگی۔ ۱۷۸۷ء سے مصارف شاہی کو مصارف معینہ میں شامل کر دیا گیا۔ ۱۸۳۳ء میں عدالت کے اخراجات اس سے علیحدہ کر دیئے گئے اور ان کا جداگانہ انتظام کیا جانے لگا۔ اس وقت مصارف شاہی کا مقصد صرف بادشاہ کے رتبے اور وقار کو برقرار رکھنا ہے اور اس کی مقدار سالانہ ۴ لاکھ ستر ہزار پونڈ ہے۔

۱۶۹۲ء میں ایک اور ٹکس ظہور پذیر ہوا جو اب محصول زمین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس ٹکس کو اختیار کرنے کا اصلی منشا یہ تھا کہ خانہ جنگی کے دوران میں جو مابانہ تشخیصات بجا رہی کی گئی تھیں ان کا وہ جائز بن جائے۔ اس کی صورت محصول الماک اور محصول آمدنی، دونوں کی سی تھی۔ وہ گویا ایک طرح سے قدیم دسودوں اور پندرہ سوں کی راست نسل سے تھا۔ یہ ٹکس کل زمین و مکانات کی سالانہ مالیت پر ہر قسم کے ذاتی الماک، حکام سرکاری کی تنخواہوں اور اشیلے منقولہ پر بہ حساب ۴ شلنگ فی پونڈ عاید کیا جاتا تھا۔ ہر سال از سر نو اس کی منظور سی لی جاتی تھی اور پہلی مرتبہ اس سے ۱۹۲۲ء ۱۹۲۳ء پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔ لیکن سالانہ تشخیص کا طریقہ تجربے سے بہت دقت طلب ثابت ہوا اور اس کے نتائج ہمیشہ مختلف برآمد ہونے لگے۔ اسی وجہ سے پارلیمنٹ نے ۱۶۹۹ء میں تمام نظام پر نظر ثانی کی اور اس بات کا فیصلہ کیا کہ ہر سال تقریباً پندرہ لاکھ پونڈ آمدنی حاصل کی جائے۔ اور اس غرض کے لیے ہر ضلع اور شہر کا حصہ اس وقت کی مالیت کے مطابق مقرر کر دیا جائے۔ تشخیص کے اس طریق کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹکس کے تعدیہ میں مساوات قائم نہ رہ سکی۔ اور جب آبادی میں اضافہ ہونے لگا اور بالخصوص انقلاب صنائع کے بعد جب نئے نئے صنعتی اور تجارتی اضلاع اور شہر نمودار ہونے لگے تو اس عدم مساوات کا اثر بہت زیادہ محسوس ہونے لگا۔

اس ٹکس کا وہ حصہ جو ذاتی الماک کے مطابق تشخیص کیا جاتا تھا، اپنے وجود کے بالکل ابتدائی زمانے میں ہی بہت کچھ گھٹ گیا اور رفتہ رفتہ تشخیص سے خارج ہو گیا۔ ۱۸۳۳ء میں وہ سرکاری طور پر منسوخ کر دیا گیا اور اس ٹکس کا صرف وہ حصہ باقی رہ گیا جو زمین پر تشخیص کیا جاتا تھا۔ ۱۷۹۸ء تک یہ محصول زمین ہر سال از سر نو منظور کیا جاتا تھا لیکن جنگ کے لیے سرمایہ فراہم کرنے میں سخت مالی مشکلات پیش آنے لگیں تو اس سال انگلستان کے مشہور وزیر اعظم ولیم پیٹ نے اس ٹکس پر نظر ثانی کی اور اس کو ایک مدامی لگان کی شکل میں منتقل کر دیا، یا بہ الفاظ دیگر ہر ضلع سے یہ شکل لگان جو آمدنی وصول ہوتی تھی اس میں سرکار کا حق اس ٹکس کے ذریعے معین کر دیا گیا۔ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا کی زمین میں سرکار کا حق قائم ہو گیا

جس کا عملی ثبوت اس ٹکس کی ادائیگی میں مضمر سمجھا جانے لگا۔ نظر ثانی کے موقع پر محصول زمین کی سرہستہ مالیت کا تخمینہ بہ قدر ستر ملین پونڈ کیا گیا تھا۔ پٹ نے اسی وقت ایک ہولت یہ ہم پہنچا دی تھی کہ جو لوگ سال بہ سال ٹکس ادا کرتا نہ جائیں انہیں یہ اختیار ہوگا کہ یکمشت سرہستہ مالیت ادا کر کے ادائیگی ٹکس سے مستثنیٰ ہو جائیں چند سال کے عرصے میں یہ قدر ۵ لاکھ پونڈ (نصف ملین) ٹکس ادا کر دیا گیا۔ اور دوسری صدی کے دوران میں تقریباً نصف ٹکس ادا کر دیا گیا۔ اور اس طرح جملہ ٹکس گھٹ کر ۸۶۰۰ پونڈ رہ گیا جو ابھی زمین سے وصول طلب ہے۔

۱۸۹۶ء میں محصول زمین پر دوبارہ نظر ثانی کی گئی۔ اس مرتبہ جو لگان وصول ہوا اس کا اوسط جملہ مالیت پر فی پونڈ ایک شلنگ کے حساب سے تھا۔ مزید برآں اس کا نقد یہ بھی بہت غیر مساوی تھا۔ بعض نہایت آباد مقامات میں وہ فی پونڈ ایک پنی سے بھی کم تھا اور چند زراعتی اضلاع میں وہ فی پونڈ ۴ شلنگ کے قریب قریب پہنچ گیا تھا۔ لگاتار شلٹریں اس کا اوسط ۴ پنیں تھا اور ہم میں ۳ پنیں خورد شلٹریں ۲ شلنگ۔ اپنی اور ٹیکس کے بعض حصوں میں فی پونڈ ۴ پنیں تھا۔ اس کے علاوہ ۱۸۹۶ء کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا کہ بہ حیثیت ایک ٹکس کے وہ اصول مساوات کے سراسر منافی ہے۔ بہت سی زمین جس پر ٹکس یک مشت ادا کیا جا چکا تھا اب آئندہ کے لیے بالکل مستثنیٰ تھی۔ جس زمین پر ابھی تک ٹکس لگایا جاتا تھا اس کا ایک بہت بڑا حصہ قدیم مالکوں کے پاس سے منتقل ہو چکا تھا۔ یہ تو یقینی ہے کہ جن لوگوں نے ان زمینات کو خرید ا ہو گا وہ ضرور جانتے ہوں گے کہ ان زمینات پر ادائیگی ٹکس کا بار موجود ہے۔ لہذا انھوں نے زمینات کی حسب سابق پوری پوری قیمت ادا نہ کی ہوگی بلکہ اس میں سے کچھ حصہ بار ٹکس کے تناسب سے منہا کر کے زمین کو اس کی تخفیف شدہ قیمت پر خرید ا ہو گا۔ نتیجہ اس کا یہ تھا کہ ان زمینات کے نئے مالک محصول زمین کے اثر سے بالکل متاثر نہیں ہوتے تھے۔ کوئی طریقہ ایسا موجود نہیں تھا جس کے ذریعے سے اس محصول کے وصول کرنے میں مساوات قائم کی جاسکتی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس کو محصول زمین کہنا ہی صحیح نہیں تھا۔ قدیم زمانے سے زمین کی ملکیت نہیں قومی حقوق شامل رہتے چلے آئے ہیں بلکہ بسا اوقات عشراد اکرنے والی زمین کی طرح وہ قوم کی مشترک ملک سمجھی جاتی رہی ہے۔ اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر زمین کے

لگان کا ایک حصہ حکومت اس ٹکس کے ذریعے سے وصول کرتی تھی ^{۱۸۹۸ء} کے قانون قیناس کی رو سے یہ طے کیا گیا کہ اس ٹکس کی شرح زمین کی مالیت پر فی پونڈ ایک شلنگ سے کسی طرح زیادہ نہ ہو۔ اور جو لوگ اس سے اعلیٰ شرح سے محصول ادا کر رہے ہوں آئندہ سے وہ بھی اس مقررہ شرح سے ٹکس ادا کریں۔ اس طرح تخفیف ٹکس کی بدولت زمین کی مالیت میں جو اضافہ ہوا وہ گویا دراصل ایک تحفہ تھا جو قوم کی طرف سے زمینداروں کو عطا کیا گیا۔ اس کے علاوہ یہ بھی طے کیا گیا کہ جن صورتوں میں ٹکس کی آمدنی زمین کی مالیت پر فی پونڈ ایک پنی سے کم ہو وہاں بہ شرح ایک پنی ٹکس ادا کیا جائے۔ اور اس طرح جو مزید آمدنی حاصل ہو وہ اس کے ہم قدر حصے کو آئندہ ادائیگی ٹکس سے رہا کرنے میں لگائی جائے۔ جن زمینداروں کی آمدنی ۶۰ پونڈ اور ۱۰۰ پونڈ سے کم ہوتی تھی، انھیں بھی ^{۱۸۹۸ء} میں ادائیگی ٹکس سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ ان مستثنیات کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی میں دو لاکھ پونڈ کی تخفیف ہو گئی اور تمام ملک کی اوسط شرح فی پونڈ ۴ پنی رہ گئی۔

بہ حیثیت ایک ذریعہ آمدنی کے محصول زمین کی اب چنداں اہمیت نہیں رہی۔ البتہ اس کی تاریخ ضرور دیکھنی ہے اور اس سے ٹکس کے بعض اصولوں کی چھیٹائیں دستیاب ہوتی ہیں۔ بہ حالت موجودہ اس کی آمدنی ۷ لاکھ پونڈ ہے۔ اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ آمدنی زمین سے حاصل کی جاتی ہے، وہ بہت ناقابل لحاظ ہے۔ مزید برآں ٹکس وصول کرنے کے مصارف بھی زیادہ ہیں۔ لہذا اس ٹکس کا موقوفہ ہو جانا ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس غرض سے متعدد تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں۔ اور سب سے زیادہ قابل عمل تجاویز میں سے ایک یہ ہے کہ ہر سال قنداد موجودہ کا سہ گنا ٹکس وصول کیا جائے جس میں سے دو تہائی حصہ سنگٹ فٹ کے قیام میں لگایا جائے۔ دس سال تک اس طرح عمل کرنے سے سنگٹ فٹ میں اس قدر رقم جمع ہو جائے گی کہ حکومت بغیر کسی قسم کے نقصان کے اس ٹکس کو ہمیشہ کے لیے موقوف کر سکے گی۔ اس طرح ٹکس ادا کرنے والے گویا اس بات پر مجبور ہوں گے کہ دس سال کی مدت میں مزید بیس سال کا ٹکس ادا کر کے آئندہ ہمیشہ کے لیے اس ٹکس کی ادائیگی سے

آزاد ہو جائیں جو کچھ اصل اس طور پر جمع ہو گا اسے قومی قرضہ کو گھٹانے میں لگایا جائے گا۔ یہ ایک ایسی تجویز ہے جو کسی معاشی اصول کے منافی نہیں معلوم ہوتی اور یہ معمولی زمین کی گذشتہ تاریخ کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ نامناسب نظر آتی ہے۔ بہت سے لوگ جو اس تاریخ سے نا آشنا ہیں یہ سفارش کرتے ہیں کہ حاصل غیر ملکیت کو تصرف میں لانے کی غرض سے اس ٹکس میں اور اضافہ کیا جائے۔ اگر اس ٹکس کو قطعاً موقوف کر دیا جائے تو ان لوگوں کی یہ غلط فہمی بھی رفع ہو جائے گی جیسا کہ اس تجویز کے محرک نے کہا ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹکس کی مقدار معین کر دینے کے بجائے اگر پٹ اس کی کوئی شرح مقرر کر دیتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ گذشتہ صدی کے دوران میں زمین کی قدر میں جو زبردست اضافہ ہوا ہے اس کی بدولت زمین قومی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ بن جاتی اور ساتھ ہی حاصل غیر ملکیت کا مشکل مسئلہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حل ہو جاتا۔ اس کے علاوہ دوسرے متعدد معاملات مثلاً زمین کی ملکیت، زراعت و صنعت کی ترقی، زمین پر اصل صرف کرنے کا طریق حصول آمدنی و املاک غرض ان سب پر ٹکس کے اثرات نہایت اہم ہوتے۔

اور ذرا لے آمدنی کی طرح زمین کے لگان سے بھی حصول آمدنی و مول کیا جاتا ہے۔ ۱۹۱۹ء کے حسابات فینائس کے مطابق اراضی اور مکانات سے محصول املاک کی مد میں ۴۰۰ ۳۵ ۲ پونڈ وصول ہوئے تھے۔ اس میں سے تقریباً ایک چوتھائی حصہ زمین کے لگان سے حاصل کیا گیا تھا۔ مقامی شروحوں کی تشخیص کا مدار بھی اراضی اور عمارات ہی پر ہوتا ہے۔ ان کی مقدار پچاس بن پونڈ تھی اور اس کا پانچویں سے زیادہ حصہ زمین سے حاصل کیا گیا تھا۔

جیسا کہ ہم معلوم کر چکے ہیں موجودہ زمانے کا محصول آمدنی قدیم شخصی ٹکس سے نمودار ہوا ہے۔ یہ ایک بلا واسطہ محصول ہے جس کی بنیاد ادا کنندہ کے تمام ذرائع کی مجموعی آمدنی پر ہوتی ہے۔ اور مستثنیات اور

۱۔ اکنامک جرنل ستمبر ۱۹۵۹ء "محول زمین کی موجودہ حالت" از اسے ہوک۔

۲۔ اس مسئلے کی تفصیلی بحث کے لیے "مقامی ٹکس" والی فصل دیکھو۔

تخفیفات کے ایک خاص طریقے کے مطابق اس میں تدریج قائم کی جاتی ہے جو وہ شکل میں اس ٹکس کو سب سے پہلے پیٹ ۱۷۹۷ء کے لیے ۱۷۹۷ء میں جاری کیا۔ اور اُس وقت چھ ملین پونڈ آمدنی اس ٹکس سے حاصل ہوئی۔ صلح ایمین کے بعد ۱۸۰۱ء میں یہ ٹکس بند کر دیا گیا۔ لیکن ۱۸۰۳ء میں محصول املاک و آمدنی کی شکل میں وہ دوبارہ عاید کیا گیا۔ اور پانچ مدارج یا جدولوں میں تقسیم کیا گیا۔ ۶۰ پونڈ سے کم کی آمدنیاں تو مستثنیٰ کر دی گئیں اور ۱۶۰ اور ۱۵۰ پونڈ کے درمیان والی آمدنیوں پر تخفیف عطا کی گئی۔ ۵۰ پونڈ سے نیچے کی آمدنیوں پر بھی جس شرح سے ٹکس لگایا جاتا تھا، وہ ہر صورت میں یکساں نہیں ہوتی تھی بلکہ مختلف مقداروں کے ساتھ ساتھ وہ بھی مختلف ہوا کرتی تھی البتہ کسی صورت میں وہ ۳ پنس سے کم اور ۱۱ پنس سے زائد نہ ہوتی تھی۔ اس مقدار سے اوپر کی آمدنیوں کے لیے شرح ٹکس فی پونڈ ایک شلنگ تھی۔ بعد ازاں اس شرح میں اضافہ کیا گیا حتیٰ کہ ۱۸۰۷ء میں وہ فی پونڈ ۲ شلنگ یا ۱۰ فی صدی تک پہنچ گئی۔ جنگ کے اختتام پر ۱۸۱۶ء میں جب یہ ٹکس منسوخ کیا گیا تھا تو اس سے ساڑھے پندرہ ملین پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔

۱۸۳۲ء میں سر رابرٹ پیل نے محصول آمدنی کو دوبارہ جاری کر دیا تاکہ اس کے مجوزہ مالی اصلاحات کی بدولت محصولات درآمد میں غرضی طور پر تخفیف ہو کر سرکاری آمدنی کا جو نقصان ہوتا تھا اس کی اس طرح تلافی ہو جائے۔ ۵۰ پونڈ سے اوپر کی آمدنیوں پر فی پونڈ ۷ پنس کے حساب سے ٹکس لگایا گیا اور اس کی مدت تین سال قرار دی گئی۔ لیکن بعد ازاں اس مدت میں توسیع کی گئی اور جب ۱۸۳۷ء میں محصولات درآمد بوجہ ان کی تائینی نوعیت کے منسوخ کر دیئے گئے تو محصول آمدنی ان کا نائب بن گیا اور اس وقت سے نظام ٹکس کا وہ ایک مسلمہ جزو سمجھا جانے لگا۔ مستثنیٰ آمدنیوں کی مقدار میں کئی مرتبہ تبدیلی کی گئی۔ ۱۸۵۳ء سے ۱۸۷۵ء تک یہ مقدار ۱۰۰ پونڈ تھی ۱۹۱۱ء میں وہ ۱۶۰ پونڈ تھی۔ اس ٹکس پر اصول تدریج کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس کے بھی مختلف طریقے ہیں۔ آخری مرتبہ جنگ کے زمانے میں جو تبدیلی کی گئی اس کا حال علوم کرنے کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ (۲۰۴)۔

اگرچہ جدید محصول آمدنی کی ابتدا خاص جنگ کے اغراض کے لیے کی گئی تھی تاہم

اب وہ برطانیہ کے نظام عکس کا ایک سلسلہ جزو بن گیا ہے۔ اور زمانہ موجودہ کے عام جہو دہی میلان کی وجہ سے اسے روز بروز تقویت پہنچتی جاتی ہے۔ سرکاری آمدنی کے ایک بہت بڑے حصے کا اب اسی پر مدار ہے۔ ۱۸۴۳ء کے بعد سے اب تک صرف ایک مرتبہ اس کو منسوخ کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے اور یہ تجویز مسٹر گلڈ سٹون نے ۱۸۵۱ء میں پیش کی تھی۔ لیکن اب تو وہ قوم کا ایک محفوظ ذخیرہ سمجھا جاتا ہے اور جب کبھی جنگ کی وجہ سے حکومت کو مزید اخراجات لاحق ہوتے ہیں تو ہمیشہ اسی عکس میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ اس کی شرح بھی ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ ۱۸۵۲ء میں وہ فی پونڈ ۶ پنس تھی اور ۱۸۵۶ء میں جنگ کریمیا کے دوران میں وہ ایک شلنگ ۴ پنس تک پہنچ گئی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں وہ فی پونڈ ۲ پنس تھی اور ۱۹۰۲ء میں جنوبی افریقہ کی جنگ کے زمانے میں وہ ایک شلنگ ۳ پنس تک پہنچ گئی تھی۔ ۱۹۰۵ء میں جو اس کا زمانہ تھا شرح عکس فی پونڈ ایک شلنگ یا ۶ فی صدی تھی اور عکس پوری آمدنی پر عاید کیا جاتا تھا۔ ۱۸۴۳ء میں ہرنی سے پانچ لاکھ پونڈ حاصل ہوئے تھے لیکن ۱۹۰۵ء میں ہرنی سے ۲۶ لاکھ ۴ ہزار پونڈ آمدنی حاصل ہوئی۔ ۱۹۱۳ء میں محمول آمدنی سے کل ۲۹۰۰۰ ۲۳۵ پونڈ حاصل ہوئے۔ ۶۵ اس کے علاوہ تین ہزار پونڈ سے اوپر کی آمدنیوں پر ایک زائد عکس بھی عاید کیا گیا تھا جس کی شرح ۵ پنس سے لے کر ایک شلنگ ۴ پنس تک تھی اس سے ۳۲۲۰۰۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی۔

محمول آمدنی ادا کرنے والے مندرجہ ذیل پانچ طبقوں یا جدولوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں:۔ (۱) مالکان الملاک و اراضی و مکانات (ب) مزارعین اور قابضان زمین (ج) سرمایہ دار (د) سودا منافع کاروبار یا شغل اہل سے آمدنی پیدا کرنے والے (۵) سرکاری ذرائع سے تنخواہ پانے والے۔

محمول جمع کرنے کا طریقہ سادہ اور کفایت شعاری پر مبنی ہے۔ کاروباری منافع پر جس قدر عکس وصول کیا جاتا ہے، وہ ہر شخص سے جداگانہ طور پر نہیں لیا جاتا بلکہ تقسیم منافع سے قبل یکشت وصول کر لیا جاتا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ درجے کا پیداوار اور عکس ہے اور آمدنی میں اضافہ یا تخفیف کرنے کی غرض سے اس میں بہ آسانی تغیر و تبدل کر سکتے ہیں۔ وہ سراسر آدم اسمتھ کے پیش کردہ قوانین کے مطابق ہے۔

چونکہ ٹکس کے ایک بہت بڑے نظام کا وہ محض ایک جز ہے لہذا وہ قانون مساوات کے خلاف نہیں ہے۔ مزید براں چھوٹی چھوٹی آمدنیاں ادائیگیس سے مستثنیٰ کر دی جاتی ہیں اور ٹکس میں اس طور پر مدارج قائم کر دیئے جاتے ہیں کہ محدود آمدنی والوں پر بیویاں بار نہیں پڑتا۔ اس میں شک نہیں کہ ادنیٰ درجے کے تنخواہ یابوں اور علمی پیشوں کے ذریعے سے آمدنی پیدا کرنے والوں پر اس ٹکس کا بار بہت سخت ہوتا ہے۔

چنانچہ اس بات کا فیصلہ کیا گیا ہے (۱۹۱۱ء) کہ استثنیٰ کی حد تک اور بھی ادنیٰ درجے پر قائم کی جائے اس طرح کہ ۱۶۰ پونڈ سے نیچے کی تمام مستقل آمدنیاں ادائیگیس سے مستثنیٰ ہو سکیں۔ بہت زیادہ پیچیدہ بنانے پر محصول آمدنی کا انتظام کرنا عملاً بہت وقت طلب ہے۔ اور اگر ہفتہ واری اجرت پانے والے طبقوں سے بھی کفایت شغری اور زمین کے ساتھ ٹکس وصول کرنے کا انتظام کریں تو اور بھی زیادہ دشواری پیدا ہو جائے گی۔

اگر انفرادی حیثیت سے دیکھا جائے تو محصول آمدنی ہرگز قانون مساوات کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ رعایا کی ادائیگیس کی استطاعت پر بہت ساری باتوں کا اثر پڑتا ہے مثلاً عمر، صحت، فائداں، یہ بات کہ آمدنی مداحی ہے یا عارضی، آئینہ دہ کیے بیٹے پس انداز کرنے کی ضرورت، غرض ان تمام امور کو پیش نظر رکھ کر ہی ہم کسی شخص کی ٹھیک ٹھیک استطاعت کا پتہ لگا سکتے ہیں لیکن یہ تمام باتیں کچھ اس قسم کی ہیں کہ ان کی ٹھیک پیمائش یا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ ادائیگیس کی حقیقی استطاعت کا معیار خرچ کرنے کی قابلیت پر مشتمل ہے اور یہ ایک ایسا معیار ہے جس کا کوئی اطمینان بخش مشرک پیمانہ نہیں ہے محصول آمدنی کا تقوید خود ادا کنندہ پر ہوتا ہے عام ازیں کہ اس کی آمدنی کا ماخذ لگان ہو یا منافع ہو یا اجرت۔ کسی صورت میں وہ دوسرے پر نہیں منتقل کیا جاسکتا جو شخص جس مقدار میں یہ ٹکس ادا کرتا ہے اسی قدر اس کی توت خرید یا خرچ کرنے کی قابلیت میں تخفیف واقع ہوتی ہے۔ تو م کے دوسرے افراد پر اس کا براہ راست کوئی اثر نہیں پڑتا۔

البتہ اگر اس ٹکس کی بدولت ادا کنندہ پہلی سی محنت کرنا ترک کر دے اور اس کی آمدنی گھٹنے لگے تو دوسروں پر بھی اس ٹکس کا اثر پڑنے کا قریب ہے۔ لیکن یہ اثر اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جبکہ شرح محصول بہت زیادہ گراں ہو۔

برخلاف اس کے اگر شرح ادنیٰ ہوا، ورکس محض ایک بڑے نظام کا جز ہو تو اضافہ آمدنی میں اس کی وجہ سے کوئی قابل لحاظ رکاوٹ نہیں پیدا ہو سکتی، بالخصوص برطانیہ عظمیٰ جیسے ملک میں جہاں اس قدر کثیر اور طاقتور قومیں رعایا کو دولت کماتے پر آمادہ کر رہی ہوں۔ وقت ضرورت مداخلت بڑھانے کے لیے محصول آمدنی کی شرح میں نہایت آسانی کے ساتھ رد و بدل کر سکتے اور یہ ٹھیک ٹھیک اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس سے کس قدر آمدنی حاصل ہوگی محصول آمدنی عاید کرنے کے لیے جو مقدار شخص کی جاتی ہے اس میں مستواتر اضافہ ہونا ملک میں ترقی دولت کا نہایت ہی اچھا معیار ہے۔ گذشتہ کئی سال سے سلطنت متحدہ کے اندر یہ مقدار برابر برٹش جاری ہے حالانکہ اس اثنا میں شرح ٹکس بہت بڑھ گئی۔ فی پنی پیداوار میں جو اضافہ ہو گیا ہے اس سے اس واقعہ کا اظہار ہوتا ہے۔

برطانیہ میں محصول آمدنی کا جو نظام قائم ہے، بہت کم ممالک نے اس کی نقل کی ہے، گو اکثر وں نے الماک یا آمدنیوں پر ایک نہ ایک قسم کا تدریجی ٹکس عاید کیا ہے۔ ریاستہائے متحدہ نے خانہ جنگی کے زمانے میں محصول آمدنی کو عارضی طور پر اختیار کیا تھا۔ اور تخفیف قرضہ کی غرض سے ۱۸۷۱ء تک اس کو جاری رکھا۔ ۱۸۹۲ء میں یہ کوشش کی گئی تھی کہ اس کو بطور ایک مدامی وفاقی ٹکس کے اختیار کیا جائے چنانچہ ۸۰ پونڈ سالانہ سے اوپر کی آمدنیوں پر ۲ فی صدی شرح تجویز کی گئی۔ لیکن عدالت عالیہ نے اس کو خلاف دستور قرار دے کر مسترد کر دیا۔ فرانس میں متعدد کوششیں کی گئیں کہ ایک عام اور متزاید محصول آمدنی جاری کیا جائے، لیکن اب تک ایسی کوئی تجویز قبول نہیں کی گئی۔ البتہ فرانس میں دوسرے قسم کے کئی ایک بلاد اسطہ محصول موجود ہیں جو فی صد ایک شرح مقررہ سے عاید کیے جاتے ہیں اور ہمارے محصول آمدنی کے مشابہ سمجھے جاسکتے ہیں، مثلاً ایک ٹکس زمین سے حاصل کی ہوئی آمدنیوں پر لگایا جاتا ہے، ایک اور ٹکس جو میڈنٹ کہلاتا ہے، تجارت اور علمی پیشوں والوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ اس ٹکس کے وصول کرنے میں ہر شخص کے منافع کا جدا گانہ حساب نہیں کیا جاتا بلکہ ہر پیشے کے عام منافع کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ایک ٹکس عمارات، دروازوں اور دریچوں پر ان کی وسعت اور تعداد کے لحاظ سے لگایا جاتا ہے، کیونکہ وہ ادا کنندہ کی آمدنی کا میاں سمجھے جاتے ہیں۔

ایک اور ٹکس شخصی جائیداد پر عاید کیا جاتا ہے اس کی شکل یہ ہے کہ ان تمام آمدنیوں پر جو تسکات سے حاصل کی جاتی ہیں، ہم فی صدی محصول وصول کیا جاتا ہے لیکن سرکاری تسکات اس میں شامل نہیں ہیں۔

بلجیم، روس، پرٹگال اور ہنگری میں کوئی حقیقی محصول آمدنی نہیں ہے یورپ کی وفاق یافتہ مملکتیں (جرمنی اور سوئٹزرلینڈ) اپنے وفاقی اغراض کے لیے بالواسطہ محصولوں (کرور ٹرگری وغیرہ) سے آمدنی حاصل کرتی ہیں۔ لیکن ان کے مختلف حصے اپنے اپنے مقامی اغراض کے لیے محصولات آمدنی کا استعمال کرتے ہیں۔ اور یورپ کی دوسری مملکتوں نے بھی اپنے مالی نظام میں محصول آمدنی کو ایک نہ ایک شکل میں اختیار کیا ہے۔ لیکن برطانوی نظام کے مقابلے میں ہر جگہ کی تجویز زیادہ پیچیدہ ہے اور آبادی کا نسبت بہت بڑا حصہ ٹکس سے متاثر ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو آمدنی مستثنیٰ کی جاتی ہے وہ بالعموم ۵۰ پونڈ سے کم ہوتی ہے مثلاً پردیشیاں وہ ۵۰ پونڈ سے کم اسپین اور اٹلی میں تو ہر آمدنی خواہ اس کی مقدار کتنی ہی قلیل ہو، ادائیگی ٹکس پر مجبور ہے۔

تدریج قائم کرنے کے لیے مختلف پیچیدہ طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جن میں ذریعہ آمدنی کو پیش نظر رکھ کر یا تو شرح ٹکس میں فرق کر دیتے ہیں یا شرح ٹکس ٹوہین بتی ہے لیکن اس کے ساتھ اصل کی مختلف شکلوں اور کاروبار کے مختلف طریقوں کے لحاظ سے تقسیمی ٹکس لگائے جاتے ہیں۔ بعض اوقات تدریج قائم کرنے کی غرض سے آمدنیوں کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اور ہر شعبے کی ایک جداگانہ شرح ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے مکتسب (اجرت) اور غیر مکتسب (منافع) آمدنیوں میں بھی امتیاز کیا جاتا ہے۔ برطانوی نظام کے مقابلے میں تدریج کا پیمانہ بالعموم زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ ۱۹۰۹ء سے برطانیہ عظمیٰ میں بھی تدریج کے اصول کو بہت زیادہ وسیع کیا گیا ہے اور محصول آمدنی اور محصول موت (جائیداد) دونوں پر نہایت مکمل پیمانوں کے ذریعے سے اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

ممالک یورپ میں محصول آمدنی کے جو نظام قائم ہیں ان کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ انفرادی حیثیت سے اس ٹکس کا عمل درآمد اصول مساوات کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ اسی خیال سے نقد یہ محصول کے مختلف حالات کا لحاظ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ان کی تجاویز بہت زیادہ تفصیلی ہوتی ہیں اور

برطانوی نظام کے مقابلے میں مصارف تحصیل زیادہ اور حاصل کم ہوتا ہے۔

آسٹریلیا کی بہت سی نوآبادیات نے محصول آمدنی کو اختیار کیا ہے لیکن تدریج کے جو طریقے انھوں نے اختیار کیے ہیں، وہ ایک قسم کے نہیں ہیں۔ شہر میں بھی ایک دوسرے سے مختلف اور شہر کی آمدنیوں کی مقدار بھی جگہ جگہ جداگانہ ہے۔ البتہ جن اسباب کی بنا پر تفریق کی جاتی ہے، وہ سب نوآبادیات میں مشترک ہیں۔ بالخصوص جائداد اور ذاتی محنت کی آمدنیوں میں جو امتیاز کیا جاتا ہے وہ بہت اہم ہے۔ نیو سوٹھ ویلز میں جہاں محصول زمین اور محصول موت بھی عاید کیے جاتے ہیں محصول آمدنی کی شرح ایک ہی ہے یعنی فی پونڈ ۶ پنس، لیکن ۲۰۰ پونڈ سے کمتر آمدنیاں جو محنت کر کے حاصل کی جاتی ہیں، ادائیگیس سے مستثنیٰ ہیں۔

کناڈا میں مملکتی اغراض کے لیے کوئی محصول آمدنی نہیں ہے۔

جائداد کی وراثت پر محصول لگانے کا طریق بہت قدیم زمانے سے چلا آتا ہے۔ اور اس کی بنیاد غالباً اس مسئلے پر ہے کہ جس دولت کا کوئی مالک نہ ہو اور بے وصیت اشخاص نے جو الماک چھوڑی ہوں، حکومت وقت ان کی حقدار ہے۔ قدیم ریڈوں میں بھی، اس قسم کے محصولات مروج تھے۔ جاگیریت کے دور میں میراث پر رواج کے مطابق کچھ محصول ادا کیے جاتے تھے اور جائداد کی مالیت کے حساب سے ان کے مختلف مدارج قائم کیے جاتے تھے۔

موت کے محصول برطانیہ عظمیٰ میں قانون اسٹامپ کے ساتھ ۱۶۹۴ء میں ہالینڈ سے نقل کر کے جاری کیے گئے۔ یہ تدریج کرتی کرتی ان ٹیکسوں کا ایک جداگانہ پیچیدہ شعبہ قائم ہو گیا جس میں متعدد بے قاعدگیاں اور خلافت مساوات بائیں نمودار ہو گئیں۔ ۱۸۹۴ء میں قانون فینانش کے ذریعے سے یہ تمام خامیاں رفع کر دی گئیں اور محصول جائداد کا ایک سیدھا سادہ نظام قائم کیا گیا۔ جس زمانے میں یہ قانون منظور ہو رہا تھا، محصولات موت پانچ مختلف عنوانوں کے تحت وصول کیے جاتے تھے۔

۱) محصول ثبوت وصیت۔ یہ ٹیکس پہلی مرتبہ ۱۶۹۴ء میں صرف ذاتی جائیداد پر ۲۰ پونڈ اور اس سے زیادہ کے تمام وصیت ناموں پر ۵ شلنگ کے

حساب سے عاید کیا گیا۔ بعد ازاں اضافہ ہو کر یہ شرح ۱۰ اشلنگ قرار پائی۔ وقتاً فوقتاً اس تجویز میں رد و بدل ہوتا رہا حتیٰ کہ اس کی شکل ایک صدی بجی ٹکس کی سی ہو گئی جو ۱۰۰ پونڈ سے اوپر کی تمام رقموں پر لگایا جاتا تھا اور جس کی شرح ایک ہزار پونڈ کے بعد ۳ فی صدی تک پہنچ جاتی تھی۔

(۲) محصول وراثت۔ اس کو پٹ نے ۱۷۹۷ء میں جاری کیا تھا۔ یہ صرف ایسی جائیداد پر لگایا جاتا تھا جو ادائے دہ کو وراثت ملتی تھی نہ کہ ایسی جائیداد پر جو معاہدے کی رو سے حاصل ہوتی ہو۔ رشتہ داری کے لحاظ سے اس میں بھی مدارج قائم کیے جاتے تھے۔ (۳) محصول بانڈینی۔ اس کو گلڈ سٹون نے ۱۷۹۵ء میں جاری کیا تھا۔ یہ ٹکس جائیداد منقولہ و غیر منقولہ دونوں پر عاید کیا جاتا تھا۔ اس کی مقدار زمین کرنے میں وارث کے حصے کی مالیت کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مورث کے ساتھ جو رشتہ داری ہو اس کے مطابق اس میں کمی بیشی ہوتی تھی۔

(۴) محصول حسابی۔ یہ ایک خاص محصول تھا جس کی غایت یہ تھی کہ جو جائیداد بطور ہدیہ یا کسی اور طرح منتقل کی جائے اور اس طرح محصول ثبوت و وصیت کی ادائیگی سے بچ جائے وہ بھی ادائیگی سے مستثنیٰ نہ ہو سکے۔ ۱۸۸۱ء میں اس کو گلڈ سٹون نے انقضاء کیا تھا۔

(۵) محصول جائیداد۔ یہ ایک مزید ٹکس تھا جو بہ شرح ایک فی صدی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ دونوں پر بشرطیکہ ان کی مقدار دس ہزار پونڈ سے زائد ہو جائیداد کیا جاتا تھا۔ یہ ٹکس ۱۸۸۸ء میں جاری کیا گیا تھا۔

اس تجویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ جمع شدہ دولت پر کسی اصول متزائد کے مطابق ٹکس لگانے کی طرف کیونکر میلان بڑھتا گیا۔ ۱۷۹۳ء کے قانون فینانس کی بدولت اس اصول میں اور بھی زیادہ توسیع ہو گئی ان محصولات کے پورے نظام پر نظر ثانی کی گئی اور ان سب کے عوض صرف ایک محصول جائیداد مقرر کیا گیا جو ہر قسم کی جائیداد پر لگایا جاتا ہے عام ازیں کہ وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ، فیصل شدہ ہو یا غیر فیصل شدہ۔ اس کے بارہ مدارج بنائے گئے۔ پہلا درجہ ایک فی صدی سے شروع ہوتا تھا اور یہ شرح سو پونڈ اور پانسو پونڈ کی درمیانی رقموں کے لیے مقرر تھی بڑھتے بڑھتے یہ شرح ۱۰ فی صدی تک

پہنچ جاتی تھی جو ایک ملین پونڈ کے لیے مقرر تھی۔ اس کے بعد کئی مرتبہ نظر ثانی کی گئی جس کی بدولت ان محصولوں میں بہت اضافہ ہو گیا۔ ۱۷۱۴ء میں جو بیجانہ قائم تھا، اس کے مطابق پانچ ہزار پونڈ پر ۳۴ فی صدی ٹیکس لگایا جاتا تھا، دس ہزار پونڈ پر ۴۰ فی صدی، بیس ہزار پونڈ پر ۶۰ فی صدی اور اس طرح بڑھتے بڑھتے ایک ملین پونڈ پر ۲۰ فی صدی ٹیکس پہنچ جاتا تھا۔ ۱۷۱۴ء میں اس ٹیکس سے ۵۹۰۰۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔

محصولِ جائیداد معین کرنے میں ادا کنندہ کی مجموعی جائیداد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اور اس میں بسا اوقات متعدد حدیں اور مختلف قسم کی جائیدادیں شامل ہوتی ہیں۔ اس طرح وقت و حد میں تمام ذرائع کی مجموعی مالیت کا پتہ لگانا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ محصول ادا ہو سکے۔ لیکن اس طرز عمل میں بہت سی مشکلات رونما ہوتی ہیں اور مساوات قائم رکھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ محصولِ جائیداد کا ایک حصہ مقامی حکومتوں کو ادا کیا جاتا ہے جو زیادہ تر اخلاعات اور شہروں کی انتظامی مجلسوں کے درمیان مقامی اثرات جاننے کے لیے تقسیم ہو جاتا ہے۔

وراثت اور جانشینی پر ایک مزید محصول لگایا جاتا ہے جو رشتہ داری کے مطابق کم و بیش ہوتا ہے۔ اولاد یا والدین ایک فی صدی ادا کرتے ہیں۔ بھائی بہنیں اور ان کی اولاد ۱۰ فی صدی، دوسرے رشتہ دار ۵ یا ۶ فی صدی اور غیر رشتہ دار ۱۰ فی صدی۔ اگر کسی نے محصولِ جائیداد ادا کیا ہو تو اس کو مذکورہ بالا ایک فی صدی محصول ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔

محصولِ جائیداد کا بار ان املاک پر پڑتا ہے جو کسی شخص کے مرنے پر اس کے ورثاء کے ہاتھوں میں منتقل ہوتے ہیں۔ لہذا وہ ایک بلا واسطہ ٹیکس ہے جو خاص کر املاک حاصل کرنے والے پر عائد ہوتا ہے اور دوسروں پر منتقل نہیں کیا جاسکتا، البتہ بالواسطہ طور پر تقسیم بلکہ شاید پیدایش دولت پر بھی اس کا ضرور کچھ اثر پڑتا ہے۔ ایک تو یہ کہ محصولِ جائیداد کی بدولت اصل پر ٹیکس لگا کر آمدنی حاصل کی جاتی ہے۔

۱۷۔ یہ اینڈراٹھکستان میں محصول ثبوت وصیت کی آمدنی کا ۸۰ فیصد تھا۔ اس شخصِ جائیداد سے؟ محصولِ جائیداد وصول کیا جاتا ہے اس میں سے ایک ہند رقم ادا کر دی جاتی ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۸۰)۔

اگر یہ محصول منسوخ کر دیا جاتا تو یہی آمدنی دوسرے ذرائع مثلاً آمدنی یا اشیا کے محصولات سے فراہم کرنا پڑتی۔ دوسرے ممکن ہے کہ اس کی بدولت رعایا کے ایک نہایت پسند آؤر طبقے کے سامنے محنت و جانفشانی کے لیے کوئی ترغیب نہ رہے اور وہ پہلے کی طرح محنت اور اجتماع دولت کی کوشش کرنا ترک کر دے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ شرح سود میں تخفیف واقع ہونے سے لوگوں میں کفایت شمار کی عادت کم ہو جاتی ہے اور اجتماع اصل کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ممکن ہے کہ جائداد کسی کاروبار میں لگی ہوئی ہو، ایسی صورت میں صاحب جائداد کے مرنے پر ادائیگی کے لیے اگر کاروبار سے یہ جائداد واپس لے لی جائے تو ممکن ہے کہ اس پر برا اثر پڑے اور اس طرح پیدائش دولت میں رکاوٹ پیدا ہو۔ مزید برآں جن خاندانوں کی جائداد تھوڑی ہو، ان پر اس محصول کا اثر نہایت گراں اور تکلیف دہ ہوتا ہے اور وہ بھی خاص کر ایسے وقت پر جبکہ ان کے اخراجات لازمی طور پر بڑھ جاتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ چھوٹی جائدادیں اس ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دی جائیں یا اگر کوئی شخص تھوڑا سا مایہ چھوڑ کر مرے تو اس پر محصول گھٹا دیا جائے۔

محصول جائداد کی کچھ نوعیت ہی ایسی ہے کہ وہ آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہیں شمار کی جاسکتی۔ تاہم یہ حیثیت مجموعی اس سے جو کچھ آمدنی حاصل ہوتی ہے اس کی مقدار میں کافی یکسانیت پائی جاتی ہے، چنانچہ اب اس ٹیکس کی آمدنی سالانہ موازنے کا ایک مستقل جز سمجھی جاتی ہے۔ عوام میں اس ٹیکس کو بہت مقبولیت حاصل ہو گئی ہے کیونکہ وہ صرف صاحب الماک طبقوں پر عائد ہوتا ہے۔ مزید برآں اس میں ان تجاویز کی بھی کچھ جھلک موجود ہے جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جمع شدہ دولت کو ضبط کر کے اس کو از سر نو تقسیم کیا جاوے۔ اگر اس ٹیکس کی شرح نامناسب طور پر بلند کر دی جائے تو اندیشہ ہے کہ وہ کہیں الماک ضبط کرنے کا ایک ذریعہ نہ بن جائے۔ دوسرے یہ کہ ایک بے الطیفانی کی حالت پیدا ہو جانے سے اجتماع دولت کے لیے لوگوں کو کوئی ترغیب نہ رہے گی۔ وہ دوران زندگی ہی میں بہ طور ہدیوں کے جائداد منتقل کرتے لگیں گے اور حیلہ جوئی کے متعدد دوسرے طریقے اختیار کرنے کی کوشش کریں گے۔

محصول آمدنی کی طرح محصولات موت بھی ٹکس کے نظام مرکب کا ایک جزو ہیں۔ وہ ایک طرح کے بلا واسطہ ٹکس ہیں جو صرف مجتمہہ دولت سے مستفید ہونے والے طبقوں پر عائد کیے جاتے ہیں۔ رعایا کے مختلف طبقوں کے درمیان مساوات ایثار قائم کرنے میں ان سے بہت کچھ مدد ملتی ہے۔ کیونکہ بالواسطہ محصولوں کا بار کم آمدنی والے مزدور و رسمی پیشہ طبقوں پر بہت زیادہ پڑتا ہے اور محصولات موت سے اس کی ایک حد تک تلافی ہو جاتی ہے۔

پروفیسر باس نیبل کی رائے ہے کہ محصول موت دراصل ایک نریم محصول آمدنی ہے جو یکمشت سر بستہ مالیت کی شکل میں وصول کیا جاتا ہے۔ اس رائے کی تائید یوں ہوتی ہے کہ آج کل اس تخفیف مالیت کے خلاف بیمہ کرانے کی عادات روز افزوں ہے جو بہ صورت دیگر جائداد پانے والے کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ موت کے محصول ٹکس متزاید کی نہایت موزوں مثالیں ہیں، گو ان میں تدریج قائم کرنے کا طریقہ لازمی طور پر بے قاعدہ ہوتا ہے۔ اور یہ بات دراصل ہے بھی بہت مشکل کہ اصول متزاید کا اطلاق ہر لحاظ سے مساوات کے مطابق ہو خواہ نقدی ٹکس کے نقطہ نظر سے یا بحیثیت نظام مرکب کا ایک جزو ہونے کے مندرجہ ذیل اعداد (۱۹۱۳ - ۱۹۱۴) سے مختلف محصولات موت کی اضافی آمدنی واضح ہوتی ہے۔

- (۱) املاک پر محصول جائداد ۲۱۶۴۸۵۹۵ پونڈ
- (۲) محصول وراثت و جانشینی ۵۳۹۰۳۸۶ پونڈ
- (۳) محصول ثبوت محصول حسبانی ۳۷۴۹۲ پونڈ
- (۴) عارضی محصول جائداد ۲۹۵۵۳ پونڈ
- (۵) محصول شخصیت ۵۹۰۹۴ پونڈ

۲۷۱۶۵۱۲۰ پونڈ

جلہ

۷۳ مذکورہ بالا آمدنی میں سے ۳۰۱۳۳۳۲ پونڈ حسابات محصولات مقامی میں ادا کر دیے گئے تاکہ مقامی حکومتوں کو اپنے اخراجات چلانے میں مدد مل سکے۔ محصول مکان مسکو نہ ایک شاہی ٹکس ہے جو مکانات میں رہنے والوں سے

وصول کیا جاتا ہے اور جس سے سالانہ تقریباً دو ملین پونڈ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ یہ گویا قدیم محصل آتشدان و روشندان کا جدید نمائندہ ہے محصل آتشدان گو دور جاگیریت میں بھی موجود تھا لیکن قانونی نقطہ نظر سے وہ اس وقت ایک قانونی گس شمار ہونے لگا جبکہ ۱۹۶۳ء میں چارٹرس تانی کے لیے پارلیمنٹ نے اسے بعض دوسرے گس اور جاگیری حقوق کے معاوضے میں منظور کیا۔ ۱۹۸۸ء میں وہ منسوخ کر دیا گیا لیکن ۱۹۹۶ء میں اس کی جگہ ایک اور گس جاری کیا گیا جو دریچوں پر لگایا جاتا تھا، اور جو ۱۹۸۸ء تک برابر قائم رہا۔ ان دونوں گسوں کا انحصار اس مقررہ پر تھا کہ مکان کی وسعت صاحب مکان کی استطاعت کا موزوں معیار ہے۔ اور مکان کی وسعت کا اندازہ اس کے آتشدانوں اور دریچوں کی تعداد سے ہوتا ہے۔ یہ گس اس لیے قابل اعتراض سمجھے جاتے تھے کہ ان کی بدولت انسانی زندگی کی اس قدر مفید چیزوں میں کمی واقع ہوتی تھی۔ روشنی اور گرمی جیسی مباححتاج زندگی کی ضروریات پر ان گسوں کا بار عائد ہوتا تھا، اور ان کی حد بندیاں رعسایا کی صحت کے لیے مضر تھیں۔

محصل مکان مسکو نہ پہلی مرتبہ ۱۹۷۸ء میں اختیار کیا گیا۔ ۱۹۸۳ء میں وہ منسوخ کر دیا گیا لیکن ۱۹۸۸ء میں محصل روشندان کی تسخیر کے بعد وہ پھر جاری کر دیا گیا۔ آج کل یہ محصل تمام مکانات اور کاروباری عمارات و زمینات پر لگایا جاتا ہے بشرطیکہ ان کا کرایہ ۲۰ پونڈ یا اس سے زائد ہو۔ کاروباری عمارات و زمینات، رجسٹرڈ شدہ مکانات مسکو نہ اور زراعتی مکانات پر یہ گس ادنیٰ شرح سے لگایا جاتا ہے۔ اصول متزاید کے مطابق اس گس میں کمی بیشی کی جاتی ہے۔

کرایہ ۲۰ پونڈ سے کم اور ۴۰ پونڈ سے زائد نہیں	۴۰ پونڈ سے زائد	۶۰ پونڈ سے زائد
۳ پنس	۶ پنس	۹ پنس
۲ پنس	۳ پنس	۶ پنس

مکانات مسکوئی
 شراب خانے، زراعتی مکانات
 اور کاروباری عمارات و زمینات

۷۴

آل اور دوسرے معاشیین کی یہ رائے ہے کہ مکان کا کرایہ صاحب مکان کی آمدنی کی ایک بدیہ صورت ہے۔ مزید برآں اس آمدنی کی مقدار جلد جلد نہیں بدلتی بلکہ زمانہ و راز تک ایک ہی سطح پر قائم رہتی ہے۔ لہذا گنس لگانے کے لیے یہ ایک اچھا معیار ہو سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مقامی نمس کے لیے کرایہ مکان غالباً بہترین معیار ہے، کیونکہ مقامی حکومتیں جس قدر سرمایہ اپنے اپنے علاقوں کی اصلاح و ترقی کے لیے صرف کرتی ہیں، اس سے مقامی باشندے ایک حد تک اپنے اپنے مکانات کی نوعیت کے مطابق کم و بیش مستفید ہوتے ہیں۔ لیکن جہاں تک توپنی نمکسوں کا تعلق ہے یہ ضروری نہیں کہ کرایہ مکان ادا کنندہ کی آمدنی یا استطاعت کا کوئی صحیح معیار رہو۔ مکانات کے انتخاب میں بہت سی باتیں پیش نظر ہوتی ہیں۔ مثلاً صحت کا خیال، خاندان کی وسعت، ذریعہ معاش کی نوعیت اور ادا کنندہ کی حیثیت بعض پیشے اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جو لوگ ان میں مشغول ہو کر روزی کماتے ہیں، انہیں ہمیشہ عوام الناس کی نظروں کے سامنے رہنا پڑتا ہے جیسے کہ ڈاکٹروں اور طبیبوں کی حالت ہے۔ ان لوگوں کی آمدنی کا جو حصہ کرایہ مکان پر صرف ہوتا ہے، وہ بہ مقابلہ دوسرے طبقوں کے نسبت بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان آخر الذکر طبقوں کے ذرائع معاش پر اس قسم کی اتفاقی باتوں کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

محمول مکان کی ایک اور خامی یہ ہے کہ اس میں مطلق یہ امتیاز نہیں کیا جاتا کہ ادا کنندہ کی آمدنی اور کرایہ مکان ان دونوں کا باہمی تناسب جگہ جگہ بدلتا رہتا ہے۔ دیہات سے زیادہ قصبات اور قصبات سے زیادہ بڑے شہروں میں کرایہ مکان کا خرچ آمدنی کے تناسب سے بڑھتا جاتا ہے۔ بہت سے جز معاش لوگ اپنے پیشوں کی خاطر اس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ شہروں اور قصبوں میں آکر بس جائیں اور چار و ناچار مکانات کے اعلیٰ کرایہ کا بار برداشت کریں۔ برخلاف اس کے بہت سے دولتمند اشخاص دیہات کی پاک و صاف آب و ہوا سے مستفید ہونے کے لیے بڑے بڑے وسیع مکانات ادنیٰ کرایہ پر حاصل کر لیتے ہیں۔ ایسی صورت میں محض کرایہ مکان کو پیش نظر رکھ کر اول الذکر طبقے سے زیادہ اور آخر الذکر طبقے سے کم مقدار میں محمول مکان وصول کرنا ہرگز قرین انصاف نہیں ہو سکتا بہت ممکن ہے کہ

ایک دولت مند آجر شہر سے کئی میل کے فاصلے پر ایک اعلیٰ درجے کی وسیع کوٹھی نہایت ہی
 قلیل کرایہ پر حاصل کر لے اور اسی کا ایک محوریانہ درجہ جو کارخانے کے قریب جو زمین
 شہر کے اندر رہنے پر محبوب ہے، اس سے زیادہ کرایہ دے کر ایک ادنیٰ قسم کے
 مکان میں زندگی بسر کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں دولت مند آجر سے کم اور
 غریب محوریانہ درجہ سے زیادہ محصول طلب کرنا کس حد تک اصول مساوات کے
 مطابق ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۲۰ پونڈ اور اس سے کم کرایہ والے مکانات کو
 ادنیٰ ٹیکس سے جو مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے، عام ازیں کہ وہ مکانات دیہات میں
 واقع ہوں یا شہر میں، اس سے مختلف آمدنی والے طبقے غیر مساوی طور پر
 متاثر ہوتے ہیں۔ مزید براں دیہات میں بسا اوقات بڑے بڑے محل
 تعمیر ہوتے ہیں اور ان کے مالک نہایت دولت مند اور بڑی بڑی آمدنی والے
 ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں جائیداد کی مالیت یا مالک جائیداد کی
 آمدنی کے تناسب سے محصول مکان نہیں شخص کیا جاسکتا۔ علاوہ اس کے
 محصول کا اثر انسانی زندگی کی ایک درجہ اول کی احتیاج پر پڑتا ہے اور
 خاص کر شہر میں بسنے والے جزو معاش تعلیم یافتہ طبقوں پر بہت زیادہ
 گراں ہوتا ہے۔ یہ لوگ یا تو کسب معاش کی خاطر اپنے آپ کو اس بات پر
 مجبور پاتے ہیں کہ اپنی قلیل آمدنی کا نسبتاً زیادہ حصہ مکان کی احتیاج
 رفع کرنے میں صرف کر دیں یا بوجہ تسلیم یافتہ ہونے کے وہ اپنے اور
 اپنے خاندان والوں کے لیے صحت بخش مکانات کی اہمیت کو محسوس کرتے
 اور زیادہ مسارف برداشت کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ قوم کے لیے
 یہ بات بہ حیثیت مجموعی نہایت مفید ہے کہ لوگ حصول آمدنی کی وجہ سے
 اپنا سرمایہ اچھے اچھے مکانات بنوانے میں صرف کریں، لیکن اس محصول کی
 بدولت لوگوں کو اس طرف ترغیب نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح یہ بات بھی
 بہ حیثیت مجموعی بہت مناسب ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اچھے اور
 صاف ستھرے مکانات میں زندگی بسر کریں، لیکن اس ٹیکس کا علاوہ اثر ہے کہ
 جس قدر کوئی شخص اعلیٰ کرایہ کے مکان میں رہتا ہے اسی قدر اس کو

محمول مکان کی شکل میں زیادہ جہاز ادا کرنا پڑتا ہے۔

حسابات فینانس ۱۹۱۴ء

محمول زمین ۶۹ پونڈ
محمول آمدنی چھینی حاصل۔

جدول (۱)۔۔۔ اراضی، مکانات وغیرہ ... ۱۰۳۰ پونڈ
ر (ب)۔۔۔ استعمال اراضی، مکانات وغیرہ ... ۲۱۳ پونڈ
ر (ج)۔۔۔ سالیانہ، مقسوم وغیرہ ... ۲۸۶ پونڈ
ر (د)۔۔۔ علی پیشہ، تجارت وغیرہ ... ۲۷۹۴ پونڈ
ر (۵)۔۔۔ خدمات سرکاری وغیرہ ... ۳۲۳ پونڈ
زائد ٹیکس ۳۳۳۹ پونڈ
۴۴۱۰ پونڈ

۱۹۱۴ء سے "مکتب" اور غیر "مکتب" آمدنی میں تفریق کی جاتی ہے۔ اول الذکر قسم کی آمدنی پر بشرطیکہ وہ تین ہزار پونڈ سے زائد نہ ہو، شرح محمول ادائیگی ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ مقدار کی آمدنیوں پر عام ازیں کہ وہ مکتب ہوں یا غیر مکتب، اعلیٰ شرح سے ٹیکس لگایا جاتا ہے۔

پانچویں فصل

بالواسطہ ٹکس لگانا۔ اشیاء اور اعمال کے محصول

اکثر ممالک میں اشیاء (قابل صرف دولت) پر محصول لگا کر کثیر آمدنی حاصل کی جاتی ہے۔ خام پیداوار کی حالت سے قابل استعمال حالت تک پہنچنے میں جو مختلف مدارج طے کرتے پڑتے ہیں، ان میں سے کسی نہ کسی درجے پر یہ محصول عائد کر دیے جاتے ہیں۔

موجودہ زمانے میں بالواسطہ محصول لگانے کے مختلف طریقے ہیں:-

(۱) ایک تویہ کہ براہ راست کسی چیز کی ملکیت یا استعمال پر ٹکس لگا دیا جاتا ہے جیسے کہ گاڑیوں اور بندہ و تلوں کے محصول۔ (۲) دوسرے یہ کہ چیز کی پیدائش کے وقت ٹکس لگایا جاتا ہے جیسے کہ شراب پر محصول چنگی۔ (۳) تیسرے یہ کہ سرحدی مقامات پر چیزوں کی درآمد و برآمد پر ٹکس لگائے جاتے ہیں جیسے کہ کروڑ گیری کے محصول۔ (۴) چوتھے یہ کہ چیز کی تیاری اور تجارت سرکاری اجارے کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ جیسے کہ فرانس اور جاپان میں تباکو اور ہندوستان میں فیوین قدیم زمانے کے محاصل راہ داری اور مسلسل بازارات بھی، جو چیزوں کی خرید و فروخت یا ان کے نقل و حمل کے وقت وصول کیے جاتے ہیں، انھی کے ساتھ شامل کیے جاسکتے ہیں۔ صرف دولت کے ٹکس اپنے ابتدائی زمانے میں زیادہ تر بلاواسطہ ہوتے تھے اور جو لوگ دولت منقولہ پر قابض ہوتے تھے، ان سے وہ بلاواسطہ وصول کر لیے جاتے تھے کیونکہ وہی ان کی استطاعت کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ بعض اوقات استعمال و اظہار دولت کے موقعوں پر بھی یہ ٹکس لگائے

جاتے تھے لیکن اور بعض اوقات اُن سے فضول خرچی کو روکنے کا کام لیا جاتا تھا۔

موجودہ زمانے کی ترقی کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ پیدایش دولت کے طریقے بہت پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ اور صرف دولت پر براہ راست ٹیکس لگانا بہت دشوار ہے۔ لہذا یہ مقصد اس طور پر حاصل کیا جاتا ہے کہ استعمال کی چیزوں پر محصول لگائے جاتے ہیں جو بالعموم صرف کرنے والوں پر منتقل ہو جاتے ہیں۔

چند بلا واسطہ ٹیکس جو صرف دولت پر لگائے جاتے تھے، مثلاً گاڑیوں، کتوں، بندوتوں، مرد ملازمین اور زرہ بکتر پر امتیازی نشانات استعمال کرنے کے محصول، آج کل یہ سب لیسنس کی شکل میں ادا کیے جاتے ہیں ممکن ہے کہ ان میں سے بعض کا اثر بالواسطہ ان صنعتوں پر پڑے جو ٹیکس ادا کرنے والی چیزوں کی تیاری سے متعلق ہوں، مثلاً گاڑیوں کا ٹیکس۔ اگر اس قسم کے ٹیکس زیادہ مقدار میں لگائے جائیں تو ان کی متعلقہ صنعتوں میں کام کرنے والے کم ہو جائیں گے۔ استعمال دولت پر براہ راست جو ٹیکس لگائے جاتے ہیں، وہ زیادہ تر محصولات تعیش کی یادگار ہیں اور ان سے خزانہ سرکاری کو نسبت بہت کم آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ دراصل یہ ٹیکس دور قدیم کے لیے زیادہ موزوں تھے جبکہ ہر چیز نہایت سادہ تھی، صنعتیں بہت سستو سی تھیں اور جدید ذرائع آمدنی میسر نہیں تھے۔

راہداری اور بازاریات کے محصولوں کا آغاز نہایت قدیم زمانے میں ہوا ہے۔ ان کے معاوضے میں ادا کنندہ کو یہ حق عطا کیا جاتا تھا کہ خاص خاص مقامات میں تجارت کرے، سرکاری سڑکیں استعمال کرے اور ایسے مقامات سے مستفید ہو جو اس کا سامان فروخت کرنے کے لیے باعث سہولت ہوں۔ بالآخر یہ ٹیکس چیزوں کی قیمتوں میں شامل ہو جاتے تھے۔ اسی طرح لیسنس کے ذریعے سے خاص خاص صنعتیں جاری کرنے یا خاص خاص چیزیں (شراب، تمباکو وغیرہ) فروخت کرنے کا حق عطا کیا جاتا ہے۔ یہ لیسنس بھی اپنے اثرات اور عام فائدے میں ان ٹیکسوں کے

۱۷۹۷ء میں پٹ نے گھڑیوں پر ٹیکس لگانا شروع کیا جس کی وجہ سے یہ صنعت تقریباً برباد ہو گئی۔ اور اس بنا پر دوسرے سال وہ منسوخ کر دیا گیا۔

مشابہ ہیں جو خود چیزوں پر لگائے جاتے ہیں۔ وہ بھی اشیائے متعلقہ کے بنانے والوں اور ان کی تجارت کرنے والوں کی تعداد کو محدود کر دیتے ہیں۔ ان کی خاص خوبی یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں، طریقہ لیسنس کی بدولت ان کا ایک جیسٹرسا تیار ہو جاتا ہے اور ان پر سرکاری نگرانی رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں تک پھیری لگانے والوں اور اسباب خانہ داری میں رکھنے والوں کا تعلق ہے اس قسم کی نگرانی بے حد ضروری ہے۔

یہ ایک نہایت صحیح رائے ہے کہ موجودہ زمانے میں محاسن لیسنس کا ۷۸ موزوں ترین استعمال یہ ہے کہ ان سے مقامی ٹیکسوں میں مدد ملی جائے۔ اس غرض کے لیے مرکزی حکومت پہلے سے ایک کثیر رقم ادا کرتی ہے کتنی اور کس کس قسم کی چیزوں پر کس کس شرح سے محصول وصول کیا جائے، ان باتوں کی نگرانی کا انتظام کر کے مرکزی حکومت کو چاہیے کہ اس قسم کے ٹیکس تمام و کمال مقامی اغراض کے لیے وقف کر دے۔

خاندان ٹیوڈر اور اسٹوارٹ کے بادشاہ اجاروں اور اسناد کی شکل میں خاص خاص لوگوں کو حقوق عطا کر دیتے تھے۔ یہ ایک طرح کے محاصل ٹیکے تھے جو زیادہ تر خود رانی پر مبنی اور غیر مستقل قسم کے ہوتے تھے جن سے خود بادشاہ کو نہایت قلیل آمدنی حاصل ہوتی تھی لیکن اجارہ داران سے خوب منافع کماتے تھے اور خریداروں پر ان کا پورا بار پڑتا تھا۔ لیکن زمانہ موجودہ میں برطانیہ کی آمدنی کا کوئی حصہ سرکاری اجاروں سے نہیں حاصل ہوتا، بجز اس کے کہ ہم ڈاک خانے کو ایک سرکاری اجارہ خیال کر لیں۔ لیکن یورپ کے بعض اور ممالک میں تباکو، دیاسلانی اور بعض دوسری سرکاری صنعتوں سے مستقل طور پر آمدنی حاصل کی جاتی ہے۔

اشیاء بمحمول لگانے کے جو طریقے اس زمانے میں رائج ہیں وہ بھی جنگی اور کروڑ گیری کے ٹیکس ہیں۔ معاشی نقطہ نظر سے ان دونوں کا عام نتیجہ ایک ہی ہے یعنی ان کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

محمولات کو کروڑ گیری کے ذریعے ٹیکس وصول کرنے کا طریقہ بہت قدیم زمانے سے چلا آتا ہے۔ تجارت جب کسی ملک میں داخل ہوتے تھے تو داخلے کی

اجازت حاصل کرنے کے لیے کسی نہ کسی سرکاری مقام پر انھیں محمول راہداری ادا کرنا پڑتا تھا جس کے معاوضے میں تاجر کو یہ حق حاصل ہو جاتا تھا کہ اس علاقے میں تجارت کرے، وہاں کی سڑکیں استعمال کرے اور حفاظت کے ساتھ اس کے مختلف حصوں میں گشت لگائے۔ فرض یہ کیا جاتا تھا کہ اس ٹکس کا بار تاجر ہی پر پڑتا ہے حالانکہ دراصل وہ اپنے مال کے خریداروں سے بذریعہ قیمت اس ٹکس کی کسر نکال لیتا تھا۔ انگلستان میں بھی بہت قدیم زمانے سے راہداریوں یا بندرگاہی محصولات کا وجود پایا جاتا ہے۔ درآمد و برآمد دونوں قسم کے مال پر یہ محصول لگائے جاتے تھے اور سرکاری آمدنی کا بہت مستقل ذریعہ سمجھے جاتے تھے۔ ابتدا میں یہ محصول بہ شکل جنس ادا کیے جاتے تھے، مثلاً اگر شراب کے دس پیسے داخل ہو رہے ہوں تو ان میں سے ایک بہ طور محمول کے دے دیا جاتا تھا۔ بعد ازاں وہ باقی ماندہ طور پر زر کی شکل میں ادا ہونے لگے۔

پاریسیج ایک قسم کا محصول تھا جو شراب کی درآمد پر لگایا جاتا تھا اور شاہ انگلستان رچرڈ اول کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا۔ جان بھی اون، نمک اور مچھلی کی درآمد اور اون اور چمڑے کی برآمد پر مقررہ شرحوں سے محصول وصول کرتا تھا۔

تجارتی مال پر جو محاصل راہداری لیے جاتے تھے، وہ قدیم کروڑ گیری کے نام سے موسوم کیے جاتے تھے۔ اڈورڈ اول اور اڈورڈ ثالث کے زمانے میں جو لڑائیاں ہوئیں ان کی وجہ سے مذکورہ بالا راہداریوں کے ساتھ چند اور ٹکس شامل کرنے پڑے۔ چنانچہ ۱۲۳۷ء کے قانون اسٹیبل کے مطابق اس قسم کی مندرجہ ذیل مدوں سے مدامی طور پر شاہی آمدنی حاصل کی جاسکتی تھی:-

(۱) قدیم کروڑ گیری کے محصول جو اون اور چمڑے پر لگائے جاتے تھے۔ (۲) بدید کروڑ گیری کے محصول جو غیر ملکی تاجروں سے وصول کیے جاتے تھے۔ (۳) پاریسیج جو شراب کی درآمد پر ملکی تجارت سے لیا جاتا تھا یا "ٹینیج" جو باہر سے شراب بھیجنے والوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ (۴) پونڈیج جو اشیائے درآمد و برآمد پر لگایا جاتا تھا۔ (۵) ٹکس روزانہ ۲۰ پونڈ کے حساب سے چنگی کے محاصل کا ٹھیکہ دے دیا گیا اور اس سے

۱۹۲۶ء پونڈ آمدنی حاصل ہوئی۔ ۱۹۳۱ء میں ان محاصل کا تخمینہ ۳۰ ہزار پونڈ تک کیا گیا۔ جیسے اول کی تحت نشینی کے وقت ان کی مقدار ایک لاکھ ستائیس ہزار پونڈ تھی۔ ۱۹۵۶ء تک وہ پانچ لاکھ پونڈ تک بڑھ گئی اور ۱۹۸۱ء میں تو وہ ایک ملین پونڈ تک پہنچ گئی۔ ۱۹۷۱ء میں پہلی مرتبہ ایک مجلس کشنران کا تقرر عمل میں آیا تاکہ محال کروڑگری کا انتظام کرے۔

جب طریق تجارت کا دور دورہ ہوا تو اس کے زیر اثر محصولات درآمد بڑھا دیے گئے اور ملکی مصنوعات کی برآمد کو ابھارنے کی کوشش کی گئی۔ مقصد دراصل یہ تھا کہ توازن تجارت ملک کے موافق ہو یعنی ملکی مصنوعات بیرونی مقامات میں خوب جا کر کہیں اور وہاں سے اس کے معاوضے میں چاندی، سونا لاند کر ملک کے اندر پہنچتا جائے۔ اس طریقے نے رفتہ رفتہ ایک خاص مسلک کی شکل اختیار کر لی یعنی ملکی پیداوار کو محفوظ رکھنے اور اس کی پرورش کرنے کے لیے محصولات درآمد سے کام لیا جائے۔ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف ممالک کے درمیان انتقام کے جذبات بھڑک اٹھے اور آپس میں مالی جنگ و جدال برپا ہو گئی۔ اس کی وجہ سے تائین کے طریقے کو مزید تقویت حاصل ہوئی اور یہ خیال زور پکڑا گیا کہ جب الوطنی کا تقاضہ یہ ہے کہ طریق تائین کی حمایت کی جائے محصولات کروڑگری اب محض ایک ذریعہ آمدنی نہیں رہے بلکہ مالک غیر کی تجارت پر حملہ کرنے کا آلہ خیال کیے جانے لگے۔ غرض ۱۹۴۷ء تک انگلستان میں یہ اصول بہت زیادہ غالب رہا لیکن اس سال قوانین غلہ کی منسوخ عمل میں آئی جو نتیجہ تھی اس ہل چل کا جو ایک زمانے سے تجارت آزاد کی حمایت میں جاری تھی۔ اسی اثناء میں محال کروڑگری کا انتظام کرنے اور چوری کو روکنے کے لیے جس وسیع پیمانے پر انتظامات کیے گئے تھے ان کی وجہ سے ان محاصل کی خالص آمدنی بہت کچھ گھٹ گئی تھی محصول کروڑگری کا اصلی نصب العین اب لوگوں کی نظروں سے غائب ہو چکا تھا اور اس کی جگہ یہ غلام خیال دماغوں میں جا گزیں ہو گیا تھا کہ جب الوطنی کے لیے بیرونی تجارت کو ضرب لگانا ملکی صنعت کی اعانت کرنا اور بیرونی حربوں سے انتقام لینا نہایت ضروری ہے۔ ۱۹۷۱ء میں پٹ نے کروڑگری اور جنگی کے پیچیدہ نظام کی

اصلاح شروع کی۔ وہ چاہتا تھا کہ ان ٹکسوں کو وصول کرنے کے طریقے نہایت سادہ ہوں اور خود ٹکسوں کی مقدار میں تخفیف ہو۔ لیکن اسی اشنا میں جو فرائض کے ساتھ جنگ چمڑ گئی تو یہ محصول دوبارہ عائد کیے گئے اور ان میں خوب اضافہ کیا گیا۔ تمام قابل استعمال چیزوں — خام پیداواروں، اجناس، مصنوعات پر اعلیٰ شرح سے سود عائد کیے گئے۔ حتیٰ کہ اختتام جنگ کے وقت تقریباً بارہ سو مختلف چیزوں پر ٹکس لگائے جاتے تھے جن میں سے اکثر تعداد ایسی چیزوں کی تھی جن سے کوئی آمدنی حاصل نہیں ہوتی تھی۔ ۱۸۱۰ء میں محصولات درآمد سے ۸۰۴۳۳۸ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔ ۱۸۱۱ء میں جب صلح ہوئی تو محصول آمدنی منسوخ کر دیا گیا۔ لیکن صرف اشیاء پر جو محصول لگائے جاتے تھے وہ برقرار رکھے گئے۔ اور بیرونی غلے پر محصول لگا کر اصول تائین کو از سر نو تسلیم کیا گیا۔ یہ محصول کچھ اس طرح مرتب کیا گیا تھا کہ جب تک ملکی پیداوار کی قیمتیں فی کوآرٹر ۸۰ شلنگ تک نہ پہنچ جائیں اس وقت تک بیرونی غلہ برطانیہ عظمیٰ میں داخل نہ ہو سکے۔

۱۸۲۰ء میں لندن کے تاجروں کی طرف سے آزاد تجارت کی حمایت میں ایک محضر پیش کیا گیا اور یہی پہلا زینہ تھا جہاں سے اصلاح کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ ۱۸۲۳ء اور ۱۸۲۴ء کے درمیان بورڈ آف ٹریڈ کے صدر نشین ہکسن نے بہت سے محصول کم کر دیے۔ قانون کردگی میں سادگی پیدا کی اور غلے کے محصول میں رد و بدل کر کے قیمت کی حد کو ۳۰ شلنگ تک گھٹا دیا۔ لیکن اسی اشنا میں ایک مانی بحران نمودار ہوا جو افراطِ تمہین کا نتیجہ تھا۔ اس کی بدولت اس تحریک میں رکاوٹ پیدا ہو گئی اور مانی اصلاح کا کام چند سال کے لیے ملتوی ہو گیا۔

۱۸۳۱ء میں سر رابرٹ پیل نے اس کام کو دوبارہ شروع کیا۔ اس وقت ان محصولات کی فہرست میں ۵۰ چیزیں شامل تھیں جن کی اکثر تعداد غیر پیداوار تھی حتیٰ کہ بعض محصولوں سے بدوہدہ ان کی انتہائی نوعیت کے مطلق کوئی آمدنی نہ تھی، لگتی تھی۔ پیل نہایت اصرار کے ساتھ اس نسب العین پر جمار ہا کہ ٹکس کے طریقوں میں سادگی پیدا کی جائے اور ٹکس وصول کرنے کے مصارف میں تخفیف ہو۔ اس نے انتہائی محصول قطعاً موقوف کر دیے۔ پیداوار خام اور نامکمل مصنوعات کے

محصولوں میں زبردست تخفیف کردی اور مصنوعات کے محصول بھی نسبتہ گھٹا دیے۔ ان اصلاحات کے دوران میں آمدنی میں جو کمی واقع ہوئی تھی اس کی تکمیل کے لیے اس نے محصول آمدنی جاری کر دیا۔

اگرچہ پہلے نے زراعت کو ایک اہم قومی صنعت خیال کر کے غلے کے محصول کو برقرار رکھا تاہم اس نے جو مسلسل اختیار کیا تھا اس کا رجحان بدیہی اور مستقل طور پر آزاد تجارت کی طرف تھا چنانچہ جب ۱۸۴۷ء میں آئرستان میں قحط واقع ہوا تو اس نے مکمل طور پر تجارت آزاد کے اصول پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ ۱۸۶۶ء میں غلے کے قانون منسوخ کر دیے گئے، بجز ایک محصول رجسٹریشن کے جو غلے پر لگایا جاتا تھا اور جو ۱۸۶۹ء تک برقرار رہا۔ قوانین جہاز رانی کی ترمیم بھی منظور کی گئی اور ۱۸۷۹ء میں اس پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا۔

بعد ازاں مسٹر کلید سلٹون نے اصلاحی فلسفے کا کام جاری رکھا اور اپنے دور حکومت میں آزاد تجارت کے اصول کو مکمل طور پر قائم کر دیا۔ اس نے بہت سے تکلیف دہ محصولات جنگی بھی موقوف کر دیے جن میں وہ محصول بھی شامل تھے جو تمبر کے مال دسامان (۱۸۵۸ء) اور مابون (۱۸۵۳ء) پر لگائے جاتے تھے۔ اشتہارات پر جو خاص محصول لگائے جاتے تھے، وہ ۱۸۵۸ء میں اخبارات کے محصول ۱۸۵۵ء میں اور کاغذ کا محصول ۱۸۶۱ء میں موقوف کیے گئے۔ لیکن اور بیہ کو ۱۸۶۰ء میں بجات حاصل ہوئی، چائے کا محصول ۱۸۶۵ء میں ایک شلنگ سے گھٹ کر ۶ پینس ہو گیا۔ اور ۱۸۶۲ء میں Hops بھی اجسرائی محصول سے آزاد کر دیے گئے۔ ۱۸۷۳ء میں شکر کا محصول منسوخ کر دیا گیا اور ۱۸۸۰ء میں Malt کا محصول بیر کے محصول کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا۔

غرض حیثیت مجموعی انیسویں صدی کے مالی قوانین کا خاص نتیجہ یہ نکلا کہ آئندہ کے لیے برطانیہ میں محصولات درآمد و برآمد کی غایت محض حصول آمدنی قرار پائی۔ چنانچہ اب کرڈ گیری کے جس قدر محصول موجود ہیں، وہ سب غیر تائینی ہیں اور مختلف قسم کی صرف تقریباً ایک درجن چیزوں پر لگائے جاتے ہیں جو زیادہ تر تعینات میں شامل ہوتی ہیں۔ ٹیکس وصول کرنے میں اصول کفایت کا لحاظ

برکھا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بہت پیداوار ثابت ہوتے ہیں۔ ^{۱۹۱۱ء} میں کروڑ گیری سے جو آمدنی حاصل ہوئی ہے، اگر ہم اس کے اعداد پر نظر ڈالیں تو ان نتائج کا بہ آسانی پتہ چل سکتا ہے۔ سب سے زیادہ آمدنی (۱۸۲۸۹۶۰ پونڈ) تنباکو سے حاصل ہوئی ہے۔ شراب، روح شراب اور بیر سے ۵۹۰۱۴ پونڈ چائے سے ۶۹۰۷۵ پونڈ، شکر سے ۳۲۷۸۵۴۴ پونڈ، کافی، کوکو کشش، منقہ، انجیر وغیرہ سے ۱۰۷۵۹۹۸ پونڈ، چند اور مدوں سے ۳۰۰۰۰ پونڈ، اس طرح جملہ ۳۵۶۲۸۸۹۰ پونڈ آمدنی کروڑ گیری سے حاصل ہوئی۔ چونکہ یہ محصول معمولی استعمال کی چیزوں پر، جو اکثر و بیشتر ضروریات زندگی سے بالاتر ہوتی ہیں، لگائے جاتے ہیں، لہذا ان سے ایک مستقل آمدنی کی توقع کی جاسکتی ہے کیونکہ اگر کسی ایک مد سے آمدنی کم ہو جاتی ہے تو بالعموم دوسری مدوں سے اس کی تکمیل ہو جاتی ہے، تاہم مجموعی آمدنی میں معمولی قسم کی کمی بیشی ضرور ہوتی ہے اور اس کے بھی وہی اسباب ہوتے ہیں جو قوم کی قوت خرید اور عام مرفہ الحالی پر اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ اس فہرست کی چند مدیں خاص طور پر قابل تشریح ہیں۔

^{۱۹۱۱ء} میں ضروریات جنگ کے زیر اثر چائے کا محصول ۴۴ پیس سے بڑھا کر ۶ پیس کر دیا گیا۔ ^{۱۹۱۱ء} سے وہ فی پونڈ ۱۱ پیس تک بڑھا دیا گیا۔ ^{۱۹۱۱ء} میں وہ فی پونڈ ۱۱ پیس تھا شکر کا محصول جو ^{۱۹۱۱ء} میں منسوخ کر دیا گیا تھا، ^{۱۹۱۱ء} میں تدریجی اصول کے مطابق دوبارہ عالم کیا گیا اور اس کی شرح فی ہنڈرڈ ویٹ ۱۴ پیس کے درمیان کم و بیش ہوتی رہتی تھی۔ بہ حالت موجودہ (یعنی ^{۱۹۱۱ء} میں) یہ حدود ۱۰ پیس فی ہنڈرڈ ویٹ ہیں۔ اور یہ کمی بیشی درجہ تقطیب کے مطابق ہوتی ہے۔ شکر خوراک کی ضروری چیزوں میں سے ہے اور جام، چٹنیاں، بیر اور جو توں کی پالش کی تباہی میں بھی وہ بہ طور عام پیداوار کے کام آتی ہے۔ جہاں تک برطانیہ عظمیٰ کا تعلق ہے اس کا سالانہ اوسط خرچ فی کس ۹۰ پونڈ (۴۵ سیر) ہے۔ پس ظاہر ہے کہ شکر کا محصول ^{۱۹۱۱ء} میں اوکرنے والوں کو حقیقی ایثار کرنا پڑتا ہے۔ ہندوستان میں محصول نمک کی حمایت میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں، وہی انگلستان میں محصول شکر کے لیے لائے جاسکتے ہیں۔ آدم آستھ بھی محصول شکر کو مناسب خیال کرتا ہے، کیونکہ

جو بچے محصول آمدنی سے مستثنیٰ ہیں ان پر نہایت کامیابی کے ساتھ اس ٹکس کے ذریعے سے اثر ڈالا جاسکتا ہے۔ ایک اور خوبی یہ ہے کہ وزن دار ہونے کی وجہ سے اس میں کسی کو جو رس کی ترغیب نہیں ہو سکتی اور چونکہ وہ ایک عام استعمال کی چیز ہے، لہذا ادنیٰ شرح لگانے پر بھی کثیر آمدنی حاصل ہوتی ہے۔

۱۸۷۸ء اور ۱۸۸۱ء کے درمیان چائے، کافی، کوکو، نیز شکر کے محصول موقوف کرنے کے لیے بہت شور مچایا گیا۔ کہا جاتا تھا کہ گویا یہ ناشتے کی میز کو آزاد کرنے کی تحریک ہے۔ اگر یہ سب بالواسطہ محصول نسوخت کر دیے جائیں تو ضروری ہو گا کہ محصول آمدنی میں توسیع کی جائے یا کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے جس کی بدولت آبادی کا کوئی طبقہ ادائی ٹکس سے بالکل مستثنیٰ نہ رہ سکے، کیونکہ ٹکس کا یہ بنیادی قانون ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہے کہ حکومت کے اخراجات کو پورا کرنے میں رعایا کا ہر فرد ضرور کچھ نہ کچھ بار برداشت کرے۔

اگر ہم اس غرض سے مسکرات پر محصول لگاتے ہیں تو جو لوگ ان چیزوں کے استعمال سے احتراز کرتے ہیں وہ ادائی ٹکس سے بچ جاتے ہیں۔ تنباکو کے محصول سے تنباکو نہ پینے والے متاثر نہیں ہوتے۔ مزید برآں ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ہم تمام بالواسطہ ٹکسوں سے قطعاً دست بردار ہو جائیں، کیونکہ ابھی عوام کے اغلاق کا معیار اس قدر بلند نہیں ہوا ہے کہ ہر شخص مساوات کو ملحوظ رکھ کر براہ راست ٹکس ادا کرے۔

(۲) ۱۹۰۲ء میں غلے کی درآمد پر دوبارہ محصول عائد کیا گیا۔ گویہ محصول

۸۲

لے۔ اس استدلال میں یہ بات فرض کر لی جاتی ہے کہ تمام شکر پر سادی طور پر محصول لگایا جاتا ہے، انسانیات کا سوال، اور سڑک کے معاہدہ شکر کے اثرات اس وقت زیر غور نہیں ہیں۔
۳۔ پروفیسر جیونس امرار کے ساتھ کہتا ہے کہ جس قدر غور و خوض اور خشکی کے ساتھ میں مسئلہ ٹکس پر مختلف پہلوؤں سے غور کرتا ہوں، اُسی قدر میں اس اصول کا حامی بنتا جاتا ہوں کہ بجز ان لوگوں کے جو فی الحقیقت ٹکس ہیں، ہر شخص کا یہ فرض ہے کہ اپنی اپنی آمدنی کے تناسب سے سرکاری اخراجات میں شریک ہو۔ اصول معاشیات "یک جز، مطبوعہ ۱۹۰۵ء۔

ایک سال بعد منسوخ کر دیا گیا تاہم اس کو اختیار کرنا بدیہی طور پر تائین کی طرف قدم بڑھانا تھا اور محمول ٹلک کی طرح اس کی حمایت میں کوئی دلائل نہیں تھے۔ البتہ ایک دلیل جو اس کی تائید میں پیش کی گئی، یہ تھی کہ اس کی بدولت ٹیکس کی بنیاد وسیع ہوتی ہے۔ لیکن جس ٹیکس کا اثر روٹی پر پڑے گا ہر سے کہ اس کا بار سب سے زیادہ غریب طبقوں پر پڑے گا کیونکہ روٹی ہی ایک ایسی چیز ہے جو سب سے زیادہ درازاں سب سے زیادہ عام اور سب سے زیادہ تقویت بخش غذا ہے۔ مزید برآں یہ بات بجائے خود معیوب ہے کہ جو چیزیں ملک کے اندر پیدا ہو سکتی ہوں باہر سے ان کی درآمد پر محمول لگایا جائے۔ کیونکہ ٹیکس تو صرف اس حصے پر ملے گا جو باہر سے آتا ہے۔ لہذا آمدنی کی مقدار بہت تنہوڑی ہوگی۔ یہ مقابل اس کے تمام غلے کی قیمتیں عام آریں کہ وہ ملک کا ہو یا بیرون ملک کا، جڑھ جائیں گی خریدار تو کل غلے پر اعلیٰ قیمت ادا کریں گے لیکن ٹیکس محض اس حصے سے وصول ہوگا جو باہر سے آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جن ٹیکسوں سے یہ نتیجہ برآمد ہو وہ قوم کے لیے بہ حیثیت مجموعی گراں ثابت ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ اس قسم کے ٹیکس ہمیشہ تائین ہو جاتے ہیں۔ وہ خاص خاص صنعتوں کو بیرونی مسابقت سے محفوظ رکھتے اور صرف انہی لوگوں کے حق میں مفید ہوتے ہیں جو براہ راست ان صنعتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ برخلاف اس کے ان کا بار تمام قوم پر پڑتا ہے۔ مزید برآں ان کی بدولت پیدائش کے جدید اور بہترین طریقے نہیں اختیار کیے جاسکتے کیونکہ صحت بخش مسابقت کے لیے وہاں کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ بلکہ جو لوگ ملک کے اندر اس خاص چیز کو تیار کرتے ہیں انہیں گویا ایک طرح کا اجارہ دے دیا جاتا ہے۔ غرض درحقیقت وہ ایک ترکیب ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خاص خاص چیزوں کی قیمتیں ایک سطح مقررہ سے نیچے نہ آئے پائیں۔ اور جہاں تک آمدنی کا تعلق ہے وہ قطعی طور پر غیر موثر اور اصول کفایت کے سراسر منافی ہیں۔

یہاں اس بات کا موقع نہیں ہے کہ طریق تائین کے دلائل کی تفصیل کے ساتھ تنقید کی جائے۔ لیکن اس قدر اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ درآمد کی چیزیں دراصل برآمد کی چیزوں سے خریدی جاتی ہیں اور اس وقت تک میسر نہیں ہو سکتیں جب تک کہ

اشیا یا خدمات کی شکل میں ان کا مساوی معاوضہ نہ دیا جائے۔ ہر ملک کا اعلیٰ ترین مفاد اس بات میں مضمر ہے کہ اس کا اہل اور اس کی محنت بہتر سے بہتر طریقے پر استعمال ہوں یعنی اُن سے اسی صنعتوں میں کام لیا جائے جو قدرتی حالات اور باشندوں کی مہارت کے لحاظ سے ملک کے لیے موزوں ترین ہوں۔ ان صنعتوں کی پیداوار کے معاوضے میں بیرونی ممالک سے وہ چیزیں خریدیں جاسکتیں ہیں جو خود ملک کے اندر اس قدر بہتر اور ارزاں نہیں تیار کی جاسکتیں۔ یہ ایک نہایت سادہ اور بدیہی اصول ہے کہ پیداوار کے طریقے جس قدر بہتر ہوں گے اُسی قدر اُن سے زیادہ دولت حاصل ہوگی۔ آزاد تجارت اسی بدیہی اصول کا دراصل ایک عملی پہلو ہے۔ اور جس قدر کوئی قوم پیداوار کے بہترین طریقے اختیار کر کے زیادہ دولت مند بنی جائے گی اُسی قدر اس کے افراد میں حکومت کو ٹیکس ادا کرنے کی استطاعت بڑھتی جائے گی۔ مزید براں جو ٹیکس فی الواقعہ تاریخی ہو گا وہ ساتھ ہی ساتھ آمدنی کا ذریعہ نہیں بن سکتا، کیونکہ یہ دونوں مقاصد ایک دوسرے کے سرسمر منافی ہیں۔ جس حد تک وہ تائین عطا کرے گا اس حد تک وہ ذریعہ آمدنی نہیں ہو سکتا اور جس حد تک وہ باعث آمدنی ہو گا اس حد تک وہ ملک کی صنعت کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔

محصولات درآمد کا بار بالعموم انہی ممالک پر پڑتا ہے جو انہیں عائد کرتے ہیں۔ البتہ صرف ایک صورت ایسی ممکن ہے جس میں باہر سے مال روانہ کرنے والا کل کا کل محصول ادا کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ صورت اسی وقت ممکن ہے جبکہ اُس چیز کی فروخت کے لیے ملک درآمد کے سوا کوئی اور بازار ہی نہ ہو اور ملک برآمد کے لیے اُس چیز کا پیدا کرنا ناگزیر ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت شاذ و نادر ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ عام طور پر کسی ملک کی صنعتیں اس قدر محدود نہیں ہوتیں اور اس کے علاوہ فروشندهوں کے سامنے چیزیں فروخت کرنے کے لیے تمام دنیا موجود ہے۔ اگر کسی خاص ملک میں اپنی پیداوار فروخت کرنا سود مند نہ ہو تو وہ اپنی جدوجہد اور اپنی اشیاء کے لیے دوسری راہیں نکال لیں گے۔ اس طرح ان کی تجارت دوسرے ممالک کی جانب منتقل ہو جائے گی۔ مزید براں جب ایک ملک دوسرے ملک کے خلاف محصول لگاتا ہے تو بے ساختہ آخر الذکر ملک بھی انتقام لینے پر تکرر بستہ ہو جاتا ہے اور اس کا نتیجہ دونوں کے حق میں مضرت رساں ثابت

ہوتا ہے۔ ہر ایک دوسرے سے محصول وصول کرنے کی غرض سے کثیر مصارف برداشت کر کے لمبے چوڑے انتظام قائم کرتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی خرابی و مفرت اور نقصان کے درپے ہو جاتے ہیں دونوں کی تجارت اور صنعت تباہ اور بدگمانی اور باہمی عداوت نمایاں ہو جاتی ہے۔

۸۶

محصولات درآمد اور محصولات جنگلی دونوں صورت دولت ہی کے عکس ہیں۔ موجودہ زمانے میں سرکاری آمدنی کا کچھ حصہ حاصل کرنے کے وہ بہت ہی آہل ذرائع ہیں اور دراصل محصول آمدنی کے سوا کسی اور غرض سے انھیں استعمال کرنا بھی نہیں چاہیے۔ ان محصولات کو مرتب کرنے میں احتیاط سے کام لینا ضروری ہے تاکہ ان میں توازن قائم رہے۔ ان کی آمدنی کافی ہو اور ان کو وصول کرنے میں بیجا مصارف لاحق نہ ہوں۔ علاوہ اس کے زندگی کی ابتدائی ضرورت پر وہ ہرگز نہ لگائے جائیں۔ اکثر ممالک میں محصولات درآمد و برآمد کی غایت محض محصول آمدنی نہیں ہوتی بلکہ دراصل دیسی صنعتوں کی حفاظت پیش نظر ہوتی ہے۔ تاہم مختلف مملکتوں کے درمیان اس قسم کے موافقات اٹھادیے جا رہے ہیں اور اکثر ممالک میں روز افزوں وسیع رقبہ مشترک ملکوں کے تحت لائے جا رہے ہیں۔ اس سے کچھ امید بندھتی ہے کہ

۱۔ چند سال پیش ریورپ میں تین مالی لڑائیاں واقع ہوئیں جن پر نظر ڈالنے سے انتقام کے نتائج کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۱) فرانس اور اٹلی کے درمیان ۱۸۸۵ء سے ۱۸۹۵ء تک پہلے آٹھ سال کے عرصے میں فرانس کی تجارت اٹلی کے ساتھ ۴۹۹ ملین فرانک سے گھٹ کر ۲۴۰ ملین فرانک رہ گئی۔

(۲) جرمنی اور روس کے درمیان ۱۸۹۲ء سے ۱۸۹۵ء تک اس دوران میں جرمنی کی تجارت روس کے ساتھ ۲۳ ملین مارک سے گھٹ کر ۸ ملین مارک رہ گئی۔

(۳) فرانس اور سوئٹزر لینڈ کے درمیان ۱۸۹۲ء سے ۱۸۹۵ء تک فرانس کی تجارت سوئٹزر لینڈ کے ساتھ ۳۳ سے ۱۸۰ ملین فرانک تک گھٹ گئی۔

ان تمام صورتوں میں جو فی انتقام ترک کیا گیا، تجارت میں فوراً از سر نو جان پڑنے لگی۔

شاید اب لوگ تائینی محصولوں کے نقصانات کو محسوس کرنے لگے ہیں اور ممکن ہے کہ بالآخر یہ مفرت رساں طریقہ بالکل متروک ہو جائیں۔ ریاستہائے متحدہ میں کوئی ریاست اس بات کی مجاز نہیں ہے کہ کسی دوسری ریاست کے خلاف تائینی محصول جاری کرے۔ ہر جدید رقبہ جو اتحاد میں شامل ہوتا ہے مشترک محصول کے تحت لایا جاتا ہے جرمنی نے بھی اپنی زول ودرین یعنی انجمن اتحاد و درآمد کو اس قدر وسیع کیا ہے کہ وہ حدود شہنشاہی کے مساوی ہو جائے۔ آسٹریلیا کی جمہوری حکومت میں بھی مختلف نوآبادیات کے جداگانہ محصول منسوخ کر کے ان کی جگہ ایک عام محصول مقرر کیا گیا ہے۔ دوسری ملکوں مثلاً فرانس، اٹلی نے بھی اپنے حدود کے اندر اس قسم کے موانعات کو اٹھا دیا ہے جتنی کہ تمام برطانوی شہنشاہی کے لیے ایک انجمن اتحاد و درآمد قائم کرنے کی تحریک شروع ہو گئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ برطانیہ عظمیٰ اور اس کی نوآبادیات کے درمیان تجارت میں جس قدر موانعات ہیں انہیں دور کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک نہایت قابل تعریف مقصد ہے لیکن بعض طریقہ جو اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے تجویز کیے گئے ہیں ان سے اندیشہ ہے کہ دوسرے ممالک کے ساتھ برطانیہ عظمیٰ کی تجارت میں رکاوٹیں پیدا ہوں اور اس طرح بجائے فائدے کے ملک کو نقصان اٹھانا پڑے۔ ان تمام تحریکات سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں ایک زمانہ (خواہ اب سے کتنے ہی سال بعد) ضرور ایسا آنے والا ہے جبکہ تجارتی اغراض کے لیے تمام دنیا ایک معاشی خط بن جائے گی جبکہ قومیں اشیائے درآمد پر محض معاشی اغراض کے لیے ٹیکس لگائیں گی اور مردوجہ مالی طریقوں سے جو نقصانات لاحق ہو رہے ہیں انہیں موقوف کر دیں گی۔

محصولات برآمد بھی قدیم کردہ گیری کا ہی ایک جز تئیں۔ آمدنی کی اغراض کے لیے تجارتی کاروبار پر ٹیکس لگانے کا جو طریق زمانہ قدیم سے رائج تھا اسی کا ایک ہی محصولات برآمد پر مشتمل تھا۔ انگلستان میں یہ محصول پہلی مرتبہ اڈورڈ اول کے دور حکومت میں نمودار ہوئے۔ اولن، کھالوں اور چمڑے کی برآمد پر ٹیکس صدیوں تک یہ ٹیکس لگائے جاتے رہے۔ بعد ازاں اولن اور کتان کی مصنوعات اور کچھ عرصے بعد غلہ اور کوئلہ بھی اس فہرست میں شامل کر لیے گئے۔ اولن کی برآمد پچھول لگانے کا ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ پیداوار خام

ملک سے باہر نہ جانے پائے تاکہ اوں کی صنعت ملک میں ترقی پاسکے جب انھلستان میں تجارتیں کا طبقہ نمودار ہوا تو اس نے تجارت برآمد کی بہت زیادہ حمایت کی حتیٰ کہ جو لوگ اس تجارت میں حصہ لیتے تھے ان کی اخام و اکرام سے ہمت افزائی کی جاتی تھی۔ ان لوگوں کا نصب العین یہ تھا کہ ملک کا مال کثیر سے کثیر مقدار میں بیرونی ممالک میں جا کر فروخت ہوتا کہ ان ممالک کی دولت کچھ کچھ کر پشکل زرخوداں کے ملک میں چلی آئے۔ ظاہر ہے کہ معمولات برآمد اس نصب العین کے ہمراہ متنافی ہیں اور اسی بنا پر عامیان تجارتیت نے ان کو منسوخ کرنے کی بہت کچھ کوشش کی لیکن ان کی کوششیں چنداں کامیاب نہ ہو سکیں، کیونکہ جب تک ۱۸۴۱ء میں پیل کی تجویز کردہ اصلاحات جاری نہیں ہوئیں، معمولات برآمد پر حسب معمول عائد آمد جاری رہا بلکہ کوئلے کی برآمد کا محصول تو ۱۸۴۷ء تک برقرار رہا۔ اس کے بعد برطانوی نظام نگس میں برآمد کے محصول پر کبھی نظر نہیں آئے، البتہ ۱۸۵۷ء میں چوٹی افریقہ کی جنگ کے لیے سرمایہ فراہم کرنے کی غرض سے کوئلے کی برآمد پر بحساب ایک شٹلنگ فی ٹن محصول دوبارہ عائد کیا گیا۔ ۱۸۵۷ء میں سرکار کو اس محصول کی بدولت ۴۷ لاکھ ۲۰ ہونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔ بالآخر یکم نومبر ۱۸۵۷ء کو یہ محصول منسوخ کر دیا گیا۔ اس بات کا شیک شیک پتہ لگانا بہت مشکل ہے کہ کوئلے کی برآمد پر محصول لگانے سے بالآخر کس طبقے پر بار پڑتا ہے۔ کوئلے کے مالکوں پر، کان کنوں پر، جہازرانوں پر یا بیرونی خریداروں پر۔

فرض کرو کہ جس چیز کی برآمد پر محصول لگایا جا رہا ہے، وہ دوسرے مالک سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے یا جس احتیاج کو پورا کرنے کے لیے وہ مطلوب ہے، وہ احتیاج متعدد دوسری چیزوں سے بھی نفع کی جاسکتی ہے۔ اب اگر ایسا چیز پر محصول برآمد لگا کر اس کو گراں کر دیا جائے گا تو نتیجہ یہ ہو گا کہ بیرونی خریدار کسی اور ملک سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے محصول لگانے والے ملک کی برآمد گھٹ جائے گی اور جو لوگ اس چیز کی تجارت کرنے والے ہوں گے، وہ اس بات پر مجبور ہوں گے کہ یا تو کاروبار میں تخفیف ہونے سے جو نقصان عائد ہو گا اسے برداشت کریں یا قیمتوں میں تخفیف کر کے پورا محصول یا اس کا کچھ حصہ نمودار کریں۔ دونوں صورتوں میں ملک ہی کے مختلف طبقوں پر جو اس صنعت سے براہ راست یا بالواسطہ تعلق رکھتے ہوں،

اس مسلک کا بڑا اثر پڑے گا، گو اندرون ملک قیمت میں تخفیف ہونے سے اہل ملک کی طلب میں کسی قدر ضرور اضافہ ہوگا۔ اگر ٹکس کی مقدار اس قدر قلیل ہو کہ بیرونی طلب پر اضافہ قیمت کا کوئی اثر نہ پڑے تو ایسی صورت میں ممکن ہے کہ ٹکس کا بار بیرونی خریدار پر پڑے۔ مگر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ بالعموم کسی چیز کی رسد کے ذرائع اس قدر محدود نہیں ہوتے۔ یہ ضرور ممکن ہے کہ کسی ملک کی آب و ہوا کسی خاص چیز کی پیداوار کے لیے مخصوص ہو اور کوئی دوسرا ملک اس چیز کو پیدا نہ کر سکتا ہو لیکن یہ صورت قدرتی اجارے کی ہے اور ایسی صورتیں دنیا میں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ عام طور پر ہر چیز کی رسد کا بازار بہت وسیع ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات تمام دنیا اس میں شامل ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب مسابقت کے لیے اس قدر وسیع میدان لگلا ہوا ہو تو دوسرے ممالک اس چیز کو اپنے اپنے علاقوں میں پیدا کرنے کی کوشش کریں گے اور کسی ملک کے لیے یہ ممکن نہ ہوگا کہ کسی عام استعمال کی چیز پر محصول برآمد لگا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمام خریدار ممالک پر اس کا بار عائد کرے۔ اگر ایسی کسی چیز پر عائد آمدن ممکن ہو تا تو کوئی اکیلا ملک اس حق کا اجارہ دار نہ ہو سکتا تھا۔ بلکہ عام طور پر ہر ملک میں یہی طرز عمل اختیار کر لیا جاتا اور ظاہر ہے کہ یہ ایک سراسر احمقانہ بات ہے۔ کوئی ملک دوسرے ممالک کو اس بات پر مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ خواہ مخواہ گراں قیمتوں پر اس کی چیزیں خرید کر اس کو ٹکس ادا کریں۔

۸۹

کسی چیز کی برآمد پر محصول لگا کر بیرونی خریداروں پر اس کا بار ڈالنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ جبکہ ملک برآمد کو اس چیز کی پیدائش کا اجارہ حاصل ہو، چیز خود مایہ محتاج زندگی میں سے ہو، وہ لوگوں کو بہت زیادہ مطلوب ہو اور اس کا کوئی بدل میسر نہ ہو۔ ایسی صورت میں ملک کے اندر جس قدر لوگ اس چیز کے پیدا کرنے والے ہیں، اگر وہ سب متفق ہو کر قیمت میں اتنا اضافہ کر دیں کہ اس سے ٹکس کی رقم وصول ہو جائے تو محصول کا بار تمام و کمال بیرونی خریداروں پر پڑے گا۔ لیکن اگر خود

فروشندهوں کے درمیان مسابقت ہونے لگے یا اگر بیرونی خریدار اپنی طلب میں تخفیف کر سکیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ پورا محصول یا اس کا کچھ حصہ خود ملک برآمد کو ادا کرنا پڑے گا۔ جہاں تک برطانیہ کے کوئلے کا تعلق ہے، یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی برآمد پر محصول لگانے سے کس طبقہ کو بار اٹھانا پڑے گا۔ کیونکہ بیرونی ممالک میں اس کی طلب چند غیر معمولی حالات کے تابع ہے غیال یہ ہے کہ انگلستان کو ایک طرح سے اس تجارت کا اجارہ حاصل ہے کیونکہ جو خاص اوصاف یہاں کے کوئلے میں پائے جاتے ہیں وہ کسی اور مقام کے کوئلے میں موجود نہیں ہوتے اور چونکہ وہ زیادہ تر بحری اعراض کے لیے مطلوب ہوتا ہے لہذا گمان غالب یہ ہے کہ ٹیکس کا بار بیرونی خریدار ہی پر پڑے گا۔ اس قسم کے اجارے کی ایک عمدہ مثال حال تک ہندوستان میں پائی جاتی تھی۔ ایک طرف تو افیون کی پیدائش کے لیے ہندوستان کو خاص فوائد حاصل تھے اور دوسری طرف چین میں اس کی طلب کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ نہایت گراں قیمتوں پر بھی چین کے لوگ ہندوستان کی افیون خریدنے پر آمادہ تھے کیونکہ وہ حکومت کے زیر نگرانی پیدا کی جاتی تھی لہذا حکومت کو ایک ایسا اجارہ مل گیا جس سے کثیر آمدنی ہاتھ آنے لگی۔ چین ہی سب سے بڑا خریدار تھا اور اسی پر محصول کا پورا بار پڑتا تھا۔ ۱۹۰۷ء میں برطانوی حکومت نے اخلاقی اسباب کی بنا پر افیون کی تجارت کو بتدریج گھٹانے کا فیصلہ کیا اور یہ مسلک اس قدر کامیاب ثابت ہوا کہ ۱۹۱۵ء میں افیون کی برآمد قطعاً بند ہو گئی۔ چند عرصوں بعد کے دوران میں برطانیہ کو اون کا اجارہ حاصل تھا۔ ملک فلیمنڈرس میں اس کی طلب بہت زیادہ تھی۔ لہذا برطانوی اون کی برآمد پر جس قدر محصول لگایا جاتا تھا اس کا بار فلیمنڈرس کے ان اشخاص پر پڑتا تھا جو برطانیہ سے اون منگواتے تھے۔ لیکن یہ لوگ اون سے جو کچھ اتیار کرتے تھے ۹۰ اس کی اس زمانے میں زیادہ شہرت تھی، چنانچہ اُسے اعلیٰ قیمتوں پر فروخت کر کے وہ اس ٹیکس کی کسر نکال لیتے تھے جو انھیں پیداوار خام پر ادا کرنا پڑتا تھا۔ فاروساکا کا فور اور سیلون کی دارچینی یہ بھی ان اجاروں کی مثالیں ہیں جن سے بذریعہ محصول برآمد آمدنی حاصل کی جاسکتی ہے۔ بریزیل میں کافی اور چلی میں

شورے کی برآمد پر محصول لگایا جاتا ہے جن حالات میں یہ چیزیں پیدا کی جاتی ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے گمان غالب یہ ہے کہ اس محصول کا بار خریداروں ہی پر پڑتا ہے۔ لیکن جہاں تک معمولی پیداواروں اور مصنوعات کا تعلق ہے، ان پر محصول برآمد لگانے سے نتیجہ یہ ہوگا کہ قیمتیں بڑھ جائیں گی اور ملک کی تجارت برآمد تباہ ہو کر حریف ممالک کے ہاتھوں میں منتقل ہو جائے گی۔ لہذا حصول آمدنی کا یہ طریقہ صرف چند صورتوں میں قابل عمل ہے اور یہ سب صورتیں وہی ہیں جن میں ملک درآمد کو اس تجارت کا اجارہ حاصل ہو۔

محصولات جنگی - یہ بھی ایک قسم کے بالواسطہ ٹیکس ہیں جو ملکی پیداواروں پر لگائے جاتے ہیں۔ یو بی پارلیمنٹ کے دوران میں ہالڈین کی تقلید کر کے انگلستان کے مالی نظام میں انھیں شامل کیا گیا۔ انگریزی اصطلاح اکسائز (Excise) کے لفظی معنی کسی چیز کا ایک جز کو کاٹ لینے کے ہیں جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سرکار گویا اپنا حصہ علیحدہ کر لیتی ہے۔ استعمال جدید کے مطابق اس اصطلاح کا اطلاق ان تمام ٹیکسوں پر ہوتا ہے جو ملک کے اندر پیدا کی جانے والی اشیاء پر لگائے جاتے ہیں، برخلاف محصولات کروڑ گیری کے جو باہر سے آنے والی اشیاء پر سرحدی مقامات پر وصول کیے جاتے ہیں۔ ۱۶۴۳ء میں خانہ جنگی کے واسطے سرمایہ فراہم کرنے کی غرض سے محصول جنگی اختیار کیا گیا۔ پہلے تو وہ بیر، سائڈر، پیری، ان شرابوں پر لگایا گیا لیکن بعد ازاں دوسری اشیاء، خوراک، غذا اور پوشاک پر بھی عائد کیا گیا۔ عود شاہی کے بعد بھی ٹیکس نہ صرف برقرار رکھا گیا بلکہ متعدد قسم کی دوسری چیزوں پر عائد کیا گیا۔ سربراہرٹ والپول نے اپنی مشہور و معروف ۱۷۷۶ء والی تجویز جنگی میں محصولات جنگی کے علاوہ اور بھی متعدد ٹیکس شامل کیے تھے۔ وہ اس بات کے لیے کہ نشان تھا کہ محصولات جنگی اور کروڑ گیری، دونوں کو از سر نو ترتیب دے، انتظامات میں سادگی اور نظم پیدا کر کے کفایت کے اصول پر کام چلائے، دھوکہ اور چوری میں رکاوٹیں پیدا کرے اور اشیاء درآمد کو محفوظ رکھنے کے لیے گودام مہیا کر کے تجارت کے راستے سے مشکلات کو دور کرے اور ہر طرح سے اس میں سہولتیں بہم پہنچائے۔ کفایت اس اسکیم کا نصب العین تھا اور آزاد تجارت اور کھلے بندر گاہوں کی جانب اس کا رجحان تھا۔ مگر سیاسی مخالفت اور

غلامیائی کی وجہ سے اس کی مجوزہ اصلاحات کو شکست ہوئی اور اصلاح مالیات کی مزید کوششیں اس وقت تک ملتوی رہیں جب تک کہ پٹ نے اپنی مالی تجاویز جاری نہ کر دیں۔ محمول چنگی جو کسی زمانے میں قسم قسم کی پیداوار اور طرح طرح کی مصنوعات پر لگایا جاتا تھا، اب بلا شرکت غیر مختص منشیات پر عائد کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جب کبھی کسی ایسی چیز پر محمول کر دیا گیا جاتا ہے جو خود ملک کے اندر پیدا کی جاسکتی ہو تو ایسی صورت میں ملکی اور بیرونی پیداوار میں مساوات قائم رکھنے کی غرض سے ملکی پیداوار سے بھی اسی کے ہم قدر محمول چنگی وصول کیا جاتا ہے۔ ۱۹۱۲ء میں روح شراب اور بیر شراب کے محصولات چنگی سے ۴۷۷۲۳۳ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔

چنگی یا محمول اندرونی کے ساتھ چند اور مدوں کو آمدنی بھی شامل کر لی جاتی ہے، مثلاً محمول ریلوے (۲۸۸۳۶۸ پونڈ) اور لیسنس کی آمدنی۔ لیسنس دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو کتوں، گاڑیوں، بند و قوں، شکار، مرد ملازمین اور زرہ بکتر کے امتیازی نشانات کے لیے حاصل کیے جاتے ہیں اور (۱۲) دوسرے وہ جن کے ذریعے سے بعض خاص پیشوں میں کام کرنے کی اجازت حاصل کی جاتی ہے، مثلاً شراب سازی، شراب اور تبا کو فروشی، مال ہراج کرنا، چیزیں دین، رکھنا، سونے اور چاندی کی تختیاں فروخت کرنا، پھیر لگا کے چیزیں بیچنا وغیرہ وغیرہ۔ ۱۹۱۲ء میں لیسنس سے مجموعی طور پر ۳۷۱۱۶۸ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔ بجز ایک قلیل حصے کے جو شاہی خزانے میں داخل کیا گیا یہ سب آمدنی مقامی حکومتوں کے حوالے کر دی گئی، تاکہ انھیں اپنے کاروبار کی انجام دہی میں مدد سکے۔ جہاں تک چنگی کے عام اثرات کا تعلق ہے، تو وہ بھی محمول کر دینا چنگی کی طرح ایک بالواسطہ ٹیکس ہے، جس کا بار تمام و کمال خریداروں پر پڑتا ہے۔ لیکن اس کے کچھ ضمنی اثرات بھی ہوتے ہیں جن کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ٹیکس اس بنا پر نہیں منسوخ کیے گئے کہ ادا کنندوں پر ان کا بار بہت گراں ہے بلکہ اس لیے کہ صنعت و حرفت پر ان کا برا اثر پڑنے کا قریب ہے۔ محمول چنگی وصول کرنے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً چیز تیار ہونے کے دوران میں ٹیکس لگا دیا جائے یا جس خام پیداوار سے چیز بنائی جاتی ہے، اس پر ٹیکس لگایا جائے یا کسی عامل پیدایش سے وہ وصول کر لیا جائے۔ ان تمام صورتوں میں پیدا کرنے والے پر مزید اخراجات لاحق ہوتے ہیں،

اس کے مصارف پیدایش میں اضافہ ہو جاتا ہے جسے وہ بذریعہ قیمت وصول کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ معاشین نے اسی بنا پر یہ قانون بنا دیا ہے کہ ٹکس صرف مکمل مصنوعات پر لگایا جائے نہ کہ پیداوار خام پر۔ جہاں تک ممکن ہو پیدایش پر ٹکس کا کم اثر پڑے۔ اس کی بدولت نہ تو صنعت تباہ ہو اور نہ کوئی خاص طبقہ اس کا اجارہ دار بن بیٹھے۔ جب کبھی ٹکس لگانے کے لیے دو چیزوں میں انتخاب کرنا ہو تو جو چیز صنعت و حرفت کی ترقی کے لیے زیادہ ضروری ہو، وہ ادائی ٹکس سے مستثنیٰ کر دی جائے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ٹکس لگانے سے آمدنی حاصل کرنا مقصود ہے۔ ایسی صورت میں اگر بالواسطہ ٹکس صرف چند چیزوں تک محدود رہیں تو انھیں وصول کرنے میں جو مصارف لاحق ہوتے ہیں، وہ کم ہوں گے لیکن ساتھ ہی منتخب شدہ چیزوں کی تعداد کافی ہو، وہ اس قسم کی ہوں کہ ملک کا کوئی طبقہ ان کے اثر سے بچ سکے اور بالخصوص جو لوگ بلا واسطہ ٹکس نہیں ادا کرتے ان پر ضرور کچھ نہ کچھ اس کا اثر پڑے۔ اب رہا یہ سوال کہ کون کون سی چیزیں ٹکس لگانے کے لیے موزون ہیں، سو اس کا کوئی ایک قطعی جواب نہیں ہو سکتا بلکہ ہر ملک کے مختلف حالات اور اہل ملک کے عادات و خصائل کو پیش نظر رکھ کر یہ چیزیں منتخب کی جاتی ہیں۔ برطانیہ عظمیٰ میں چائے، کافی، بیر، شراب اور تمباکو نہایت موزون چیزیں ہیں۔ لیکن ہندوستان میں محصول نمک ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی مدد سے عوام انناس کی کثیر تعداد پر ٹکس کا کچھ بار ڈالاجا سکتا ہے اس میں شک نہیں کہ قاعدے کے مطابق ضروریات زندگی ادائی ٹکس سے مستثنیٰ رکھی جائیں اور بالواسطہ ٹکسوں کا بار صرف تعیشیات پر پڑے۔ لیکن اس رائے پر عملدرآمد ہمیشہ اور ہر حالت میں ممکن نہیں ہے جس ملک کی تین چوتھائی آبادی تعیشیات کا

۱۔ اس ٹکس کا بہت زیادہ بار صرف انھی اشخاص پر پڑتا ہے جو تنہا کو نوشی اور شراب نوشی میں حد اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ اول تو یہ چیزیں تعیشیات میں داخل ہیں اور پھر ان کا استعمال بالکل اختیاری ہے۔ ہذا یہ ایک ایسا ٹکس ہے جس سے گوامنی حاصل ہوتی ہے تاہم معاشی نقطہ نظر سے کسی پر اس کا بار نہیں پڑتا۔

استعمال ہی نہیں کرتی، وہاں ضروریات زندگی پر ہاتھ ڈالے بغیر عوام سے کیونکر ٹکس وصول کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ان مخصوص حالات میں ضروریات پر ٹکس لگانے سے ادا کنندوں پر کچھ زیادہ بار نہیں پڑتا۔

کسی خاص ٹکس کو لے کر اس پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ ہمیشہ اس کی پیداواری کی ایک نہ ایک حد ضرور ہوگی۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ اگر ٹکس کی مقدار میں یکساں اضافہ ۹۳ کیا جائے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ لوگ اس چیز کا استعمال کم کر دیں گے اور اس طرح ٹکس کی مجموعی آمدنی میں تخفیف واقع ہوگی۔ لہذا حکومت کے لیے یہ تحقیق کرنا ضروری ہے کہ کثیر سے کثیر آمدنی حاصل کرنے کے لیے کس حد تک ٹکس لگانا چاہیئے۔ ماہران مالیات مدت کے تجربے کے بعد اس قابل ہوتے ہیں کہ قبل از قبل یہ پتہ لگا سکیں کہ اگر کسی چیز کے محصول میں تھوڑا سا اضافہ کر دیا جائے تو اس سے کیا نتائج برآمد ہونے کا قرینہ ہے۔ مزید برآں یہ نتائج خود بھی ہمیشہ ایک سے نہیں ہوتے بلکہ طلب کی تغیر پذیری کے ساتھ ساتھ متغیر ہوتے جاتے ہیں۔ ان کا بہت زیادہ انحصار باشندوں کی مرفہ الحالی اور ان کے عادات و خصائل پر ہوتا ہے اور اس کے علاوہ خود تجارتی حالات بھی مختلف اسباب کے زیر اثر بدلتے رہتے ہیں۔

ٹکس کی ایک اور قسم محصول بہ حساب قیمت کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ ٹکس چیز کی قیمت کے تناسب سے لگایا جاتا ہے۔ ٹکس کا یہ طریق اس میں شک نہیں کہ بہت ہی مناسب ہے لیکن اس پر عملدرآمد کوئی آسان کام نہیں ہے۔ جہاں تک برطانیہ عظمیٰ کا تعلق ہے ٹکس کا یہ طریق قطعاً اختیار نہیں کیا جاتا۔ مثلاً انگلستان میں قسم قسم کی چائے درآمد ہوتی ہے لیکن ہر قسم پر ایک ہی شرح سے ٹکس لگایا جاتا ہے اگر محصول بہ حساب قیمت اختیار کیا جاتا تو چائے کی قسموں کے ساتھ ساتھ اس کی قیمت بدلتی جاتی اور تغیر قیمت کے ساتھ شرح ٹکس میں بھی کمی بیشی ہوتی۔ معترضین کا دعویٰ یہ ہے کہ ایک ہی شرح سے ٹکس لگانے میں ادنیٰ قسم کی چیزوں پر زیادہ بار پڑتا ہے اور چونکہ اس قسم کی چیزیں زیادہ تر غریب طبقے کے لوگ استعمال کرتے ہیں لہذا ان کے ساتھ ایک طرح سے نا انصافی ہوتی ہے۔ چنانچہ محصول چائے کے خلاف بھی ان کا یہی الزام ہے۔ لیکن بہ حساب قیمت

محمول لگانے میں جو عملی مشکلات پیش آتی ہیں، وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ کم از کم چاہئے پر اس طریق کا اطلاق نہ بنی برانصاف ہو سکتا ہے اور نہ باعث کفایت۔ اس قسم کی کوشش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مصارف بڑھ جائیں گے، ادا کنندوں کو حیلہ جوئی کی ترغیب ہوگی اور لوگ ادائیگی قسم کی پائے استعمال کرنے لگیں گے۔ میں یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ کسی ایک ملک کے ذریعے سے ہم قانون مساوات کی پابندی نہیں کر سکتے اور جہاں تک برطانوی نظام کا تعلق ہے اس قسم کی جس قدر انفرادی خامیاں اس میں موجود ہیں بحیثیت مجموعی ان سب کی ایک دوسرے سے تلافی ہو جاتی ہے مثلاً جو لوگ چاہئے پر نسبت زیادہ ملک ادا کرتے ہیں، وہ بلا واسطہ محمولوں کی ادائیگی سے قطعاً بچ جاتے ہیں۔ البتہ بعض صورتیں ایسی ضرور موجود ہیں جن میں قریب قریب قیمت کے تناسب سے ملک وصول کیا جاسکتا ہے مثلاً شراب کی قوت کے لحاظ سے اس کے مختلف مدارج قائم کیے جاتے ہیں اور شراب کی قوت کا اندازہ کرنا نہایت آسان ہے۔ اسی طرح شکر پراس کی شیرینی کی مقدار کے مطابق ملک لگایا جاتا ہے۔

نقل و دولت پر جو ملک لگائے جاتے ہیں، وہ دراصل افعال یا اعمال پر خاند کیے جاتے ہیں۔ کاروبار اور مبادلے کی آزادی میں ان کی وجہ سے مداخلت ہوتی ہے اور اس لحاظ سے وہ مدد و جہد اور ترقی میں مانع ہوتے ہیں۔ بعض حالات میں وہ خاص خدمات کا معاوضہ تصور کیے جاسکتے ہیں، لیکن اکثر و بیشتر وہ اصل کی نقل و حرکت کے ملک شمار ہوتے ہیں اور ان کا بار ایک محدود و گریہت مستعد اور پیدا آور طبقے پر پڑتا ہے۔ ان کی اس بنا پر حمایت کی جاتی ہے کہ ادا کنندوں کو ان کا احساس نہیں ہوتا بلکہ زیادہ تر تخمینی منافع پر ان کا اثر پڑتا ہے۔ مزید برآں وہ اس قدر گراں نہیں ہوتے کہ ان کی بدولت تجارت میں کوئی قابل لحاظ مداخلت ہو سکے۔ ایک طرف تو ان کا وصول کرنا آسان ہے اور ان کی آمدنی ایسی نہیں ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے اور دوسری طرف ان کا بار صرف خوش حال طبقوں کی مجتمعہ دولت پر پڑتا ہے۔ اس طرح گو وہ نظام ملک کا کوئی بہت بڑا اور اہم حصہ شمار نہ ہوں، تاہم اگر ان کی مقدار معتدل ہو تو ایک نظام مرکب کے تحت مساوات حاصل کرنے میں ان سے بہت کچھ مدد لی جاسکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ

دولت کی نقل و حرکت میں یہ ٹکس ضرور مانع ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے دولت کی کارکردگی میں ان کی بدولت ضرور مداخلت واقع ہوتی ہے حتیٰ کہ شغلِ اسل کی صورتوں پر بھی ان کا اثر پڑنا ممکن ہے۔ اب رہا ان ٹکسوں کا تقدیر یہ سو اس کا انحصار حالاتِ حاضرہ پر ہوتا ہے۔ کبھی خریدار اس کا مورد ہوتا ہے اور کبھی فروشدہ اور بعض اوقات دونوں اس میں شریک ہوتے ہیں۔

محمولاتِ اسٹامپ ٹکس کا کوئی خاص شعبہ نہیں ہیں۔ بلکہ رجسٹری کے ذریعے مختلف قسم کی آمدنی حاصل کرنے کا وہ ایک طریقہ ہیں۔ وہ ان دستاویزات اور تمسکات پر عائد کیے جاتے ہیں جو بعض خاص کارروائیوں کو قانونی جامہ پہنانے کے لیے درکار ہوتے ہیں۔ اس قسم کے ٹکس بعض اوقات اپنے آپ وصول ہو جاتے ہیں، بعض اوقات وہ کسی دفتر سرکاری میں جمع ہوتے ہیں یا ٹکس حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی کام قانون کی نظر میں اس وقت تک قابلِ لحاظ نہیں ہوتا

جب تک کہ کسی اسٹامپ کے کاغذ پر اس کام کے واقع ہونے کا حال درج نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے ٹکسوں میں مالیت کے لحاظ سے مدارج قائم کرنا نہایت آسان ہے۔ محمولِ اسٹامپ مختلف قسم کے کاموں پر عائد کیے جاتے ہیں، مثلاً فروختِ املاک، وراثتِ جائداد، دستاویزاتِ ہبہ، بیٹے، تصفیہ، جان کے بیمے، مختلف قسم کے معاہدے، راضی نامے، فروختِ تمسکات و حصص وغیرہ۔ خاص خاص پیشوں، مثلاً وکالت، ساہوکاری، نقل و حمل وغیرہ میں کام کرنے کے لیے جو لائسنس حاصل کیے جاتے ہیں، ان پر بھی محمولِ اسٹامپ ادا ہوتے ہیں۔ ان ابتدائی مصارف کا ایک تو یہ اثر پڑتا ہے کہ ان پیشوں میں داخل ہونے والے اشخاص کی تعداد محدود ہو جاتی ہے، دوسرے یہ کہ جو لوگ ان پیشوں کی خدمات سے مستفید ہونا چاہتے ہیں، انہیں نسبتاً زیادہ معاوضہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح اس ٹکس کا اثر بھی بالآخر خریداروں ہی پر پڑتا ہے۔

محمولِ اسٹامپ ۱۶۹۷ء میں ہالینڈ سے نقل کیے گئے۔ اٹارحیوں صدی کے دوران میں اور بالخصوص اس زمانے میں جبکہ فرانس سے جنگ چھڑی ہوئی تھی ان میں بہت زیادہ توسیع کی گئی۔ ۱۸۱۵ء کے بعد کچھ تغیر و تبدل کر کے انہیں

کیجا کیا گیا۔ ۱۹۵۳ء میں مسٹر گلید سٹون نے ان پر نظر ثانی کر کے ان کے طریقوں میں اصلاح کی اور ایک نئی اسٹامپ والی رسید کا طریق اختیار کیا۔ ۱۹۵۷ء کے قانون اسٹامپ کے ذریعے اس طریقے کی پیچیدگیوں کو رفع کرنے اور اسے سادہ بنانے کی دوبارہ کوشش کی گئی اور اس کا ایک جداگانہ ضابطہ بنا دیا گیا۔ مختلف محصولات اسٹامپ سے اب سالانہ دس ملین پونڈ آمدنی حاصل ہوتی ہے اور جن کا روبرو بار پران محصولات کا اثر پڑتا ہے ان کی ایک لمبی چوڑی فہرست ہے۔ یہ کاروبار چار عنوانوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں (۱) ہنڈیاں اور پیرامیٹیوٹ (۲) رسائڈ، چک اور بنگلوں کے رقبے (۳) کاروبار متعلق املاک، مثلاً فروخت، قرضی تصفیے، پٹے اور قرضی ضمانتیں۔ (۴) دولت سے متعلق دیگر کمکات اور دستاویزات۔

بعض اوقات اسٹامپ اس لیے بھی استعمال کیے جاتے ہیں کہ ان کی بدولت بعض چیزوں پر ٹیکس لگانا آسان ہو جاتا ہے، مثلاً پیٹنٹ دوائیوں اور تاشوں پر جو محصول لگائے جاتے ہیں وہ اسی کی مثالیں ہیں۔ ان کا بار بھی بالآخر خیرداروں پر ہی پڑتا ہے۔ چیز کی طلب میں ان کی بدولت رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس صنعت کے لیے اصل کم مقدار میں دستیاب ہونے لگتا ہے۔ رسائڈ پر جو ٹیکس لگائے جاتے ہیں، ان کا نقد یہ غالباً رقم پانے والے پر ہوتا ہے جو بہ وقت ادائی آسانی کے ساتھ ٹیکس کا بار اٹھا سکتا ہے۔ مزید برآں ٹیکس خود اس قدر خفیف ہوتا ہے کہ اس کو محسوس کرنا ممکن نہیں۔

جامد ادغیر منقولہ (زمین اور مکانات) کی فروخت پر جو ٹیکس لگائے جاتے ہیں ان کے خلاف یہ نکتہ چینی کی جاتی ہے کہ اس شعبہ دولت کے آزادانہ مبادلے میں ان کی وجہ سے رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ زمین سے فائدہ اٹھانے اور اس کو زیادہ سے زیادہ پیداوار بنانے کی قابلیت ہر شخص میں مساوی نہیں ہوتی۔ جن لوگوں میں یہ قابلیت بدرجہ اتم موجود ہو، اگر زمین ان کے ہاتھوں میں رہے تو نہ صرف اس خاص قطعہ زمین کی ترقی یقینی ہوگی بلکہ بحیثیت مجموعی کل قوم کے لیے بھی یہی مناسب ترین صورت ہوگی۔ مگر ٹیکس بر فروخت جامد ادغیر منقولہ اس ترقی میں بہت کچھ مانع ہوتے ہیں۔ ان کے اثر سے زمین ایسے اشخاص کے قبضے میں بہ آسانی

نہیں جاسکتی جو اس کو ترقی دینے کی زیادہ قابلیت رکھتے ہیں۔ بل کا یہ مفولہ تھا کہ یہ ٹکس گو یا ایک قسم کا جرمانہ ہے جو فروشنہ دلوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ بالعموم لوگ فروریات سے مجبور ہو کر اپنی جائیداد طلعہ کر دیتے ہیں اور اسی وجہ سے ٹکس کا نقصان برداشت کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ٹکس بہ انتقال جائیداد کا نقدیہ بلا شک و شبہ فروشنہ اور خریدار کی وقتی ضرورت کے لحاظ سے طے پاتا ہے۔ قانون طلب باہمی کے مطابق چیز کی قیمت معین ہوتی ہے اور اشتہار اور وسعت بازار کا بھی اس پر بہت کچھ اثر پڑتا ہے۔ اگر خریدار سے ٹکس وصول کرنے کی کوشش کی جائے گی تو وہ پہلی سی قیمت دینے پر آمادہ نہ ہوگا بلکہ اس کو نسبت کم کرنے کی کوشش کرے گا۔ لہذا گمان غالب یہ ہے کہ معمولی حالات میں ٹکس کا بار خریدار اور فروشنہ دونوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ بہر حال یہ ایک ایسا ٹکس ہے جو مجتمعہ دولت پر لگایا جاتا ہے جو خرید و فروخت کی سہولتوں میں مانع ہوتا ہے اور اس وجہ سے کاروبار کی مقدار میں تخفیف کا باعث ہوتا ہے۔ زمین زراعت کے لیے بجائے خام پیداوار کے ہے اور دوسری تمام صنعتوں کے لیے بھی وہ قطعاً ناگزیر ہے۔ لہذا جس طرح دوسرے تمام خام پیداواروں پر ٹکس لگانا نامناسب ہے اسی طرح زمین سے کام لینے پر ٹکس لگانا بھی چنداں پسندیدہ نہیں۔ رجسٹری اور قانونی اخراجات کے لیے جو بہ وقت فروخت لاحق ہوتے ہیں، ٹکس وصول کرنا ضروری ہے۔ نہ صرف اہل معاملہ بلکہ کل قوم کے لیے رجسٹری کا طریق نہایت مفید اور کارآمد ہے۔ اس خدمت کا جو معاوضہ وصول کیا جاتا ہے، وہ درحقیقت ٹکس نہیں ہے بلکہ انتقال جائیداد پر جو محصول اسٹامپ ادا کیے جاتے ہیں، ان کی مقدار اس معاوضہ خدمت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

مصولات اسٹامپ ۱۹۱۴ء

۲۱۰۰۹۰۹ پونڈ

دست و دینات و دیگر مستکات

۵۹۵۳ پونڈ

دست و دینات - جرمانے

۱۰۰۵۸۲۲ پونڈ

دست گرداں مستکات

۷۰۳۹۸۰ پونڈ	کپینوں کے سرمائے کا محصول
۳۱۱۸۰۳ پونڈ	معاہدوں کے نوٹ (ایک پنی سے اوپر)
۲۱۲۱۸ پونڈ	قرضے کے سرمائے کا محصول
۲۸۹۲۸ پونڈ	بیرونی سارٹیفکٹ
۱۵۰۱۶۰ پونڈ	حصص کے چالان
۱۰۳۵۸۰۶ پونڈ	ہنڈیاں
	انگلستان، آئرستان اور دیہات کے
	بنکوں کے نوٹ اور ہنڈیوں کے
۱۲۳۴۳۲ پونڈ	محصولات کے معاوضے
۱۷۱۵۳ پونڈ	لیسن اور سارٹیفکٹ
۱۱۲۱۸ پونڈ	جان کے بیجے
۱۸۹۶۳۷ پونڈ	بحری بیجے
	رسمیہ رقبے اور دوسرے ایک پنی کے
۲۰۱۶۸۳۰ پونڈ	اسٹامپ

۹۹۸۳۳۶۳ پونڈ

محصول ریلوے:۔ یہ ٹکس آمدورفت اور نقل و حمل پر لگایا جاتا ہے۔
 برطانیہ عظمیٰ میں فی سیل ایک پنی یا اس سے کم کرایوں پر ٹکس نہیں لیا جاتا، اس سے
 زیادہ مقدار کے کرایوں پر دو شرجوں کے مطابق ٹکس وصول کیا جاتا ہے۔ ایک
 ۲ فی صدی دوسرے ۵ فی صدی۔ اول الذکر شرج شہری آمدورفت کے لیے اور
 آخر الذکر دیہاتی آمدورفت کے لیے مخصوص ہے۔ ۱۹۱۴ء میں اس ٹکس سے
 کل ۲۸۸۳۶۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔ یہ محصول ایک خاص ٹکس ہے جو صرف
 ایک قسم کے خانگی اصل پر عائد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ریلوے کپینیاں بھی مثل دوسری
 صنعتوں کے محصول آمدنی اور مقامی شرجیں دونوں ادا کرتی ہیں۔ درحقیقت
 یہ ٹکس اس قدیم محصول کی ایک نشانی ہے جو بہ شرج ۵ فی صدی ٹکس کی گازیوں پر
 لگایا جاتا تھا۔ فرض یہ کیا جاتا ہے کہ اس ٹکس کا بار ایک ایسے طبقے پر پڑتا ہے جو

کل آمدورفت اور نقل و حمل کا اجارہ دار ہے اور اسی بنا پر وہ مبنی بر انصاف سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا استدلال ہے جس کی تردید خود اسی کے اندر مضمر ہے۔ ادنیٰ درجے کے کرایوں کو ادائیگی سے خاص طور پر اس لیے مستثنیٰ کیا جاتا ہے کہ غریب مسافر اس سے مستفید ہو سکیں کیونکہ مفروضہ یہ ہے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ٹکس کا بار غریب مسافروں پر پڑے گا۔ غرض اس ٹکس کا تقد یہ ہر حالت میں یکساں نہیں رہتا اور اس کا ٹھیک پتہ لگانا فکمی ہے۔ لیکن گمان غالب یہ ہے کہ اکثر حالات میں وہ معمولی حصہ داروں پر عائد ہوتا ہے۔

جہاں مختلف ریلوے کمپنیوں میں یاریلوں اور دوسرے ذرائع آمدورفت (مثلاً سمندر، نہریں، ٹریکس وغیرہ) کے درمیان باہمی مسابقت ہوتی ہے، وہاں یہ اجارہ ایک حد تک محدود ہو جاتا ہے کیونکہ کمپنی اس بات کے لیے کوشاں رہتی ہے کہ آمدورفت میں اس کا حصہ کم نہ ہونے پائے۔ ایسی صورت میں اگر وہ محصول کا بار مسافروں پر ڈال دے تو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ آمدورفت کے دوسرے ذرائع اختیار نہ کر لیں۔ لیکن جب ریلوے کا کوئی حریف ہی نہ ہو اور کمپنی کو اپنی آمدورفت کا پورا یقین رہے تو ایسی صورت میں وہ شرح کرایہ کا پیمانہ بلند کر سکتی ہے اور اس طرح محصول ریلوے کا بار مسافروں پر منتقل کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ کرایہ اس قدر زیادہ نہ ہو جائے کہ ریلوے کی خدمات کا افادہ ختم اس سے گھٹ جائے اور لوگ سفر کرنے ہی سے باز رہنا پسند کریں۔ آمدورفت اور نقل و حمل پر محصول لگانے کا طریق مالک یورپ میں بہت عام ہے غرض میں مال کی نقل و حمل اور مسافروں کی آمدورفت، دونوں پر محصول ریلوے لگایا جاتا ہے۔ لیکن فرانس کی ریلیں زیادہ تر سرکاری سرمائے سے چلتی ہیں اور سرکار ہی حصہ داروں کے اصل پرسوداگر کے ذمہ دار ہوتی ہے۔

نقل و حمل پر ٹکس لگانا اصول کفایت کے متافی ہے۔ دوسرے محصولوں کی طرح جو اشیاء پر لگائے جاتے ہیں ان کا بھی یہی اثر ہے کہ قیمتیں بڑھ جاتی ہیں، کاروبار میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اور صرف کم ہو جاتا ہے، ان کی بدولت معاشی مزاحمت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ تجارت کے لیے ہر حالت میں

مفرت رساں ہے۔ برطانیہ میں ریلوے کی آمدورفت پر محصول لگایا جاتا ہے وہ ایک نہایت قدیم طریقہ کی یادگار ہے۔ اس سے نہایت قلیل آمدنی حاصل ہوتی ہے اور وہ کبھی علمی اصول کے مطابق نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ریلوے کمپنیوں پر ایک طرح کا اقتدار قائم رکھنا حکومت کے لیے نہایت ضروری ہے۔ لیکن یہ مقصد دوسرے ذرائع سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ جہاں تک محصولات کا تعلق ہے، ایک صنعتی اور تجارتی ملک میں معاشی نقطہ نظر سے وہ مناسب نہیں خیال کیے جاسکتے۔ کیونکہ وہ دولت کی قدرتی تقسیم میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں اور تجارت کو اس کے قدرتی راستے سے ہٹا کر ارزاں راستوں پر لگا دیتے ہیں۔ بالخصوص ایسے ملک میں تو وہ خاص طور پر ناموزون ہیں جو تجارت خارجہ کامرکز بننے کی خواہش رکھے، یا جو جہاز رانی کے کاروبار میں مشغول ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں جو چیز آزادانہ نقل و حمل میں مانع یا اعلیٰ بندرگاہی اخراجات کی طرح اضافہ مصارف کا باعث ہوگی، وہ ملک کے لیے ضرور رساں اور کاروبار جہاز رانی کے لیے مہلک ثابت ہوگی۔

ڈاکخانہ :- سرکاری آمدنی کا ایک عجیب ذریعہ ہے۔ ۱۹۱۳ء میں اس کا حاصل (باستثنائے ٹیلیگراف) ۴۰۰۲۴۲۰ پونڈ تھا اور اس کے اخراجات ۱۱۹۲۴۱ پونڈ تھے۔

محصول ڈاک : تاریا ٹیلیفون کی فیس، ان کی نوعیت بھی محصول نقل و حمل کی سی ہے، ان کی شرحوں میں اضافہ کرنا بھی خلاف مصلحت اور خلاف کفایت ہے، کیونکہ ان کا رجحان بھی مراسلت کو روکنے اور کاروبار کو گھٹا دینے کی طرف ہے۔ برطانیہ میں ڈاکخانے کے محصول بہت قلیل ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حکومت کو ۱۹۲۳ء ۲۱ پونڈ خالص آمدنی حاصل ہوتی ہے جو لوگ محصول آمدنی کے اس طریقے کے مخالف ہیں، ان کا یہ اعتراض ہے کہ اس کی بدولت مراسلت پر ٹکس عائد ہوتا ہے اور یہ ایک بہت ہی ناگوار بات ہے۔ برخلاف اس کے دوسرے لوگ اس طریقے کی اس لیے حمایت کرتے ہیں کہ وہ ایک نہایت سیدھا سادا ذریعہ ہے جس کی مدد سے کثیر مقدار میں آمدنی حاصل کی جاسکتی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ نہ کاروبار پر اس کا کوئی قابل لحاظ اثر پڑے۔

اور نہ غریب طبقے اس سے ذرا بھی متاثر ہوں۔

ڈاکٹرنے کی خالص آمدنی کو بہ طور ایک ٹکس کے خیال کرنا چنداں مناسب نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اس کی صورت دراصل ایک تجارتی منافع کی سی ہے۔ ڈاکٹرنے کی خدمت ایک طرح کا اجارہ ہے، جس کا اہتمام خود حکومت کرتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ سرکاری طور پر کاروبار چلانے کے لیے چند شرائط کی تکمیل ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ کاروبار سیدھے سادے اور ان کا دستور العمل غیر متغیر ہو۔ دوسرے ان میں نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو، تیسرے وہ ان کاروبار میں سے ہوں جن کی کارگزاری انتظام واحد کی بدولت بڑھ جاتی ہے جس بخوبی کے ساتھ یہ تمام شرائط ڈاکٹرنے کی حالت میں پورے ہوتے ہیں، شاید کسی اور سرکاری کاروبار میں اس طرح پورے نہ ہوتے ہوں۔ اس کا اصل مقدار میں کثیر ہوتا ہے اور زیادہ تر سرکاری عمارات اور ڈاکٹرنے کی گاڑیوں پر مشتمل ہوتا ہے اور جہاں تک تاربری اور ٹیلیفون کا تعلق ہے تار و فونے، اور آلات بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹرنے کا محض یہ کام نہیں ہے کہ خطوط، کاغذات، پارسل اور تار ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچا دے بلکہ مختلف اور کام بھی اس کے توسط سے بہ سہولت انجام پاتے ہیں مثلاً بند و قوں اور کتوں پر ٹکس وصول کرنا، رسائند کے ٹکٹ فروخت کرنا، چھوٹی چھوٹی امانتوں کے لیے حکومتی بینک کا کام انجام دینا، قلیل مقدار کے قرضوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا، حکومت کے تسکات فروخت کرنا وغیرہ۔ ان میں سے بعض خدمات زیادہ پیداوار نہیں ہیں بلکہ بینک کے کاروبار میں تو حکومت کو صریح نقصان اٹھانا پڑتا ہے کیونکہ جس شرح سے امانت داروں کو سود ادا کیا جاتا ہے، خود حکومت کو اس سے کمتر شرح پر سود ملتا ہے اور بالخصوص جب غلے کے اخراجات کا لحاظ کیا جائے تو نقصان بالکل بدیہی ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹرنے کی خالص آمدنی کو اس کے متعدد کاروبار میں سے کسی ایک کا نتیجہ قرار دینا کچھ نامکن سا معلوم ہوتا ہے، تاہم یہ تو یقینی ہے کہ اس آمدنی کا کثیر ترین حصہ اس کے اہلی کاروبار یعنی خطوط رسانی سے حاصل ہوتا ہے اور اس میں بھی خاصکر شہری اضلاع کا حصہ بہت زیادہ ہے کیونکہ وہاں دیہاتی اضلاع کے مقابل ڈاکٹرنے کے مصارف

بہت کم ہوتے ہیں۔ بہر حال ان تمام کاروبار سے بہ حیثیت مجموعی کافی مقدار میں خالص آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ خطوط پہنچانے کا معاوضہ تو نہایت قلیل ہوتا ہے۔ لیکن قوم کو اس سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے، وہ بہت کثیر ہے۔ محصول ڈاک میں مزید تخفیف کرنے سے عوام الناس کو جو فائدہ پہنچ سکتا ہے، وہ بہت حقیر اور ناقابل لحاظ ہے۔ اگر باوجود اس کے کچھ بار پڑتا بھی ہے تو وہ اس قدر بھل جاتا ہے کہ خاص طور پر کسی کو محسوس نہیں ہوتا۔ وہ بالکل اصول مساوات کے مطابق ہے اور مراسلت میں اس کی وجہ سے قطعی کوئی رکاوٹ نہیں پیدا ہوتی۔ اگر باوجود ان تمام خوبیوں کے ہم اس سر حاصل سے دست کشی کر لیں تو اس کی تکمیل کے لیے ہمیں مجبوراً دوسرے ذرائع اختیار کرنے پڑیں گے۔

یکم جنوری ۱۹۱۱ء سے وظائف پرانہ سالی کی تقسیم ڈاکخانے کے سپرد کی گئی۔ اور یکم جنوری ۱۹۱۲ء سے قومی ٹیلیفون کمپنی کا نظام بھی صدر ڈاکخانے کے ماتحت کر دیا گیا۔ قانون بیمہ (۱۹۱۳ء) کی بدولت ان فراہم میں ایک اور اضافہ ہوا۔

تار برقی اور ٹیلیفون، ان دونوں پر ابتدا میں ایک کثیر رقم صرف کی جا چکی ہے، لہذا وہ براہ راست آمدنی کے ذرائع نہیں خیال کیے جاسکتے لیکن قوم کے لیے وہ بے انتہا سہولت کا باعث ہیں۔ ان کی بدولت قوم کو نہ تو پہلی ہی محنت و مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اور نہ پہلے کی طرح وقت ضائع کرنا پڑتا ہے سال بھر کے کاروبار کو پیش نظر رکھتے ہوئے ۱۹۱۱ء میں تار برقی میں ۲۲۷۱۱ پونڈ کی کمی واقع ہوئی اور ٹیلیفون سے ۲۳۹۱۱ پونڈ کا نفع حاصل ہوا۔ ان مصارف کا مبنی بر انصاف ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ یہ خدمات عوام الناس کے لیے بیکار مفید ہیں اور ان کے افادے کا تخمینہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

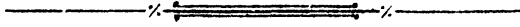
اب قومی آمدنی کی صرف چند چھوٹی مدوں کا ذکر کرنا باقی ہے جو محسوس نہیں شامل نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو شاہی اراضی ہیں جن سے ہالاکھیس ہزار پونڈ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ یہ زمینیں سرکاری املاک میں شمار ہوتی ہیں اور خاص خاص اغراض کے لیے مخصوص رہتی ہیں۔ قرونِ ماضیہ میں شاہی آمدنی کا اکثر حصہ

انہی اراضی سے حاصل کیا جاتا تھا، لیکن اوپر بتایا جا چکا ہے کہ بعض بادشاہوں کی بیجا فیاضی اور نامعقول فضول خرچیوں کی وجہ سے اس ذریعہ آمدنی میں تخفیف ہو گئی۔ لیکن اس کے عوض دوسرے وسائل مہیا کر لیے گئے اور یہ اُن سے بھی زیادہ پیداوار ثابت ہوئے۔ قلم ثالث کی تخت نشینی کے بعد سے اخراجات شاہی کی فراہمی کے لیے ایک نیا طریقہ اختیار کیا گیا، یعنی ہر بادشاہ کی تخت نشینی کے موقع پر اس کے خاندان کی پرورش کے لیے پارلیمنٹ کی جانب سے ایک رقم تعین کر دی جاتی ہے جو انگریزی اصطلاح میں سیول لسٹ (Civil List) کہلاتی ہے۔ ۱۷۷۱ء میں جب جارج ثالث تخت نشین ہوا تو شاہی اراضی سے جس قدر آمدنی حاصل ہوتی تھی، اس سے وہ دست بردار ہو گیا۔ اس کے معاوضے میں پارلیمنٹ نے جارج سوم کے لیے (جو سیول لسٹ منظور کی اس میں اضافہ کیا۔ اس کے بعد سے ان اراضی کا انتظام حکومت کے ایک جداگانہ سررشتے کے سپرد ہے جو سرکاری جنگلات اور مالگزاری کی نگرانی کرتا ہے۔

قومی آمدنی کی ایک اور دلچسپ مدہر سونز کے حصے ہیں۔ ۱۷۷۵ء میں حکومت نے اس کام میں پانچ ملین پونڈ شریک کیے تھے۔ اب ان حصوں کی قیمت ۳۴۹۲۹۰۰ پونڈ ہو گئی ہے اور ۱۹۱۳ء میں ان سے ۲۳۶۳۰۰ پونڈ منافع حاصل ہوا تھا۔ اس کے علاوہ فی جیریا، یونان اور چین ماتحت ممالک کو برطانوی حکومت نے متفرق قرضے دیے تھے، جن سے ۱۹۱۳ء میں ۵۷۹۹۷۲ پونڈ حاصل ہوئے۔ اس کے منجملہ ایک حصہ واپسی اصل کی بابت اور بقیہ سود کی بابت تھا۔

۱۹۱۳ء میں متفرق آمدنی کے زیر عنوان ۳۹۲۴ - ۲۳ پونڈ حاصل ہوئے تھے۔ اس میں عدالتوں کی فیس حقوق ایجا د کی رجسٹری کا معاوضہ اور اسٹامپ شامل ہیں۔ منافع دار الفرب کی مقدار ۴۷ - ۸۰۰۶ پونڈ تھی۔ انگلستان بینک سے ۴۶ - ۸۷ پونڈ وصول ہوئے تھے جو زیادہ تر اعتباری نوٹوں کی اجرائی کے منافع سے حاصل کیے گئے تھے۔ بقیہ آمدنی نتیجہ ہے حکومت کے مختلف سررشتوں اور دیگر وسائل کا جن میں ۸۳۸ پونڈ

بابت (Conscience Money) اور دس ہزار پونڈ بابت آمدنی جسزیرہ مان
شامل ہیں۔



پھٹی فصل

تقدیر ٹکس - منتقلی

کس طرح کوئی ٹکس ادا کنندوں میں تقسیم ہوتا ہے اور اس کے کیا کیا مختلف اثرات ہوتے ہیں، تقدیر ٹکس کا مسئلہ انہی سوالات کی تشریح پر مشتمل ہے۔

تقدیر ایک تو حقیقی ہوتا ہے اور دوسرے فوری حقیقی تقدیر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ٹکس کا بار بالآخر کس شخص پر پڑتا ہے، بر خلاف فوری تقدیر کے جس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظاہر کون شخص ٹکس ادا کر رہا ہے۔ اکثر ٹکس اس قسم کے ہوتے ہیں کہ بالفعل تو وہ کسی ایک شخص سے وصول کر لیے جاتے ہیں لیکن ان کا بار دراصل دوسروں پر منتقل ہو جاتا ہے۔ اور یہ انتقال کبھی تو بہت جلد ہو جاتا ہے اور کبھی وہ بتدریج واقع ہوتا ہے اور مختلف لوگوں کے مفاد اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اشیاء اور اعمال پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں ان میں تو اس قسم کی نقل پذیری کم و بیش عام ہوتی ہے۔ ٹکس مختلف طریقوں سے منتقل ہوتے ہیں۔ اور کسی ٹکس کے حقیقی تقدیر کا پتہ چلانا بسا اوقات سخت پریشانی اور حیرانی کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ثانوی مساوات کی

ملے کسی ٹکس کے تقدیر کا ٹھیک ٹھیک پتہ چلانا ایک نہایت دشوار کام ہے اور یہ دشواری نتیجہ ہے محض حالات کی پیچیدگی کا۔ اسی بنا پر ڈاکٹر کینن نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ تقدیر کا لفظ بالکل ترک کر دیا جائے اور ہم اپنی تمام کوشش صرف ٹکس کے اثرات کی تحقیق تک محدود رکھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم اس سے زیادہ کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ اب رہا لفظ "تقدیر" سود و قدیم سے مروج ہے اور ایک خاص مفہوم کی طرف اشارہ کرنے کے لیے مفید ہے۔

پابندی میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان میں سے ایک یہ عدم یقین کی حالت ہے بعض لوگ حیلہ جوئی کر کے ادائیگیس سے بچ جاتے ہیں مثلاً وہ اپنی آمدنی کی مقدار غلط بتاتے ہیں یا محمول درآمد سے بچنے کے لیے خفیہ طور پر مال نکال لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی جدید ٹکس کے بار سے بچنے کے لیے لوگ اس چیز کا استعمال ترک کر دیتے ہیں اور اس کا کوئی بدل دریافت کر لیتے ہیں یا پیدائش کے طریقوں میں اصلاح کر کے مصارف پیدائش میں تخفیف کرتے ہیں، یا اب تک جو قوت اور خام پیداوار ضائع ہوتی تھی اس کو کام میں لا کر فائدے کی صورت پیدا کرتے ہیں اور یہ فائدہ بسا اوقات مقدار ٹکس سے بھی بڑھ جاتا ہے لیکن یہ دراصل انتقال ٹکس کی مثال نہیں ہے بلکہ معاشی ترقی کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے۔

معاشیات میں "انتقال ٹکس" سے یہ مراد ہے کہ ایک شخص جو پہلا ہر ٹکس ادا کرتا ہے، وہ دراصل اس کا ہر کسی دوسرے شخص پر منتقل کر دے مثلاً محمول درآمد پہلا ہر اس شخص سے وصول کیا جاتا ہے جو باہر سے مال منگواتا ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ اضافہ قیمت کے ذریعے سے یہ ٹکس بہ آسانی خریداروں پر منتقل کر دیا جاتا ہے یہی حال محمول جنگی کا ہے۔ پہلا ہر تو شراب بنانے والا اس ٹکس کو ادا کرتا ہے لیکن درحقیقت اس کا ہر شراب استعمال کرنے والوں پر پڑتا ہے۔ بعض اوقات محض معاشی اسباب کے اثر سے بھی ٹکس کم و بیش منتقل ہو جاتے ہیں۔ کچھ بار تو چیز بنانے والوں پر عائد ہوتا ہے اور بقیہ تاجروں یا خریداروں پر پڑتا ہے۔ بعض اوقات خریداروں سے ٹکس سے بھی زیادہ مقدار وصول کرنی جاتی ہے، کیونکہ چیز بنانے والے ادائیگیس میں جو رقم پیشگی دے دیتے ہیں، اس پر وہ مثل اپنے دوسرے اصل کے ایک شرح معینہ سے سود وصول کرتے ہیں۔

متعد ٹکسوں کے متعلق تو یہ اندازہ کر لیا جاتا ہے کہ ان کا باکس کس پر منتقل ہو گا۔ مثلاً محصولات کروڑ گیری اور جنگی دونوں کے متعلق یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ خاص ان اشیاء کے استعمال کرنے والوں پر عائد ہوں گے تاہم ٹکس وصول کرنے کی سہولت کو پیش نظر رکھ کر مال درآمد منگوانے والوں یا چیز پیدا کرنے والوں پر

یہ محصول لگائے جاتے ہیں لیکن بعض اوقات انتقال کس کا پہلے سے اندازہ کرنا ناممکن ہوتا ہے، کبھی تو وہ توقع سے زیادہ ہو جاتا ہے اور کبھی کم اور کبھی ایسے اشخاص کے مفاد اس سے متاثر ہوتے ہیں جن پر کسی قسم کا اثر ڈالنا مقصود ہی نہ تھا۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اکثر ٹیکسوں کی خامی ان کے بالواسطہ اثرات میں مضمر ہے۔ کیونکہ اکثر غیر متعلق لوگ ان کی سختی کا شکار ہو جاتے ہیں، یا پیدائش دولت پر ان کا مضر اثر پڑتا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ جب کسی چیز پر ٹیکس لگایا جاتا ہے تو اسی تناسب سے اس کی مولیٰ قیمت میں اضافہ ہوتا ہے لیکن بعض اوقات ٹیکس کی شرح کچھ اس طرح معین ہوتی ہے کہ جو لوگ چیز کی تھوڑی تھوڑی مقداریں خریدتے ہیں، انہیں نسبتاً زیادہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ مگر متاع یا تاجر تو اس قدر قیمت ضرور وصول کرے گا جس سے ادائیگی ٹیکس کے بعد اسے منافع حاصل ہو۔ اس طرح خریدار تو ٹیکس سے زیادہ مقدار ادا کرتے ہیں لیکن خزانہ سرکاری میں صرف ٹیکس کی مقدار داخل ہوتی ہے اور جو مزید رقم بچ رہتی ہے وہ تاجروں یا درمیانی لوگوں کو بہ طور منافع کے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ تمباکو پر ایک مزید ٹیکس بحساب ۶ پیس فی پونڈ عائد کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے قیمت میں فی اونس نصف چنی کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اب جو لوگ وقت و ادھ میں تمباکو ۲ اونس سے کم مقدار میں خریدیں گے ان پر ٹیکس کا بار بحساب ۸ پیس فی پونڈ عائد ہوگا۔ یا ممکن ہے کہ کسی مزید ٹیکس کے اثر سے چیز کی طلب میں تخفیف واقع ہو، ایسی صورت میں چیز بنانے والا یا اس کو فروخت کرنے والا نقصان اٹھائے پر مجبور ہوگا، یا تو اسے اپنا کاروبار گھٹانا پڑے گا، یا ٹیکس کا کچھ حصہ خود ادا کرنا پڑے گا۔ سب سے زیادہ سیدھی سادی صورت تو یہ ہے کہ جس چیز پر محصول لگایا جاتا ہے وہ اولاً اس کے بنانے والے یا اس کو باہر سے منگوانے والے سے وصول کیا جاتا ہے، لیکن بالآخر وہ لازمی طور پر خریدار پر منتقل کر دیا جاتا ہے لیکن ہر صورت میں ٹھیک طور پر تین کے ساتھ یہ پتہ چلانا کہ ٹیکس کا بار کن اشخاص پر پڑتا ہے ناممکن ہے۔ نقدی ٹیکس کا مسئلہ ہنایت ہی پیچیدہ ہے اور اس کا قطعی طور پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ جو کچھ تجزیہ کیا جاتا ہے وہ اس طرح ہے کہ ہر قسم کے ٹیکس کی جدانگاہ تحقیق کی جاتی ہے۔ اور گودا اصل ہم مکمل صداقت پر نہیں بلکہ صرف اس کے قریب قریب پہنچتے ہیں، تاہم

یہ ممکن ہے کہ حالات حاضرہ کو پیش نظر رکھ کر ہر قسم کے متعلق ایک ایسا مجرد اصول بنالیا جائے جس سے ہر ایک کے رجحان کا پتہ چل سکے۔

ہر نئے ٹکس کا ایک فوری اثر ہوتا ہے اور ایک آخری۔ فوری اثر کی وجہ سے سابقہ حالات میں تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے۔ اور ایک جدید صورت حال مستقل طور پر رونما ہونے لگتی ہے۔ اس جدید حالت کی نوعیت اور اس کے مستقل طور پر قائم ہونے کے لیے جو وقت درکار ہوتا ہے، ان دونوں کا مدار مسابقت کی آزادی اور وسعت اور طلب و رسد کی تغیر پذیری پر ہوتا ہے۔ ٹکس کے بعض نظریے محض آخری نتائج کو اہمیت دیتے اور فوری اثرات کو قطعاً نظر انداز کر دیتے ہیں، لیکن یہ طرز عمل کسی طرح مناسب نہیں خیال کیا جاسکتا۔ اس میں شک نہیں کہ آخری نتائج ہی زیادہ اہم ہوتے ہیں لیکن ٹکس تو ان نتائج کے برآمد ہونے سے پہلے سے پہلے ادا کر دیے جاتے ہیں اور اس ادائیگی ٹکس کے کچھ فوری اثرات ضرور ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ جب تک جدید حالت مستقل طور پر قائم ہو، ان اثرات کا عمل درآمد مقرر ثابت ہو۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ ٹکس جہاں ایک مرتبہ عائد ہوتے ہیں، ہمیشہ وہیں جے رہنے کی طرف ان کا میلان ہوتا ہے، یعنی دوسروں پر انھیں منتقل کرنے کے لیے کچھ مدت درکار ہوتی ہے کیونکہ معاشی قوتوں کے اثرات بسا اوقات بہت دیر میں نمودار ہوتے ہیں۔ ٹکس کے فوری اور آخری اثرات ایک دوسرے سے اکثر بہت کچھ مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی تو ٹکس ادا کنندہ سے تاجر پر اور تاجر سے

خریدار پر منتقل ہوتا ہے، اس قسم کی نقل پذیری اصطلاح میں (Forward Shifting) کہلاتی ہے۔ بعض اوقات ٹکس کا اثر کسی گزشتہ عامل پیدائش یا

کسی فیملی صنعت پر عائد ہوتا ہے اور یہ صورت اصطلاحاً (Backward Shifting) کہلاتی ہے۔ اگر ٹکس کا یہ اثر ہو کہ اس کی بدولت

عالمین پیدائش و تقسیم دولت کے باہمی تعلقات سب سابق باقی نہ رہیں بلکہ ان کی جدید ترتیب قائم ہو تو یہ انتشار ٹکس کی صورت کہلاتی ہے۔ انہی مختلف حالات کے مشاہدے سے ٹکس کا ایک جدید نظریہ جو نظریہ انتشار

کہلاتا ہے، رونما ہوا۔ اس نظر سے کہ حامیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہرکس خواہ وہ کسی طرح عائد کیا گیا ہو، بالآخر کل سوسائٹی پر مساویانہ تقسیم ہو جاتا ہے اور اس کا باعث وہ مسابقت ہے جو سوسائٹی کے مختلف افراد میں ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ اسی کی بدولت حکومت کے تمام ٹکسوں کا بار قوم کے مختلف افراد پر منتشر ہو جاتا ہے اور ہر شخص اپنی اپنی استطاعت کے موافق اس بار کو برداشت کرتا ہے۔

اس مسئلے کے حامی محض بالواسطہ محصولوں کو جو اشیاء پر عائد کیے جاتے ہیں، پیش نظر رکھتے ہیں۔ اور خود ان محصولوں کا انتشار اور اس کے اثرات بیان کرنے میں بھی بہت کچھ مبالغے سے کام لیتے ہیں۔ لیکن ٹکس تو صرف بالواسطہ نہیں ہوتے بلکہ ہر نظام ٹکس میں بلا واسطہ محصولوں کی بھی ایک کثیر تعداد ہوتی ہے، مثلاً محصول آمدنی، یا محصول جائداد جو مالک جائداد کے مرنے پر اس کے ورثاء سے وصول کیا جاتا ہے، یا وہ محصول جو اعمال و افعال پر لگائے جاتے ہیں۔ ان تمام معورتوں میں ٹکس یا تو منتشر ہی نہیں ہوتا یا اگر ہوتا بھی ہے تو بہت کم۔ مزید براں اگر آخری اثرات ہمیشہ ایک سے ہوتے تو اس بات کی چنداں پروا نہ ہوتی کہ ابتدا میں کس پر ٹکس عائد کیا جاتا ہے مگر یہ حالت موجودہ اس قسم کی بے پروائی نہیں اختیار کی جاسکتی جب تکس کسی جدید ٹکس کی تجویز پیش ہوتی ہے تو بعض طبقے تو اس کی مخالفت کرتے ہیں اور بعض آسانی کے ساتھ اپنی رضامندی کا اظہار کر دیتے ہیں۔ مخالفت تو ان طبقوں کی جانب سے ہوتی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ جدید ٹکس سے انھیں خاص طور پر نقصان پہنچے گا۔ اور جو لوگ اپنے آپ کو ٹکس کے اثر سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں، وہ اسے برداشت کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتے محصول آمدنی جو دراصل ایک محدود جماعت سے وصول کیا جاتا ہے، اگر یہ صحیح ہے کہ وہ تمام قوم پر منتشر ہو جاتا ہے تو پھر زیادہ قرب غفل یہ طریقہ ہے کہ وہ تمام جماعتوں سے براہ راست وصول کر لیا جائے۔ اس طرح وہ نقصان نہ ہونے پائے گا جو ٹکس کے منتقل ہونے میں لاحق ہوتا ہے اور مزید براں اس طرح براہ راست مطالبہ کرنے سے ایک اخلاقی فائدہ یہ بھی حاصل ہو گا کہ جو لوگ درحقیقت ٹکس کا بار اٹھاتے ہیں انھیں اس بات کا احساس ہو گا کہ وہی اخراجات ہیں

نفصول خرجی اختیار کرنے سے کیا کیا اثرات رونما ہوتے ہیں۔ لیکن باوجود ان تمام خوبیوں کے محمول آمدنی کو عام طور پر اختیار کرنا ناراضی کا باعث ہو گا کیونکہ خیال یہ کیا جائے گا کہ مزدوروں کے حق میں وہ مبنی بر انصاف نہیں ہے۔ اور دراصل اس محمول کی مقبولیت کا خاص سبب ہے بھی یہی کہ اس کا بار قوم کی صرف ایک بہت محدود جماعت پر پڑتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض محمولوں کا بار بہت زیادہ ہوتا ہے اور بعض کا کم اور اس بار کو حتمی الامکان کم کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور اگر تمام محمول خود بخود مساوی طور پر منتشر ہوتے تو پھر نظام محمول میں مساوات قائم کرنے اور اس غرض سے نئے نئے قانون بنانے میں اب تک جو دماغی قابلیتیں صرف کی گئی ہیں، یہ سچہ لینا چاہیے کہ وہ سب بیکار ضائع گئیں۔

کسی نظام محمول میں یہ ممکن نہیں کہ ہر محمول ہر لحاظ سے مکمل ہو۔ بعض محمول تو مطلق منتقل ہی نہیں ہوتے بعض منقسم تو ہوتے ہیں لیکن کسی اصول مساوات کے مطابق نہیں۔ اب یہ تحقیق کرنا ضروری ہے کہ ان کی نقل پذیری کا عمل درآمد کیونکر ہوتا ہے اور ان کے بالواسطہ اثرات کیا ہوتے ہیں۔ یہی دراصل مسئلہ قدیم کا بحث بھی ہے اس قسم کی تحقیقات کا فائدہ یہ ہے کہ ان کی بدولت وہ نقصان رفع ہو جاتا ہے جو لاعلمی کی حالت میں پہنچ جاتا۔ ورنہ اگر بلا تحقیق جستجو یہ عجلت کوئی محمول عائد کر دیا جائے تو ممکن ہے کہ وہ نا انصافی کا باعث ہو اور اس کی بدولت چھوٹی چھوٹی صنعتوں کو نقصان اٹھانا پڑے بعض تو بالکل ناپید ہو جائیں اور بعض مردہ اور بیجان کیونکہ بسا اوقات نہایت کمزور فرق بھی معاشی موت و حیات پر اپنا اثر ڈالنے کے لیے کافی ہوتا ہے لیکن محمول لگانے سے مقصد تو آمدنی حاصل کرنا ہے نہ کہ صنعت و حرفت کا گلہ گھونٹ دینا اور جو محمول صنعتوں کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں وہ دونوں طرح سے اپنے نصب العین میں ناکام رہتے ہیں۔

قدیم محمول کے متعلق اس بات کا مطالعہ ضروری ہے کہ صرف اور طلب پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے جب کسی چیز پر محمول لگایا جاتا ہے تو عام طور پر یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ قیمت میں شامل کر دیا جائے گا اور اس طرح بالآخر خریداروں سے وصول کر لیا جائے گا۔ مگر یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ قدم قدم پر مسابقت جاری ہے اور

اصل کی نقل پذیری میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہے۔ پہلے پہل تو ٹکس کی بدولت چیز بنانے والے یا فروشنده کا منافع گھٹ جاتا ہے لیکن بعد ازاں وہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے منافع کی معمولی شرح میں تخفیف نہ ہونے پائے۔ اس غرض سے وہ چیز کی قیمت میں اضافہ کر دیتا ہے اور اس طرح سے ٹکس کا بار خریدار پر منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عام طور پر عملدرآمد بالکل ایسا ہی ہے لیکن پھر بھی مسابقت بالکل مکمل نہیں ہوتی بلکہ اس میں متعدد مشکلات مزاحم ہوتی ہیں۔ مزید براں طلبہ پر اضافہ قیمت کا اثر بھی ہمیشہ ایک سا نہیں ہوتا بلکہ ہر چیز کی نوعیت کے ساتھ وہ بھی مختلف ہوتا ہے۔

د ۱ جس چیز پر ٹکس لگایا جائے اگر وہ مایحتاج زندگی میں سے ہو یا جیٹیک محض اس کے اخراجات بہت ہی قلیل ہوں تو ایسی صورت میں چیز کے استعمال پر ٹکس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس قسم کی چیزوں کی طلب غیر تغیر پذیر ہوتی ہے، ان کی پیدائش اور فروخت حسب حال جاری رہتی ہے اور ٹکس کا بار اس چیز کے استعمال کرنے والوں پر پڑتا ہے۔ لیکن چونکہ استعمال کرنے والوں کی آمدنی کا نسبتاً زیادہ حصہ اس چیز کی خریداری میں صرف ہونے لگے گا، لہذا ان کی عام استطاعت خرید میں فرق آجائے گا دوسری چیزوں کے لیے ان کی طلب کم ہو جائے گی اور تخفیف طلب کی وجہ سے ان کی قیمتیں گھٹ جائیں گی۔ اس طرح ٹکس کا اثر ان اشخاص پر منتقل ہو جائے گا جو ان دوسرے اشیاء کے بنانے والے ہوں گے۔ چنانچہ جب کبھی روٹی یا اور اشیائے خوراک کی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں تو اس قسم کے نتائج پیدا ہوتے ہیں، عام ازیں کہ اضافہ قیمت کا باعث کوئی ٹکس ہو یا غلے کی قدرتی کمی۔ ضروریات زندگی کی حسب معمول مقدار حاصل کرنے کے لیے بہت سے فائدہ ان اس بات پر مجبور ہوں گے کہ دوسری کم ضروری اشیاء کی خریداری میں تخفیف کر دیں۔ لہذا اس قسم کے ٹکس کا فائدہ بہت دور درنگ منتقل ہو جائے گا۔ ایک طرف تو اشیائے خوراک کے خریدار دوسری چیزیں سابقہ مقداروں میں حاصل نہ کر سکیں گے اور دوسری طرف ان چیزوں کی طلب میں تخفیف واقع ہونے سے ان کے پیدا کرنے والوں کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔

(ب) لیکن اگر جس چیز پر ٹکس لگایا جائے اس کا کوئی بدل موجود ہو یا وہ
 مایحتاج زندگی میں سے نہ ہو تو ایسی صورت میں اضافہ قیمت کا یہ اثر ہوگا کہ چیز کی
 ۱۰۹ طلب گھٹ جائے گی، کاروبار میں تخفیف واقع ہوگی اور اس طرح ٹکس کا کچھ
 بار پیدا کرنے والوں پر منتقل ہو جائے گا۔ یہ لوگ یا تو پھر پرانی قیمتوں پر
 لوٹ آئیں گے اور اس طرح ٹکس کا بار خود اٹھائیں گے یا وہ اس بات کی کوشش
 کریں گے کہ برسی ہوئی قیمتیں برقرار رہیں۔ دونوں صورتوں میں وہ لوگ جو
 نامساعد حالات میں چیز تیار کر رہے تھے اور جنہیں قلیل سے قلیل منافع مل رہا تھا،
 سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے۔ اور کوئی عجب نہیں کہ میدان مسابقت سے
 وہ بالکل ناپید ہو جائیں اور اس طرح تخفیف استعمال کے ساتھ ساتھ پیدایش میں بھی
 کمی واقع ہو کر طلب و رسد کا توازن قائم ہو جائے۔ جو لوگ اس کشمکش کے بعد
 بچ رہیں گے، چونکہ ان کے کاروبار میں اضافہ ہو جائے گا، لہذا ممکن ہے کہ انہیں نقصان
 نہ اٹھانا پڑے۔ مزید برآں پیدایش کے بالعموم بہت سے مدارج ہوتے ہیں۔
 اور قبل اس کے کہ چیز استعمال میں آئے، اس کو متعدد درمیانی مدارج طے کرنا
 پڑتے ہیں۔ اور اگر کسی درجے پر مسابقت مکمل نہ ہو تو کمزور فریق کو نقصان اٹھانا
 پڑے گا۔ لیکن اگر کسی درمیانی شخص (مثلاً مال درآمد کرنے والا یا تاجر) کو اجارہ
 حاصل ہو جائے تو وہ زیادہ آسانی کے ساتھ اپنا بار منتقل کر سکے گا بعض چیزیں
 اس قسم کی ہوتی ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی جگہ استعمال کی جاسکتی ہیں جب اس
 قسم کی کسی چیز پر ٹکس لگایا جاتا ہے تو اس کی طلب میں کمی واقع ہوتی ہے اور
 اس کے ساتھ والی دوسری چیزوں کی طلب اور اس وجہ سے ان کی قیمتوں میں
 اضافہ ہوتا ہے، بلحاظ دیگر ٹکس کا بار اس شعبے کی تمام چیزوں پر منتشر ہو جاتا ہے۔
 (ج) جس چیز پر ٹکس لگایا جاتا ہے، اس کی پیدایش یا تجارت کا اگر کسی
 شخص کو اجارہ حاصل ہو (جیسا کہ ٹرسٹ اور اتحادات کی صورت میں ہوتا ہے)
 اور وہ چیز ضروریات زندگی میں سے نہ ہو تو ایسی صورت میں ٹکس کے اثر سے
 فرو شدہ کا منافع گھٹ جائے گا، بشرطیکہ سابق میں جو قیمت وصول
 کی جا رہی تھی، وہی خریداروں کے حق میں انتہائی افادے کے مطابق ہو۔

ان حالات میں قیمت مسابقت کے اثر سے معین نہیں ہوتی بلکہ اجارہ دار اُسے معین کرتا ہے۔ اور اس کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ کثیر سے کثیر آمدنی حاصل ہو۔ لہذا اگر اس قیمت کو بڑھانے کی کوشش کی گئی تو طلب کا گھٹنا ناگزیر ہے اور اس طرح اجارہ دار کو دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت منتخب کرنا پڑے گی یا تو اُسے ٹکسوں کا بار اٹھانا پڑے گا، یا کاروبار کی تخفیف سے جو نقصان لاحق ہوگا، اُسے برداشت کرنا پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں اجارہ دار خواہ مخواہ وہی صورت اختیار کرے گا جس کی بدولت اس کو کثیر سے کثیر خالص آمدنی حاصل ہو سکے۔ ایک صورت میں اجارہ دار خود ٹکس ادا کرتا ہے اور دوسری صورت میں وہ ان لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے جو اعلیٰ قیمتوں کے باوجود اپنی خریداری جاری رکھتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اجارہ دار کو بھی تخفیف کاروبار کی وجہ سے کچھ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر جس چیز پر ٹکس لگایا جائے، وہ بہت زیادہ مطلوب ہو تو اجارہ دار اس توقع پر قیمت بڑھا سکتا ہے کہ خریدار شور و شغب مچا کر اس ٹکس کو منسوخ کر لیں گے۔ اگر ٹکس اجارہ دار کے خالص منافع پر لگایا جائے تو اس کی صورت بالکل اُس ٹکس کی سی ہو جائے گی جو لگان پر عائد کیا جاتا ہے اور جو قطعاً منتقل نہیں ہو سکتا۔

بعض لوگوں کو نقل و حمل، پیدائش یا پیدائش کے کسی ضروری عامل پر کسی نہ کسی شکل میں اس قدر اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس کی بدولت مسابقت کو خارج کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ اجارہ دار قیمت بڑھا دے گا جس کا نقصان بہ حیثیت مجموعی قوم پر عائد ہوگا۔ لیکن اگر کوئی ملک کسی چیز کا تنہا پیدا کرنے والا ہے تو اس کے لازمی معنی یہ نہیں ہیں کہ اُسے قیمت اجارہ مل جائے گی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ خود پیدا کرنے والوں کے درمیان اپنی اپنی پیداوار باہر بیچنے کے لیے مسابقت ہو یا دوسری چیزیں ایسی موجود ہوں جو اس کی جگہ استعمال کی جا سکیں۔ بہر حال ٹکس لگانے کے لیے یہ اجارہ نہایت موزوں ہیں لیکن دقت یہ ہے کہ بسا اوقات قیمت اجارہ کی تشخیص ناممکن ہو جاتی ہے اور اجارے کے نتائج اور صحیح تشخیص مسابقت کے اثرات میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ مسابقت کی عدم موجودگی میں یہ بات ناممکن ہے کہ قیمت مسابقت کا ٹھیک اندازہ لگایا جاسکے۔

میں معلوم ہوا کہ انتقالِ ملک کا عملہ اس بات پر ہے کہ قیمت پر ٹکس کا کیا اثر پڑتا ہے یہ الفاظ دیگر چیز کی طلب و رد سے جو قیمت پر منحصر ہے، ٹکس سے کیونکر متاثر ہوتی ہے۔ اب اس قسم کے تغیرات اور کئی بیشیوں کی کثیر التعداد صورتیں ممکن ہیں۔ لیکن اصول جو درپیش ہے، وہ بالکل عام ہے اور اضافہ قیمت کی تمام صورتوں پر مساوی حیثیت سے اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اضافہ خواہ اشیاء کی قیمتوں میں ہو یا اجرتوں میں یا منافع میں، یہ اصول سب پر یکساں منطبق ہوتا ہے۔ اضافہ قیمت کے غاص اسباب کو اس میں ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ اب چونکہ ٹکس بھی منجملہ ان اسباب کے ایک سبب ہے، لہذا اس کا عملہ آمد بھی اسی طرح ہوتا ہے جس طرح کہ اضافہ مصارف کے دوسرے اسباب کا۔

جہاں تک خالص مسئلہ قدر کا تعلق ہے، یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ مسابقت بالکل مکمل ہے۔ لیکن دراصل نقل پذیری میں متعدد بندشیں اور کثیر التعداد موافقات موجود ہوتے ہیں جن کی وجہ سے کسی خاص ٹکس کے حقیقی بار کا پتہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس کے علاوہ بہت سی مخالف قوتوں کا عملہ آمد بھی جاری رہتا ہے، جس کی بدولت یہ مسئلہ اور بھی زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ جس وقت روٹی پر ٹکس لگایا جاتا ہے، اتفاق سے اس سال غلے کی فصل نہایت کامیاب ثابت ہوتی ہے۔ اب ایک طرف تو ٹکس کا یہ اثر ہونا چاہیئے کہ روٹی کی قیمت میں اضافہ ہو اور دوسری طرف فصل کی کامیابی کی بدولت اس میں تخفیف ہونی چاہیئے، لیکن ہوتا دراصل یہ ہے کہ ٹکس کا اثر نہ ہوا رہتا ہے اور نہ کامیابی فصل کا، بلکہ دونوں ایک دوسرے کے اثر سے رکے رہتے ہیں۔

کسی ٹکس کے عملہ آمد پر اس کے رقبے یا اس کی عمومیت کا بھی اثر پڑتا ہے۔ اگر چائے یا تبا کو کے محمول کی طرح ٹکس عام ہو تو اس کا اثر معمول کے مطابق ہوگا، یعنی اس کی بدولت چیز کی قیمت میں اضافہ ہوگا، لیکن اگر ٹکس کا رقبہ نسبتاً چھوٹا ہو یا اگر وہ ایک قلیل جماعت پر عائد کیا جاتا ہو تو اس کا بار بے قاعدہ طریقے پر منقسم ہوگا، مثلاً اگر مقامی شرمیں ایک علاقے میں زیادہ اور اس کے قریب دوسرے

علاقے میں کم ہوں تو بہت ممکن ہے کہ اول الذکر علاقے کے کچھ لوگ آخر الذکر علاقے میں منتقل ہو جائیں۔ اس طرح ٹکس کا یہ اثر ہوگا کہ زیادہ ٹکس والے علاقے میں بعض اراضی کا لگان تو قطعاً بند ہو جائے گا اور بقیہ کے لگانوں میں تخفیف واقع ہوگی۔ اسی طرح کسی احتیاج کو پورا کرنے والی متعدد اشیاء میں سے اگر صرف کسی ایک پر ٹکس لگایا جائے تو بھی یہی نتیجہ برآمد ہوگا، مثلاً کشمش، منقہ اور انجیر، چائے، کافی اور کوکو۔ سوئی، ادنیٰ اور کتنا فی کپڑے۔ اسی طرح نقل و حمل کے متعدد ذرائع اور پیدایش کے مختلف طریقوں میں سے صرف کسی ایک پر ٹکس لگایا جائے تو بالکل یہی کیفیت نمودار ہوگی۔ ان تمام صورتوں میں ٹکس کا ایک جزو تو اس خاص چیز کے بنانے والے یا اس خاص طریقے کو اختیار کرنے والے پر پڑے گا۔ چونکہ اس طرح کی تمام چیزیں اور اس قسم کے تمام طریقے ایک دوسرے کے حریف ہوتے ہیں لہذا جب کسی ایک کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے تو لوگ اسے چھوڑ کر اسی قسم کی دوسری چیزیں استعمال اور اسی طرح کے دوسرے طریقے اختیار کرنے لگتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس خاص صنعت کو نامساعد حالات میں کام چلانا پڑتا ہے۔ لوگ اپنا اصل اس میں لگانا نہیں پسند کرتے بلکہ جو اصل پہلے سے لگا ہوا ہے اس میں بھی تخفیف ہونی شروع ہوتی ہے اور اس طرح کاروبار کی وسعت پہلے سے کم ہو جاتی اور رسد کی مقدار نسبتاً گھٹ جاتی ہے۔ تخفیف رسد کی وجہ سے قیمتیں پھر کچھ سنبھلنے لگتی ہیں اور بتدریج ایک جدید معیار قائم ہو جاتا ہے جس کے بعد ٹکس کا بارخیزداروں پر پڑتا ہے۔ ان حالات میں تفصیلی طور پر درجہ بدرجہ تقدیر کا پتہ لگانا ممکن نہیں۔ البتہ اس قدر ضرور کہا جاسکتا ہے کہ فوری تقدیر تو زیادہ تر چیز کے بنانے یا فروخت کرنے والے پر پڑتا ہے اور آخری تقدیر استعمال کرنے والوں پر عائد ہوتا ہے۔

جن صنعتوں کا اصل تخصیص یافتہ اور غیر نقل پذیر ہوتا ہے، ان کے حق میں جدید ٹکس کا اثر بسا اوقات تباہ کن ثابت ہوتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ٹکس کی وجہ سے قیمتیں چڑھ جاتی ہیں اور طلب میں تخفیف واقع ہوتی ہے۔ اب جن صنعتوں میں اصل قائم کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے، تخفیف طلب کی وجہ سے ان کا پورا اصل کام میں نہیں لگایا جاسکتا اور اگر لگایا جائے تو اس سے حسب سابق

منافعہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ ایسی صورت میں کارخانہ داروں کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ یا تو اپنے کاروبار میں تخفیف کر دیں اور اس طرح اپنی مشینوں کو بیکار پڑی پڑی ضائع ہونے دیں یا اگر اس میں زیادہ نقصان پہنچے گا اندیشہ ہو تو ٹکس کا بار اٹھانے پر آمادہ ہو جائیں، یہاں تک کہ کچھ مدت بعد اس صنعت میں اصل کی مقدار خود بخود کم ہو جائے۔ اس واسطے کہ جوں جوں اصل قائم پڑنا ہو کر بیکار ہوتا جائے گا، اس کی جگہ نیا اصل نہیں لگایا جائے گا بلکہ جو صنعتیں زیادہ نفع بخش نظر آئیں گی، انھی میں لوگ اپنا اصل لگاتے جائیں گے۔ اس تمام عمل درآمد کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بتدریج اس صنعت میں طلب و رسد کا ایک نیا توازن قائم ہو جائے گا۔ تاہم عارضی طور پر نہ صرف اس صنعت کو بلکہ ان صنعتوں کو بھی جو اس کے لیے مشنری تیار کرتے ہیں، سخت نقصان اٹھانا پڑے گا۔

انتقال کس کی مختلف صورتوں کی جو کیفیت اور پیش کی گئی ہے اس سے مندرجہ ذیل رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) جہاں تک خاص مایحتاج زندگی کا تعلق ہے، ان کی طلب غیر تغیر پذیر ہوتی ہے۔ لہذا جدید ٹکس قیمت میں شامل ہو جائے گا، اور خریدار اس کی ادائیگی کا بار چڑھے گا۔ اس کے علاوہ اس کی عام قوت خرید میں تخفیف واقع ہونے سے بعض بالواسطہ نتائج بھی رونما ہوں گے۔

(۲) جہاں تک معمولی ضروریاتِ راحت کا تعلق ہے، ان کی طلب بہت زیادہ تغیر پذیر ہوتی ہے قیمت کے ذرا چڑھ جانے سے بڑے بڑے اثرات پیدا ہوتے ہیں اور طلب میں بہت بھاری تخفیف واقع ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں گھان غالب یہ ہے کہ جدید ٹکس کا بار ابتدائے کارخانہ دار، سماجر اور خریدار میں منقسم ہو جائے گا۔ لیکن بالآخر جب طلب و رسد میں نیا توازن قائم ہو جائے گا تو ٹکس زیادہ تر خریدار ادا کریں گے جس چیز کے متعدد بدل موجود ہوں یا جہاں ذیلی اور تقسیمی اشیاء کا سوال درپیش ہو تو ایسی چیز پر ٹکس لگانے سے اس کی قیمت بڑھ جاتی اور طلب کم ہو جاتی ہے اور اس کی تکمیل کے لیے دوسری چیزوں کی طلب میں اضافہ اور قیمتوں میں بھی قدرے زیادتی ہو جاتی ہے۔

(۳) جہاں تک قنیش یا اجارے کا تعلق ہے پہلے ہی سے چیز کی قیمت اعلیٰ ترین افادے کے مطابق ہوتی ہے۔ اب اس میں ٹکسوں کا اور اضافہ کیا جائے تو لازمی طلب گھٹ جائے گی اور چیز بنانے والے یا اجارہ دار کو غائب ٹکس ادا کرنا پڑے گا۔

(۴) اگر مصارف پیدایش پر جگہ سداہی نہیں بلکہ مختلف ہوں تو جو کارخانہ دار پیدایش کی حد مختتم پر ہوں گے اور جو بلا منافعہ کام چلا رہے ہوں گے، انھیں ٹکس کی وجہ سے اپنا کاروبار ترک کرنا پڑے گا۔ اب جو بہتر کارخانہ دار بچ رہیں گے اگر وہ ٹکس ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو سابقہ طلب کو بہ تمام و کمال پورا کر سکیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کارخانوں کی تعداد تو گھٹ جائے گی لیکن ہر کارخانہ بہ نسبت سابق زیادہ پیداوار تیار کرے گا۔ ممکن ہے کہ اس طرح قانون تکلیف حاصل کا عمل درآمد جاری ہو کر اس نقصان کی تدریج تلافی ہو جاوے جو ٹکس کی بدولت لاحق ہوا تھا۔

(۵) اگر چیز کی قیمت کا مقابلہ کرتے ہوئے ٹکس کی مقدار بہت تھوڑی ہو تو ممکن ہے کہ قانون تساہل اس ٹکس کو خریدار پر منتقل ہونے سے روک دے۔ انتقال ٹکس کے دوران میں تجارت کو ممکن ہے کہ اس قدر نقصان پہنچے گا اندیشہ ہو کہ اس سے منافع میں کسی قدر تخفیف ہونا زیادہ گوارا ہو۔ قاعدہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے ٹکس جہاں ایک مرتبہ عائد ہوتے ہیں اکثر وہیں برقرار رہتے ہیں۔

(۶) اگر جس چیز پر ٹکس لگایا جائے وہ دیر پا ہو اور اس سے متعدد مرتبہ کام لیا جاسکتا ہو (جیسے کہ مشین کی حالت ہے) اور اگر ٹکس کی مقدار بھی قابل لحاظ ہو تو ایسی صورت میں طلب گھٹ جائے گی اور جو صنعتیں اس چیز کے بنانے سے متعلق ہوں گی انھیں ضرر پہنچے گا جس ٹکس کا اثر اصل قائم پر پڑتا ہے اور اصل میں نقل پذیری کم ہوتی ہے وہ مشکل سے منتقل ہوتا ہے اور اگر جوتا بھی ہے تو بہت دیر میں وہ اس وقت تک اپنی جگہ پر برقرار رہتا ہے جب تک کہ پرانا اصل فرسودہ ہو کر بیکار ہو جائے اور اس طرح تدریج اس صنعت کی وسعت خود بخود کم ہو جائے اس کے بعد ٹکس کا بار خریدار پر پڑنے لگتا ہے۔

(۷) ٹکسوں میں بار بار تغیر و تبدل نہ ہونا چاہیے۔ گوا ابتدا میں ہر جدید ٹکس نئی وجہ سے کچھ نہ کچھ رد و بدل واقع ہوتا ہے۔ تاہم کچھ عرصے بعد معمولی حالات

دو بارہ مستقل طور پر قائم ہو جاتے ہیں۔ لوگ ٹکس کے عادی ہو جاتے ہیں اور انہیں اس کا بار نہیں محسوس ہوتا لیکن یہ بات ہر حال میں صحیح نہیں ہو سکتی۔ محض استعمال یا عادت کی وجہ سے کوئی نا انصافانہ یا مبنی بر انصاف نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بعض حالات میں وہ اور زیادہ شدید ہو جاتا ہے۔

مزدوروں کی اجرت پر جو ٹکس لگایا جاتا ہے اس کے نقدیہ کا حال معلوم کرنے کے لیے یہ پتہ لگانا ضروری ہے کہ ان کے معیار زندگی پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ یہ معیار جگہ جگہ بدلتا رہتا ہے اور خود ایک ہی مقام کے مختلف افراد کے معیار بھی جدا گانہ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ جوں جوں ایک زمانے سے دوسرے زمانے میں حالات متغیر ہوتے جاتے ہیں، معیار زندگی بھی ایک حالت پر نہیں قائم رہتا بلکہ اس میں بھی ساتھ ساتھ تبدیلیاں نمودار ہوتی جاتی ہیں۔ جہاں تک ان مزدوروں کا تعلق ہے، جن کی اجرتیں بالکل "محدکفات" تک پہنچ چکی ہیں، ٹکس کا منتقل ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ہمارے معروضے کے مطابق ان کی اجرتوں میں مزید تخفیف کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ آدم آسمتھ کا خیال تھا کہ ایسی صورتوں میں ٹکسوں کے اثر سے مزدوروں کی نقد ادھ گھٹ جاتی ہے اور اس طرح ٹکس کا اثر بالآخر یا تو آجر کے منافع پر پڑتا ہے یا اعلیٰ قیمتوں کی شکل میں خریداروں پر عائد ہوتا ہے۔ لیکن ان ٹکسوں کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہوتی ہے کہ وہ بہت دیر میں منتقل ہوتے ہیں۔

اگر اجرت پر ٹکس لگانے سے مزدوروں کا معیار زندگی گھٹ جائے تو اس کی وجہ سے ان کی کارکردگی پر برا اثر پڑے گا اور ان کے کام کی حسب سابق قدر نہ ہوگی۔ لہذا اس کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ ٹکس کا کم از کم ایک حصہ ضروریات و توجروں پر عائد ہو گا یا باقی کل قوم کو اس کا بار اٹھانا پڑے گا۔ اعلیٰ معیار کے باہارت مزدوروں کی اجرت پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں ان کا حرکت کرنا نسبتاً زیادہ دشوار ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جب مزدور کی مہارت اجارے کے درجے پر پہنچ جاتی ہے تو ٹکس کا بار تمام و کمال مزدور ہی پر پڑتا ہے۔ جہاں تک علمی پیشے والے اور اعلیٰ درجے کے مہارت یافتہ مزدوروں کا تعلق ہے، ان کی اجرتوں میں ایک جز مثل لگان کا شامل ہوتا ہے جس پر ٹکس کا بار عائد ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جس قدر کسی پیشے میں

اجارے کی نوعیت زیادہ ہوتی ہے (عام ازیں کہ وہ اجارہ قدرت کا کوئی عطیہ ہو یا کسی استحقاق کا نتیجہ) اسی قدر اس میں لگان کا جز زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ ان صورتوں میں مسابقت کام اور جگہ کے لیے ہوتی ہے نہ کہ براہ راست اجرت کے لیے۔ بیرسٹری، ڈاکٹری، مصوری، کلیسانی ملازمت اور سیول سرورس ان کی نمایاں مثالیں ہیں۔ اور یہی حال اعلیٰ درجے کے مامہارت پیشوں کا ہے۔ ان صورتوں میں ٹکس براہ راست منتقل نہیں ہو سکتا، البتہ ان پیشوں میں داخل ہونے والے اشخاص کی تعداد اس کی بدولت محدود ہو جاتی ہے بن پیشوں کی اجرتوں میں لگان کا جز کمتر شامل ہوتا ہے اور اجرت کا معیار مسابقت کے اثر اور طلب و رسد کے توسط سے قرار پاتا ہے، ان میں یہ بات زیادہ ممکن ہے کہ ٹکس کا کچھ بار اعلیٰ قیمتوں کی شکل میں کل قوم پر عائد ہو۔ اصول تو ان میں بھی وہی ہے جو چیزوں کی حالت میں کام کرتا ہے لیکن جہاں تک محنت کا تعلق ہے، معاشی قوتوں کے عکس راہ میں تعداد زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک تو محنت میں نقل پذیری کم ہوتی ہے، دوسرے تبدیل پیشہ یا نقل مقام میں اخراجات لاحق ہوتے ہیں اور تیسرے انتظار کشی بہت دشوار ہوتی ہے۔ ان تمام اسباب کا نتیجہ یہ ہے کہ محنت کی طلب و رسد میں اس قدر جلد توازن کہیں قائم کیا جاسکتا جس قدر کہ اشیا کی حالت میں ممکن ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ٹکس بہت دیر میں منتقل ہوتا ہے اور یہ نقل پذیری غیر یقینی ہوتی ہے۔ عام منافع پر ٹکس لگانا گویا اصل پر ٹکس لگانا ہے۔ ایسا ٹکس براہ راست منتقل نہیں ہو سکتا لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ ہر شخص کا منافع مساوی نہیں ہوتا بلکہ ان میں زبردست اختلاف ہوتا ہے لہذا ممکن ہے کہ زیادہ منافع کمانے والے آجرتو ٹکس کو برداشت کر لیں لیکن جو آجرت کم حیثیت ہوں وہ اس کی بدولت میدان مسابقت سے بالکل ناہید ہو جائیں۔ اس کے علاوہ دولت پس انداز کرنے والوں کی ہمتیں پست ہو جائیں گی، مشغل اصل سے لوگ احتراز کریں گے اور بہتر منافع کی تلاش میں اپنا اصل دوسرے مقامات میں منتقل کر دیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قیمتیں چڑھ جائیں گی اور کاروبار میں تخفیف واقع ہوگی۔ اس طرح ٹکس کا کچھ حصہ تو تیریداروں پر منتقل ہو جائے گا اور کچھ مزدوری پیشہ طبقے پر کیونکہ تخفیف کا دوبارہ کی وجہ سے

آخر الذکر کی اجرتوں میں لازمی کمی واقع ہوگی۔

لیکن آج کل پس اندازی میں شیعہ سود پر نہیں منحصر ہوتی بلکہ دوسرے اسباب بھی اس پر اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ مگر شتہ نصف صدی کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ شرح سود کی تخفیف کے ساتھ ساتھ پس اندازی میں اضافہ ہوتا گیا ہے۔ لہذا یہ بات خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے کہ کاروبار یا عام قیمتوں پر ٹکس کا بہت زیادہ اثر پڑے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ اصل پر ٹکس لگانا معاشی نقطہ نظر سے مضر اور خلاف انصاف ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ان لوگوں کو ایک بجا سزا بھگتنی پڑتی ہے جو کفایت شعاری سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ لیکن اگر عام طور پر یہ ٹکس لگادیا جائے تو اس کے منتقل ہونے کا زیادہ امکان نہیں رہتا۔ البتہ خاص خاص صنعتوں کے منافع پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں، وہ ضرور منتقل ہو جاتے ہیں۔ لوگ ان صنعتوں میں اصل لگانا ترک کر دیتے ہیں اور ان صنعتوں کو ترجیح دینے لگتے ہیں جن پر اس طرح ٹکس کا بار نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ٹکس ادا کرنے والی صنعتوں میں اشیائی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں حتیٰ کہ ان کا منافع دوبارہ عام سطح پر پہنچ جاتا ہے اور ان میں اصل لگانے کے لیے لوگوں کو پھر ترغیب ہونے لگتی ہے۔

جو ٹکس حاصل زائد پر لگائے جاتے ہیں وہ منتقل نہیں ہوتے۔ چنانچہ معاشی لگان پر عام ازیں کہ وہ زرعی ہو یا ارضی، جس قدر ٹکس لگائے جاتے ہیں وہ اپنی جگہ پر برقرار رہتے ہیں۔ منافع یا اجرت میں مثل لگان کا جو جز شامل ہوتا ہے اس کا بھی یہی حال ہے جن قوتوں کے اثر سے وہ منتقل ہوتا بھی ہے وہ حاصل زائد پیدا کرنے والوں کی ہمتوں کو پست کر کے صرف بالواسطہ طور پر اپنا اثر دکھلاتی ہیں۔ جہاں تک زرعی زمین کا تعلق ہے، اصول یہ ہے کہ لگان کا شتہ منقطع کے اثر سے معین ہوتا ہے۔ اختتامی زمیوں سے جس قدر پیداوار حاصل ہوتی ہے وہ سب کی سب مصارف پیدایش کے مساوی اور قیمت میں شامل ہوتی ہے۔ اس حالت میں لگان دستیاب ہی نہیں ہوتا جس پر ٹکس لگایا جاسکے۔ لیکن اس سے اعلیٰ درجے کی زمینوں پر لگان حاصل ہوتا ہے اور اس پر جو ٹکس لگایا جاتا ہے وہ منتقل نہیں ہو سکتا۔ لگان چونکہ قیمت میں نہیں شامل ہوتا اس لیے قیمت ٹکس سے متاثر نہیں ہو سکتی۔ اور اس طرح لگان پر جو ٹکس عائد کیا جاتا ہے اس کا بار لگان پائے والے پر ہی ہوتا ہے۔

شہر کی زمینوں سے جو لگان حاصل ہوتا ہے اس پر بھی اسی استدلال کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ شہر میں بعض زمینیں تو اس قدر قابل قدر ہوتی ہیں کہ ان کے مالک ایک طرح کے قدرتی اجارہ دار سمجھے جاتے ہیں اور ان کو اپنی اراضی سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ بالکل اجارے کی آمدنی سے مشابہ ہوتی ہے۔ ان اراضی کے لگان پر جو ٹیکس لگائے جاتے ہیں، وہ دراصل حاصل زائد پر عائد ہوتے ہیں اور اسی لیے دوسروں پر نہیں منتقل ہو سکتے۔ لیکن بعض زمینیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن سے کمترین ارضی لگان حاصل ہوتا ہے اور اس لگان پر جو ٹیکس لگائے جاتے ہیں، ان کا کرایہ دار پر منتقل ہونا ممکن ہے کیونکہ کوئی عمارتی زمین ایسی نہیں ہوتی جس سے کچھ نہ کچھ لگان حاصل نہ ہوتا ہو جیسا کہ پہلے ہی بیان کیا گیا ہے، مسابقت کا عمل درآمد مکمل نہ ہونے سے یہ اصول خواہ وہ مجرد اکتے ہی صحیح ہوں، اپنی اصلی حالت پر نہیں باقی رہتے بلکہ ہر انفرادی صورت کے مختلف حالات کے لحاظ سے ان میں تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے اور ان کی حیثیت محض چند رجحانات کی سی ہو جاتی ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ زمین کا لگان ہر حالت میں خالص حاصل زائد ہی ہو۔ بسا اوقات زمین کی اصلاح کی غرض سے اس پر اصل صرف کیا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات زمین پر صرف دسترس حاصل کرنے کے لیے روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ ان صورتوں میں لگان میں اصل کا سود بھی شامل ہوتا ہے۔ لیکن اس کو حاصل غیر مکتب سے علیحدہ کرنا دشوار ہوتا ہے۔ لہذا اس قسم کے لگان پر جو ٹیکس لگائے جاتے ہیں وہ لگان اور سود دونوں پر عائد ہوتے ہیں۔ اگر لگان پر ٹیکس لگانے کا نتیجہ یہ ہو کہ لوگ اصلاح اراضی پر روپیہ خرچ کرنا ترک کر دیں تو ایسی صورت میں قیمت میں اضافہ ہو کر ٹیکس کا کچھ بار خریداروں پر منتقل ہو جائے گا، غذا کی ضروری مقدار حاصل کرنے کے لیے ادنیٰ قسم کی زمینیں پر کاشت کرنا پڑے گا، کاشت کی حد ادنیٰ ہونے سے قانون تقبیل حاصل کا عمل درآمد شروع ہو جائے گا۔ اور اس طرح مصارف پیدائش میں اضافہ ہو گا۔ پس معلوم ہوا کہ اصلاح اراضی کی بدولت جو لگان حاصل ہوتا ہے اس پر ٹیکس لگانا گویا اس اصل پر ٹیکس لگانا ہے جو زمین پر صرف کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ کچھ لوگ اس طور پر اصل صرف کرنا چھوڑ دیں گے اس کی وجہ سے قیمتیں

پڑے جائیں گی اور اس حد تک ٹکس خریداروں پر عائد ہوگا۔

یہی استدلال منافع کے اس حصے پر بھی منطبق ہو سکتا ہے جو لوگان سے مشابہ ہوتا ہے۔ منافع کا یہ حصہ نتیجہ ہوتا ہے اعلیٰ درجے کی انتظامی مہارت کا جو ہر شخص میں مساوی طور پر نہیں پائی جاتی۔ اگر ٹکس منافع کے اس حصے پر عائد ہو جو آجر کی مخصوص انتظامی قابلیت کا نتیجہ ہے اور جس سے دوسرے آجر بالعموم محروم رہتے ہیں تو ایسی صورت میں وہ منتقل نہیں ہوگا لیکن جن آجروں کو اس قسم کا کوئی مخصوص منافع نہیں میسر ہوتا، اگر ٹکس کا اثر ان تک پہنچ جائے تو ممکن ہے کہ انھیں اپنا کاروبار ہی ترک کر دینا پڑے۔ لہذا منافع پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں ان کا اثر مختلف آجروں پر مختلف ہوتا ہے اور بسا اوقات ان کا بار دوسرے طبقوں پر بھی منتقل ہو جاتا ہے۔ اگر محصول مکان عام طور پر جاری کر دیا جائے تو وہ اصل کی ایک خاص شکل پر ٹکس لگانا ہوگا اور مکانات کی رسید پر اس کا اثر پڑے گا۔ اگر مالک مکان اس کی کرایہ مکان کے ساتھ مشاغل کر دے یا کرایہ دار سے اس کو وصول کرے تو اس کی وجہ سے مکانات کی طلب گھٹے گی اور ان کی تعمیر پر اس کا برا اثر پڑے گا۔ اگر مکانات کی رسید ناکافی ہو تو لوگان عارضی طور پر بڑھادیا جاسکتا ہے یہاں تک کہ طلب و رسیدیں دوبارہ توازن قائم ہو جائے۔ جو ٹکس اصل کی خاص شکلوں پر لگائے جاتے ہیں ان کا رجحان یہی ہوتا ہے کہ لوگ ان شکلوں پر روپیہ خرچ کرنا کم کر دیتے ہیں اور بالآخر جب منافع اپنی معمولی حالت پر پہنچ جاتا ہے تو ٹکس کا بار خریداروں پر منتقل ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم چائے اور تبا کوئی حالت میں دیکھ چکے ہیں۔ غرض مکانات بھی عام استعمال کی چیزیں ہیں لہذا ان پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں وہ آخر میں چل کر زیادہ تر مکان استعمال کرنے والوں پر عائد ہوتے ہیں۔ اس قسم کے ٹکس کی ایک موزوں مثال انگلستان کا محصول مکان مسکوئڈ ہے

جب کسی شخص کو وراثت میں کوئی جائیداد ہاتھ لگتی ہے تو اس پر ٹکس لگایا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا ٹکس ہے جو ایک خاص قسم کے اصل پر اس کی منتقلی کے وقت لگایا جاتا ہے۔ وہ منتقل نہیں ہو سکتا بلکہ نئے مالک جائیداد پر عائد ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس کی وجہ سے پس اندازی میں تخفیف واقع ہو تو اصل پر اس کے بالواسطہ اثرات ضرور پڑتے ہیں۔

۱۱۹ شخصی جائیداد پر بھی ٹکس لگائے جاتے ہیں۔ اگر یہ جائیداد اصل پیداوار نہیں ہے تو یہ ٹکس دوسروں پر نہیں منتقل ہو سکتے ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو مالک اپنی ذاتی لطف و مسرت کی خاطر استعمال کرتا ہے، مثلاً تصاویر، زیورات، گاڑیاں جو بغرض تفریح استعمال ہوتی ہیں اور اسی قسم کی بے شمار دوسری چیزیں جن کی خرید و فروخت پر سہولت کا کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ وہ بطور اصل کے استعمال کی جاتی ہیں۔ لہذا ان پر جس قدر ٹکس لگائے جاتے ہیں ان کا بار استعمال کرنے والوں پر ہی برقرار رہتا ہے۔ وہ ایک قسم کا محصول تعیش ہے جو زیادہ تر بطور ایک بلا واسطہ ٹکس کے لگایا جاتا ہے۔ بند و قوت، کتوں اور زرہ بکتر کے امتیازی نشانات پر جو محصول لگائے جاتے ہیں، وہ اس کی چند مثالیں ہیں جن چیزوں پر اس طرح ٹکس لگایا جاتا ہے، اس کا ایک بالواسطہ اثر بھی ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اس کی بدولت ان چیزوں کی طلب کم ہو جاتی ہے اور متعلقہ صنعتوں کو ایسا نقصان پہنچتا ہے۔ لیکن کچھ عرصے بعد جب معمولی حالات دوبارہ مستقل طور پر قائم ہو جاتے ہیں تو استعمال کرنے والوں کو ہی ٹکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ ان ٹکسوں کا بار صرف ایک محدود طبقے پر عائد ہوتا ہے اور یہ لوگ بالعموم اس قسم کے ہوتے ہیں کہ انھیں اپنے آرام اور تعیش کے مقابلے میں ٹکس کی چنداں پروا نہیں ہوتی۔ لہذا ان چیزوں کی طلب میں تغیر پذیری بہت کم ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہی ہوتی ہیں جو کاروباری اغراض کے لیے استعمال کی جاتی ہیں، مثلاً طیبیوں، ڈاکٹروں کی گاڑیاں، ایسی صورت میں وہ اصل کا ایک جز بن جاتی ہیں ٹکس کی وجہ سے ان کی خدمات کے معاوضے پر بڑا اثر پڑتا ہے اور اس لیے آخر میں بالواسطہ طور پر ان خدمات کے حاصل کرنے والوں پر ٹکس کا اثر منتقل ہو جاتا ہے۔

املاک کے بعض خاص محصول مثلاً محصول زمین، جب پہلی مرتبہ عائد کیے جاتے ہیں تو ان کا بار مالک جائیداد پر پڑتا ہے جو شخص اس قسم کے املاک خریدے گا، ٹکس کی وجہ سے وہ نسبت کم قیمت ادا کرے گا۔ لہذا املاک کی مالیت گھٹنے سے فرونشندے کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس کے بعد خواہ کتنی ہی مرتبہ جائیداد فروخت ہو، نہ فرونشندہ نقصان اٹھائے گا اور نہ غیرہ۔ اگرچہ ٹکس کے اثر سے جائیداد کی مالیت پہلے ہی

محکم دلائل سے مزین

۱۹۰۹ء کے موازنے میں زمین پر محصول لگانے کے اصول اور طریقے، دونوں میں

چند اہم تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ یہ محصول کے محصول :- یہ محصول چار قسم کے ہیں اور ان کا زمین کی مالیت پر ہے جو خاص موقع محل کی وجہ سے اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ ۳۰ اپریل ۱۹۰۹ء کو مختلف زمینوں کی مالیت کا اندازہ کر کے اسی کو معیار بنا لیا گیا ہے۔ اور آئندہ زرعی زمینوں کے علاوہ باقی جس قدر اراضی سے انصافہ غیر کسب حاصل ہوگا، ان سب پر اسی معیار کا اطلاق ہوگا۔

(الف) ۱۱۹

(۱) محصول عام بحساب انصافہ قدر :- یہ محصول اس وقت واجب الادا ہوتا ہے جب مالک زمین فروخت کر کے یا جدید پٹے کے ذریعے جس سے کسی مدت زائد از چودہ سال ہو، انصافہ قدر سے مستفید ہوتا ہے یا جب وہ مر جاتا ہے جہاں تک شخصیتوں کا تعلق ہے وہ تو کبھی مرتے نہیں، لہذا ان سے نہ صرف فروخت یا تجدید پٹے کے موقعوں پر یہ محصول وصول کیا جاتا ہے بلکہ ہر پندرہ سال بعد ان سے یہ محصول واجب الادا ہو جاتا ہے۔ ہر پانچ پونڈ کے انصافہ قدر پر ایک پونڈ محصول لگایا جاتا ہے اور وہ بذریعہ اسٹامپ ادا کیا جاتا ہے۔ مستثنیات :- (۱) زرعی زمین جس کی قدر محض زراعت کی وجہ سے ہو (ب) چھوٹے چھوٹے زرعی کھیت جن کی وسعت ۵۰ ایکڑ سے زائد نہ ہو جن کو خود مالک زمین کاشت کرتا ہو اور جن کی قدر فی ایکڑ ۷ پونڈ سے زائد نہ ہو (ج) چھوٹے چھوٹے سکونتی مواقع جہاں خود ان کے مالک رہتے بستے ہوں، یا جو ۵۰ سال کے ٹھیکے پر دے دیے گئے ہوں بشرطیکہ ان کی سالانہ قدر اگر وہ لندن میں واقع ہوں تو ۴۰ پونڈ سے زائد نہ ہو، اگر دوسرے شہروں میں جن کی آبادی پچاس ہزار ہو واقع ہوں تو ۲۶ پونڈ سے زائد نہ ہو اور ان کے علاوہ دوسرے حالات میں ۱۶ پونڈ سے زائد نہ ہو۔

(۲) محصول بازگشت :- یہ محصول ٹھیکہ دینے والے کو اقتسام پٹے کے موقع پر ادا کرنا پڑتا ہے۔ ہر ۱۰ پونڈ کے منافع پر وہ بہ شرح ایک پونڈ ادا کیا جاتا ہے۔ زرعی زمین اس ٹیکس کی ادائی سے مستثنیٰ ہے، نیز ایسے پٹے جن کی مدت ۲۱ سال سے کم ہو، اور اس قسم کی بازگشت جو تاریخ خرید سے ۴۰ سال کے اندر واقع ہوئی ہو

بشرطیکہ خریداری ۳۰ اپریل ۱۹۰۹ء کے قبل ہوئی ہو۔ معدنیات کے پٹے بھی اس محصول سے مستثنیٰ ہیں، نیز وہ الاونس جو موجودہ پٹوں کے، اختتام مدت سے قبل تجدید ہونے پر ادا کیے جاتے ہیں۔

(۳) محصول زمین افتادہ :- جو زمین غیر زرمی ہو جس کی مالیت فی ایکڑ ۵۰ پونڈ سے زائد ہو جس پر نہ کوئی عمارت بنائی گئی ہو اور نہ جو کسی صنعت کے لیے استعمال کی جاتی ہو، ایسی زمین کے موقع محل کی مالیت پر یہ محصول لگایا جاتا ہے۔ محصول یا تو مالک زمین کو ادا کرنا پڑتا ہے یا پٹے دار کو۔ لیکن اس آخری صورت میں شرط یہ ہے کہ پٹے کی مدت پچاس سال ہو اور شرح کرایہ فی پونڈ نصف پنی سالانہ ہو یعنی اگر کسی زمین کے موقع محل کی مالیت ایک پونڈ ہے تو ہر سال اس سے نصف پنی بطور کرائے کے وصول کی جاتی ہو۔ موقع محل کی مالیت کا تعین پانچویں سال زمین کی بازاری قیمت کا اندازہ کرنے کے بعد کیا جاتا ہے۔ زمین کی بازاری قیمت کا اندازہ کرنے میں ان عمارات کا لحاظ نہیں کیا جاتا جو اس پر تفسیر کی گئی ہوں جو اراضی عوام الناس کے استعمال کے لیے سیر و تفریح اور چین بندی کی غرض سے مخصوص کر دی جائیں، وہ بھی اس ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز ایسے چھوٹے چھوٹے قطعات جن کے موقع محل کی مالیت پانسو پونڈ سے کم ہو اور جن پر ان کے مالک خود قابض ہوں اور خود ہی ان کی کاشت بھی کرتے ہوں۔

(۴) محصول حقوق معدن :- جن لوگوں کو معدنیات نکالنے کے حقوق حاصل ہوتے ہیں، انھیں معاوضے میں مالکان زمین کو کچھ لگان ادا کرنا پڑتا ہے۔ محصول بالا اسی قسم کے لگان پر عائد کیا جاتا ہے (چکنی منی، ریت، چاک، چوئے کا پتھر اور سنگریزے اس سے مستثنیٰ ہیں) شرح محصول بحساب لگان پانچ فی صدی ہے اور بادشاہ کو ہر سال اس طور پر ادا کیا جاتا ہے گویا کہ وہ قرضہ سے مستثنیات ہیں۔ وہ زمین جو مقامی حکام کی ملک ہو، وہ جو کسی کار خیر کے لیے استعمال کی جاتی ہو اور وہ جو ریلوں، نہروں، بندرگاہوں اور آب رسانی کی کمپنیوں یا اسی طرح کی دوسری قانونی کمپنیوں کے استعمال میں ہو، بشرطیکہ اس سے وہی کام لیا جاتا ہو جس کے لیے وہ مخصوص کر دی گئی ہے۔

ساتویں فصل

اعتبار عامہ۔ قومی قرضے

قرض عامہ اگر چہ جدید کی ایک اختراع ہے تاہم ترقی یافتہ اقوام میں وہ اس قدر عام اور اس کی مقدار اس قدر کثیر ہو گئی ہے کہ اب لوگ اسے ترقی تہذیب کی ایک نشانی سمجھنے لگے ہیں۔ یورپ کے قدیم ممالک، نئی دنیا کی نو عمر جمہوری حکومتیں، برطانوی نوآبادیات اور ہندوستان، ان سبھوں نے اپنے اوپر اس قسم کی ذمہ داریوں کو عائد کر لیا ہے۔ قرض عامہ کا طریق نتیجہ ہے گذشتہ دو صدی کی معاشی ترقیات اور زر کے طریقوں کا کاروبار میں اعتدال کا روز افزوں استعمال، بینک کا طریق، صنعت و حرفت اور تجارت کو اعلیٰ پیمانے پر چلانے کے لیے مشترک سرمایہ دار کپینیوں کے ذریعے اصل کی چھوٹی چھوٹی مقداروں سے استفادہ، عام لوگوں کی پس انداز شدہ رقموں کو جمع کر کے ان سے کام لینے کی بے شمار سہولتیں، ان سب کے مجموعی اثر سے قرض کے لین دین کی ایک ایسی مشین قائم ہو گئی ہے جو ملک کی معاشی حالت کے لیے نہایت اہم ہے۔ اعلیٰ درجہ کا تنظیم یافتہ نظام بینک، زر کا بازار اور صرافہ، ان سب کا ساتھ ساتھ نشو و نما ہوا ہے اور ان کی بدولت تقریباً ہر طبقہ قرضے اور شغل اصل کے کاروبار سے آشنا ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں یہ ایک ناگزیر بات تھی کہ اخراجات عامہ پر بھی اس مشین اور ان طریقوں کا اطلاق کیا جائے۔ چنانچہ بڑی قومیں اور چھوٹی ریاستیں نوآبادیات، بلدیات اور شخصیت، سب کے سب قرض گروں کے ذمہ میں داخل ہو گئے اور اب تو حالت یہ ہو گئی ہے کہ کوئی غیر معمولی کام قرضہ عامہ کے

توسط بغیر مل ہی نہیں سکتا۔

بنکس کی طرح قرض عامہ بھی دو شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :- ایک شاہی، دوسرے مقامی۔ مرکزی اور مقامی دونوں قسم کی حکومتیں اپنے اپنے کاروبار کے لیے قرضہ لیتی ہیں۔ اور صرف ان میں جو تمسکات فروخت ہوتے ہیں ان کا فی صدی بہت بڑا حصہ مرکزی حکومتوں اور شخصوں کے تمسکات پر مشتمل ہوتا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں تمام دنیا کے قومی قرضوں کا تخمینہ سات ارب اسی کروڑ پونڈ سے بھی زائد کیا گیا تھا۔ اس میں فرانس کا قرضہ بقدر ایک ہزار پندرہ ملین پونڈ تھا، برطانیہ عظمیٰ کا قرضہ مارچ ۱۹۱۴ء میں بقدر ۲۹۷۷۰۰۰ پونڈ تھا، ریاستہائے متحدہ امریکہ کے قرضے کی مقدار دوسو بارہ ملین پونڈ ہے۔ جرمنی کا قرضہ دوسو پچاس ملین پونڈ، روس کا زائداز نو سو پینتالیس ملین پونڈ ہے۔ آسٹریلیا نے بقدر ۲۷۳ ملین پونڈ نیوزیلیینڈ نے بقدر ۸ کروڑ ۳ لاکھ پونڈ، کناڈا نے ۶۸ ملین پونڈ، ہندوستان نے ۳۰۰ ملین پونڈ قرضے حاصل کیے ہیں۔

برطانیہ عظمیٰ میں مقامی قرضوں میں بھی بہ سرعت اضافہ ہو رہا ہے۔ دارالسلطنت (مجلس قلعہ) اور مختلف مقامی حکومتوں نے ۱۹۱۵ء میں ۳۱۰۷۰۰۰ پونڈ قرض لیے تھے۔ اور انگلستان اور ویلز کی جملہ مقامی حکومتوں کے مجموعی قرضوں کی مقدار سال مذکور کے اختتام پر ۵۶۲۶۳۰۰ پونڈ تھی۔

قدیم زمانے میں ہر مملکت کچھ نہ کچھ سیم و زر پس انداز کرتی تھی تاکہ وقت ضرورت کام آسکے۔ قرون وسطیٰ میں دفتینوں کا طریق عام طور پر رائج تھا۔ بلکہ بعض تو اس (مثلاً روس اور جرمنی) تو اب بھی اس طریق پر عمل پیرا ہوتی ہیں اور سونے چاندی کی اینٹیں اور سنگے جمع کرتی ہیں۔ طریق اعتبار کے نشوونما سے پہلے انھی اندوختوں سے جنگ کے مصارف پورے ہوتے تھے، انھی پر قوم کے استحکام کا انحصار ہوتا تھا اور انھی کے ذریعے ہر قوم اپنی محافظت کرتی اور اپنے دشمنوں پر حملہ آور ہوتی تھی۔ انگلستان کے قدیم بادشاہ یہودیوں، لمبارڈوں اور دوسرے غیر ملکی بینکاروں سے خانگی طور پر قرض حاصل کرتے تھے یا جب کبھی کوئی فوری اور شدید ضرورت لاحق ہوتی تو اس کو پورا کرنے کے لیے رعایا سے بھر قرض وصول کرتے تھے ہنری ہفتم نے بہت کچھ دولت بھرا اندوختہ

جمع کی تھی، لیکن اس کا لڑکا بہت فضول خرچ نکلا اور اس نے وہ تمام دولت لٹا دی۔
خاندان اسٹوارٹ کے بادشاہ سناروں اور بینک داروں سے قرض لیا کرتے تھے
لیکن جب چارلس ثانی نے اپنے قرضوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو شاہی اعتبار
بالکل برباد ہو گیا اور برطانوی بادشاہوں کی قرض گیری کا سلسلہ بالکل منقطع ہو گیا۔
اس کے بعد ہالینڈ کی تقلید کر کے حکومت کے اعتبار پر قرض نکالنے کا طریقہ اختیار
کیا گیا۔ چنانچہ انقلاب انگلستان کے بعد ہی فوراً اس طریقہ کا آغاز ہوا۔

اندوختہ جمع کرنے کا طریق متعدد بندشوں کا تابع ہے اور اس کی خرابیاں
بالکل بدیہی ہیں۔ زمانہ امن میں یہ تمام ذخیرے غیر پیدا آور حالت میں بیکار پڑے
رہتے ہیں اور ان کی حفاظت مصارف کثیر کا باعث ہوتی ہے۔ اور جب ان کے
استعمال کا موقع آپہنچتا ہے تو وہ بہت جلد ختم ہو جاتے ہیں۔ ایک ایسی چیز جو مصارف کثیر
کے بعد میسر ہوتی ہے اس طریق کی بدولت ملک و قوم کی خدمت انجام دینے سے
باز رکھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ زر کی قدر بڑھ جانے سے قیمتوں پر بھی بڑا اثر پڑتا ہے
دوسرے یہ کہ جب اس قسم کے ذخیرے ایک مقام پر جمع رہتے ہیں تو دشمن کو بھیجہ
ترغیب ہوتی ہے کہ انہیں حاصل کر لے اور ان کی مدد سے کامیابی کے ساتھ اپنے
فریق کا مقابلہ کرے۔ علم معاشیات نے واضح کر دیا ہے کہ زر کے لیے بہترین بات
یہ ہے کہ وہ ہمیشہ عوام الناس کے صرف میں آتا اور استعمال ہوتا رہے یہی وہ
طریقہ ہے جس کی بدولت اس میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔ اگر حکومت کو ضرورت
ہو تو وہ اس کو نکس یا قرضے کی شکل میں رعایا سے چل کر سکتی ہے۔ اسی اشنا میں اس
دولت سے ملک کے اندر پیدا آور کاروبار چلانے میں مدد لی جاسکتی ہے۔ ملک میں
جس قدر کثرت کے ساتھ اس قسم کے کاروبار جاری ہوں گے اسی قدر اہل ملک کی
دولت مند میں اضافہ ہو گا اور وہ اس قابل ہوں گے کہ وقت ضرورت سرکاری
اغراض کے لیے بآسانی کثیر مقدار میں قرضہ فراہم کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ
محفوظاتہ خانوں میں اندوختہ کرنے سے یہ فوائد نہیں حاصل ہو سکتے۔ کسی قوم کی
حقیقی قوت کا اندازہ کرنے کے لیے حکومت کے ذخائر سیم و زر کو نہیں دیکھنا چاہیے
بلکہ یہ معلوم کرنا چاہیے کہ افراد قوم میں نکس ادا کرنے اور قرضہ فراہم کرنے کی کس حد تک

استطاعت موجود ہے۔ بہ الفاظ دیگر صحیح قوت شکل ہے رعایا کی آمدنی اور رعایا کی دولت پر۔ اور اس کی ترقی کی بہترین صورت یہ ہے کہ اس کو خود رعایا کی ذاتی جدوجہد پر چھوڑ دیا جائے نہ کہ حکومت ذخیرے جمع کرنے کی کوشش کرے۔

صنعت و حرفت کی غیر معمولی توسیع زمانہ موجودہ کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ اسی توسیع کی بدولت متعدد حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو طریقہ قرض گیری کے نشوونما اور قومی قرضوں کے اضافے کا باعث ہوئے ہیں۔ اس قسم کے قرضے قوم کی دولت اور صنعت پر گویا ایک طرح کا رهن ہیں جس کی ضمانت میں ملک کے ٹکس اور اس کی آئندہ آمدنی شامل ہے۔ بعض اوقات ان قرضوں کے سود کی ادائیگی کے لیے خاص خاص ٹکس عائد کر دیے جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات ملک کی عام آمدنی پر اس سود کا بار رہتا ہے۔

۱۲۳-۱۲۴

قومی قرضے زیادہ تر جنگوں کا نتیجہ ہیں اور ہر بڑی جنگ کی بدولت ان میں ضرور کچھ نہ کچھ اضافہ ہوا ہے۔ برطانوی قرضے کی تاریخ سے اس واقعے کی ایک اجمعی مثال دستیاب ہوتی ہے۔ ۱۶۸۸ء کے انقلاب سے ایک ملین پونڈ قرضہ عارضی کے ساتھ اس کی ابتدا ہوئی۔ فرانس کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کے لیے سمرائے کی جو ضرورت لاحق ہوئی تو ۱۶۹۹ء میں بارہ لاکھ پونڈ کے مسلسل سے انگلستان بنک کی بنیاد ڈالی گئی اور یہ رقم حکومت کو فی صدی شرح سود پر قرض دے دی گئی۔ چند سال بعد چارکس ثانی کا نکار شدہ قرضہ دوبارہ تسلیم کر لیا گیا اور اس کی مقدار ۶۶۴۲۶ پونڈ (یعنی اصلی رقم کی نصف) مقرر کی گئی اور اس رقم کی ادائیگی حکومت کے ذمے قرار پائی۔ جنگ کی وجہ سے رقم کے مزید مطالبات جاری رہے اور قرضے میں برابر اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ ۱۶۹۹ء میں صلح رسویک کے موقع پر اس کی مقدار ۲۱۵۰۰۰۰ پونڈ تک پہنچ چکی تھی۔

۱۶۹۹ء میں ۱۶۴۰۰۰۰ پونڈ تک گٹ گئی۔

۱۷۰۱ء میں جنگ وراثت ہسپانیہ کے صلح اوریت کے موقع پر اس کی مقدار ۳۶۸۰۰۰۰ پونڈ تھی۔

۱۷۶۳ء میں جنگ ہفت سالہ کے اختتام پر اس کی مقدار ۱۳۸۸۹۵۰۰ پونڈ تھی۔

۱۷۹۳ء میں جنگ حریت امریکہ کے بعد قرضہ قومی بہ قدر ۲۳۸۰۰۰۰۰ پونڈ تھا۔

۱۸۰۰ء میں صلح ایس کے موقع پر جبکہ فرانس کے ساتھ جنگ ملتوی ہو گئی تھی قرضہ نقد ۵۲۷۶۵۰۰۰ پونڈ تھا۔

۱۸۱۵ء میں جنگ وائٹر لو کے بعد صلح پیرس کے وقت دہائی اور عارضی دونوں قرضوں کی مقدار ۸۶۶۰۰۰۰ پونڈ تھی۔

۱۸۷۵ء میں جنگ کریمیا سے قبل قرضے کی مقدار گھٹ کر ۸۰۸۰۰۰۰۰ پونڈ ہو گئی تھی۔

۱۸۷۵ء میں جنگ کریمیا اور غدر وائی کے بعد اس کی مقدار ۸۳۸۹۱۸۰۰۰ پونڈ تک بڑھ گئی۔

۱۸۹۹ء میں وہ گھٹ کر ۶۲۷۵۶۲۰۰۰ پونڈ ہو گئی۔

۱۹۰۳ء میں جنگ جنوبی افریقہ کے بعد اس میں پھر اضافہ ہوا اور وہ ۶۲۷۵۸۷۶۲۰۰۰ پونڈ تک پہنچ گئی۔

۳۱ مارچ ۱۹۱۳ء کو عارضی دہائی قرضوں اور قرضہ سالیانوں کی ذمہ داری کو ملا کر ۷۵۵۰۷۲۱۰۰۰ پونڈ قرضہ تھا۔

۳۱ مارچ ۱۹۱۳ء کو مجموعی قرضہ ۶۲۷۵۷۰۰۰۰ پونڈ تھا۔

فرانس کے قرضے کی مقدار ایک صدی کے اندر ۱۲۳۵۳۷۰۹۶۹ پونڈ تک

پہنچ گئی جس کا تین چوتھائی حصہ صرف جنگ کا نتیجہ ہے۔ (تقریباً آئین سلوین پونڈ سرکاری

سرمایہ فرانس کی ریلیوں میں لگا ہے) ایک جنگ فرانس و جرمنی ہی کی بدولت قرضے کی مقدار میں

بقدر ۳۴۰ ملین پونڈ اضافہ ہو گیا۔ غرض دنیا کے موجودہ قومی قرضوں میں اسی قرضے کا

نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے اور اس کی بدولت سالانہ ۳۸۳۵۰۰۰ پونڈ محض سوئکی

ادائی میں دیے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف ہندوستان، آسٹریلیا اور کناڈا کے

قرضے زیادہ تر پیداوار اور اغراض کے لیے حاصل کیے گئے ہیں اور وہ ان ممالک کے لیے

نفع بخش ثابت ہوئے ہیں بشرطیکہ وہ مناسب طریقے پر صرف کیے جائیں جبرنی کا

قرضہ بھی زیادہ تر پیداوار اور ہی ہے اور اس کا مصرف بڑی بڑی ریلیوں اور دوسرے ممالک عامہ کی

شکل میں نظر آتا ہے۔ بشخصیوں کے قرضے اکثر کارہائے عامہ یا سرکاری کاروبار کی غرض سے

حاصل کیے جاتے ہیں جن میں سے بعض سے آمدنی حاصل ہوتی ہے۔

قرضے یا قرضہ جبری ہوتے ہیں یا اختیاری۔ جبری قرضے کو یا ایک قسم کے ٹکس میں

جو ایک عمدہ و جماعت سے وصول کیے جاتے ہیں اور جن کی ادائیگی اس جماعت پر

لازم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ مبنی بر انصاف نہیں ہو سکتے۔ بعض قدیم

انگریز بادشاہوں کے طریقوں پر نظر ڈالنے سے ہمیں اس قسم کے قرضوں کی

بہت سی مثالیں دستیاب ہوتی ہیں۔ انگلستان میں خاندان اسٹوارٹ کے

بادشاہوں تک بھی یہ طریقہ جاری تھا۔ ۱۷۹۳ء میں فرانس نے بھی چند مالی تجاویز

اختیار کیں جنہیں جبری قرضوں میں شمار کرنا مناسب ہے۔ بعض اوقات فراہمی سرمایہ کے لیے حکومتیں اپنی رعایا کے حب الوطنی کے جذبات کو براہیگتہ کرتی ہیں چنانچہ فرانس نے ۱۸۴۸ء میں اور جرمنی نے ۱۸۷۱ء میں اسی ترکیب پر عمل کیا۔ لیکن اس قسم کی تجاویز زیادہ کامیاب نہیں ہو سکتیں اور عوام سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ حکومت کی فریاد پر حسب ضرورت کافی سرمایہ فراہم کر دیں گے۔ موجودہ زمانے میں جبری قرضوں کی ایک نئی شکل نمودار ہوئی ہے جو ہر حکومت کسی قومی مصیبت کے وقت اختیار کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان موقعوں پر حکومت کی ضروریات نہایت شدید اور اہم ہوتی ہیں۔ لیس لگا کر یا قرضہ لے کر سرمایہ فراہم کرنے میں عموماً بہت دیر لگتی ہے اور پھر بھی یہ یقین نہیں ہوتا کہ حسب ضرورت رقم مہمل ہو جائے گی۔ لہذا حکومت اپنی ضروریات پورا کرنے کے لیے غیر بدل پذیر کاغذی کثیر مقدار میں جاری کر دیتی ہے۔ چنانچہ برطانیہ عظمیٰ نے ۱۸۹۹ء سے لے کر ۱۹۲۱ء تک اس ترکیب سے سرمایہ فراہم کیا تھا۔ فرانس میں انقلاب عظیم کے موقع پر یہی صورت اختیار کی گئی تھی اور ریاستہائے متحدہ امریکہ میں خانہ جنگی کے زمانے میں اسی تجویز پر عمل درآمد کیا گیا تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ حکومت کو توجرائی زر کاغذی کے ہر قدر ایک بلا سودی قرضہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن قوم کو گراں قیمتوں کی شکل میں جو اضافہ مقدار زر کا لازمی نتیجہ ہے سخت معاشی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ قیمتوں میں ایک عام تغیر اور تجارت خارج میں سخت مزاحمت واقع ہوتی ہے اور قرضداری کو پورا کرنے کے لیے سونا ملک سے باہر چلا جاتا ہے۔ لیکن غیر بدل پذیر کاغذ کی اجرائی نہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ مزید اجرائیوں کا باعث ہوتی ہے۔ اس طرح زر کی مقدار حد متناسب سے تہا ذکر جاتی ہے اور اس کی قدر میں فوراً تخفیف ہو جاتی ہے اور ہر اضافے کے ساتھ یہ تخفیف اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ قوم کے لیے بحیثیت مجموعی یہ ایک سخت بد قسمتی کی بات ہے۔ کیونکہ اس حالت میں کل قوم کا اعتبار متزلزل ہو جاتا ہے، تجارت تھار بازی کی شکل اختیار کر لیتی ہے، تجارتی دھران نمودار ہوتا ہے اور ملک کی مالی حالت اور تجارت میں سخت انحطاط پیدا ہوتا ہے۔ قرض دینے والے طبقوں کو خواہ مخواہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور جہاں تک حکومت کا تعلق ہے، اس کے تمام گلس اترے ہوئے

زر کا فذی کی شکل میں وصول ہوتے ہیں۔ لیکن جب قرض کی ادائیگی کا وقت آپہنچتا ہے تو حکومت کو زر کا فذی کے معاوضے میں اس کی پوری مالیت جو ناصیہ پر تحریر ہوتی ہے اور اگر تاثرتی ہے اور اگر حکومت اس نقصان سے بچنے کی کوشش کرے تو اس کے اعتبار اور آئندہ قرضہ حاصل کرنے کی قابلیت کو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ غرض معاشی حیثیت سے یہ ایک سخت تباہ کن طریقہ ہے کہ متوڑا سامان رضی فائدہ حاصل کرنے کے لیے بڑے بڑے مالی، صنعتی اور معاشرتی خطرات کا سامنا کیا جائے۔ تاہم یہ ایک واقعہ ہے کہ اکثر بڑی بڑی سلطنتوں نے قومی مصیبتوں کے وقت زر کا فذی کی اجرائی سے مدد لی ہے۔

۱۲۶

اختیاری قرضوں کی متعدد قسمیں ہیں۔

(۱) قرضہ مدامی۔ یہ قرضہ عامہ کی وہ شکل ہے جس میں حکومت سالانہ سود کی ادائیگی کی توجہ دار ہوتی ہے لیکن یہ وعدہ نہیں کرتی کہ کسی مدت معینہ کے اندر اصل سہی ادا کر دے گی۔ گویا اس کی شکل دراصل ایک مدامی سالیانے کی سی ہو جاتی ہے۔ قرض خواہوں کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ صرافے کے توسط سے اپنے حصے فروخت کر دیں اور حالات حاضرہ کے لحاظ سے بازار میں ان کی جو کچھ قیمت ملے وصول کر لیں۔ دوسری طرف حکومت کو بھی یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ قرض خواہوں کو رقم واپس کر کے سبکدوشی حاصل کر لے بشرطیکہ اس نے یہ وعدہ نہ کیا ہو کہ ایک خاص مدت معینہ سے پیشتر رقم مقروضہ واپس نہ کرے گی (یا جب کبھی خزانے میں گنجائش نکل آئے تو کھلے بازار میں اپنے تسکات خرید کر مقدار قرضہ میں تخفیف کرتی جائے اور اس طرح پورے طور پر سبکدوش ہو جائے۔ قرضہ عامہ کی یہی سب سے اہل ترین صورت ہے اور برطانیہ غلطی کے بڑے بڑے قرضے اب اسی طرح حاصل کیے جاتے ہیں۔ یہ قرضے اسی لیے مدامی کہلاتے ہیں کہ ملک کی آمدنی پر ان کے سود کا ہار مدامی ہوتا ہے۔ انگریزی قرضے کا ایک اور اصطلاحی نام "کاسل" ہے جو لفظ consolidate سے مشتق ہے اور اس کے معنی ہیں یکجا کرنا یا اکٹھا کرنا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ متعدد انگریزی قرضے جو مختلف شرحوں پر حاصل کیے گئے تھے، آٹھائے میں ایک دوسرے کے ساتھ ضم کر دیے گئے اور

ان سب کی ایک ہی شرح یعنی ۳ فی صدی مقرر کی گئی۔ اس کے بعد بھی کئی مرتبہ مختلف قرضوں کو یکجا کر کے اسی طرح ان سب کو ایک ہی شکل میں بدل دیا گیا۔

۱۹۱۷ء میں برطانیہ کے مدامی قرضے کی مقدار ۷۸۷۲۰۷۸۷۶ پونڈ تھی۔ مدامی قرضے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اہل ملک کو اپنی ذمہ داریوں سے آگاہی ہوتی ہے، وہ پابندی کے ساتھ سود ادا کرنے کا مناسب انتظام کر سکتے ہیں اور قرضے کی مقدار میں تخفیف کرنے اور اس سے بتدریج سبکدوشی حاصل کرنے کے لیے خاص خاص تجاویز اختیار کر سکتے ہیں۔

قرضہ عارضی۔ اس میں وہ تمام قرضے شامل ہوتے ہیں جو وقتی اغراض کے لیے حاصل کیے جاتے اور معینہ تاریخوں پر واجب الادا ہوتے ہیں۔ ان قرضوں کا مقصد اصلی یہ ہے کہ خزانہ سرکاری کو اپنی ضروریات پورا کرنے میں سہولت ہو، اور ملکوں کے ذریعے سے سرمایہ جمع ہونے تک انتظار نہ کرنا پڑے۔ ان ضروریات کے لاحق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سرکار کو مختلف قسم کے خدمات حاصل کرنے پڑتے ہیں، سرکاری اغراض کے لیے طرح طرح کا سامان خریدنا پڑتا ہے اور بسا اوقات مقامی حکومتوں کو قرضے عطا کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

بعض اوقات ان کے توسط سے سرکار کو اپنے محصل وقت مقررہ سے پہلے وصول ہو جاتے ہیں۔ عارضی قرضہ بالعموم خزانے کی ہنڈیوں کی شکل میں حاصل کیا جاتا ہے۔ عام طور پر ان کی مدت بہت قلیل یعنی تین، چھ، بارہ ماہ یا بعض اوقات اس سے بھی کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ شرح سود غیر معین اور بالعموم ادنیٰ ہوتی ہے۔ اسرارچ سلاٹ کو تیرہ لکھ پونڈ کی خزانے کی ہنڈیاں نافذ تھیں۔ اس قسم کی ہنڈیوں کی طلب بہت زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ جو اصلدار اپنا سرمایہ عند الطلب رکھنا چاہیں ان کے لیے وہ باعث سہولت ہیں۔ وہ قابل بیع و شریعی ہوتی ہیں۔ ہر شخص انہیں پیش کر کے رقم حاصل کر سکتا ہے۔ دوسرے کے ہاتھ منتقل کرتے کے لیے کوئی باضابطہ کارروائی کی ضرورت نہیں بلکہ محض اس کے حوالے کر دینا کافی ہے۔ حتیٰ کہ وہ ادائیگی میں بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ عارضی قرضے کی مقدار حتیٰ الوسع کم سے کم ہو۔ اور اگر ایسے

حالات پیدا ہو جائیں جن کی بدولت اس کی عارضی نوعیت باقی نہ رہے تو ضروری ہے کہ اس کا کچھ حصہ مدامی قرضے سے بدل دیا جائے بعض اوقات ایسی ضروریات پیش آتی ہیں کہ عارضی قرضہ غیر معمولی طور پر بڑھ جاتا ہے اور اس کی مدت میں توسیع کرنا ضروری ہوتا ہے مثلاً جنگ فرانس و جرمنی کے موقع پر اس قسم کی ضرورت پیش آئی تھی۔ نیز ۱۸۸۹ء میں جبکہ برطانوی کانسٹل مخصوص طور پر تبدیل کیے گئے تھے۔ عارضی قرضہ تسک خزانہ کی شکل میں بھی حاصل کیا جاتا ہے یہ تسکات اس وقت جاری کیے جاتے ہیں جبکہ کسی خاص خدمت کی انجام دہی کے لیے حکومت کو سرمائے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ ان کی شرح سود اور مدت واپسی دونوں معین ہوتے ہیں۔ ۳۱ مارچ ۱۹۱۴ء کو اس قسم کے تسکات کی مقدار ۲ کروڑ پانچ لاکھ پونڈ تھی جو ۱۹۱۵ء میں واجب الادا تھے۔ سرٹیفکیڈ سٹون نے ۱۸۵۳ء میں اس قسم کے تسکات پہلی مرتبہ جاری کیے تھے۔

اختتام پذیر سال لیا نئے۔ یہ ایک طرح کا ذخیرہ ادائیگی جس کا مقصد یہ ہے کہ مدامی قرضے کو عارضی قرضے کی شکل میں بدل دیا جائے۔ مدامی قرضے کا کچھ حصہ سرستہ مالیت کی شکل میں تبدیل کر دیا جاتا ہے اور اس طرح ایک مدت معینہ کے اندر اصل اور سود دونوں خود بخود ادا ہو جاتے ہیں۔ ۱۹۱۴ء کے تخمینے کے مطابق برطانیہ کے اختتام پذیر سال لیا نوں کی سرستہ مالیت ۲۹۵۵۲۲۱۹ پونڈ تھی۔ ان سال لیا نوں کا ایک بڑا حصہ ڈاک فنانے والے سیونگ بینک اور چانٹری کے سرمایوں پر مشتمل ہے۔ کثیران قرضہ قومی نے ان سرمایوں سے کانسٹل خرید لیے اور بعد ازاں انھیں اختتام پذیر سال لیا نوں کی شکل میں تبدیل کر دیا جو تقریباً بیس سال کی مدت میں ختم ہو جاتے ہیں۔ سیونگ بینک اور چانٹری کی جائیدادوں کو اب جو رقمیں ہر سال ادا کی جاتی ہیں وہ دو اجزا پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ایک تسکات کا سود اور دوسرے اصل کی کچھ مقدار جو اس طرح معین کی جاتی ہے کہ سال لیا نے کی مدت ختم ہونے تک وہ کاروبار میں مشغول ہو ہو کر اصلی تسکات کے مساوی ہو جاتی ہے۔

رعایا پر بحیثیت مجموعی ان سال لیا نوں کا یہ اثر پڑتا ہے کہ جب تک وہ

باری رہتے ہیں، انھیں زیادہ ٹکس ادا کرنا پڑتا ہے اور جب ان کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو قومی قرضے کا ایک بڑا حصہ وقتاً واحد میں مٹ جاتا ہے۔ ۱۸۶۸ء میں مسٹر گلیڈسٹون نے اختتام پذیر سالیانوں کے اصول کو قطعی طور پر اختیار کیا۔ ۱۸۸۴ء میں اس کی تجدید کی گئی اور اب تو وہ تخفیف قرضہ کا ایک مسلمہ طریقہ سمجھا جاتا ہے۔

سرکاری قرضے یا تاندرونی ہوتے ہیں، یعنی باشندگان ملک خود ہی تمام و کمال انھیں مہیا کر دیتے ہیں یا بیرونی، یعنی وہ کلیتہً کسی نہ کسی غیر ملک سے حاصل کیے جاتے ہیں، یا وہ نہ محض اندرونی ہوتے ہیں نہ بیرونی بلکہ اہل ملک اور اغیار دونوں ان کی فراہمی میں ساتھ ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ جہاں تک برطانوی قرضے کا تعلق ہے وہ زیادہ تر اندرونی ہے۔ سرکاری قرضوں کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:۔ (۱) ایک تو یہ کہ جو اندوختے صنعت و حرفت کے کام نہیں آ رہے ہیں وہ اس قرضے کی فراہمی میں کام آئیں اور اس طرح جو دولت ملک کے اندر یا باہر کسی نہ کسی شخص کی کاروبار میں صرف ہوتی، اس سے حکومت کے اغراض کے لیے استفادہ کیا جائے۔ ایسی صورت میں سرکاری قرضوں کی بدولت اس اصل میں کمی نہ ہونے پائے گی، جو ملک کی صنعتوں کے کام آ رہا ہے (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جو دولت اب تک خانگی طور پر پیدا اور کاروبار میں لگائی جا رہی تھی وہ سرکاری قرضوں کی فراہمی میں لگ جائے یا یہی صورت میں اگر سرکاری خرچ پیدا اور اغراض کے لیے نہ ہو تو ملک کے صنعتی اصل میں لازمی تخفیف ہوگی۔

۱۲۹

جن صورتوں میں سرکاری قرضے کی بدولت ملک کے وسائل پر بیجا بار پڑنے کا قرینہ ہو وہاں بیرون ملک سے قرضہ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ غریب ملک اور نو عمر نوآبادیات، دولت مند ممالک سے قرضہ حاصل کرتے اور ان کے زائد اندر ضرورت اندوختوں سے مستفید ہوتے ہیں۔ اگر قرض لینے والا ملک ان اندوختوں کو ایسے کاروبار میں لگائے جن کی بدولت اس کے وسائل میں ترقی ہو تو اس حالت میں قرضے کی بدولت دنیا کے مجموعی اصل میں اضافہ ہوگا۔ گو اس پر سود ادا کرنا پڑے گا لیکن بہ مقابل منافع کے وہ بہت قلیل ہوگا۔ غرض قرضے کی

رقموں کو معاشی کاروبار میں لگانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک طرف تو قرض لینے والے ملک کی ترقی اور نشوونما میں مدد ملے گی اور دوسری طرف قرض دینے والا ملک بھی سود حاصل کر کے زیادہ دولت مند بننا جائے گا۔ مزید برآں اس کی بدولت بین الاقوامی تجارت میں توسیع ہوگی اور اس توسیع سے قرض گیر اور قرض دہندہ دونوں ملک مستفید ہوں گے۔ ہندوستان اور آسٹریلیا کے صنعتی نشوونما میں برطانوی اصل سے بہت بڑی مدد ملی ہے۔ ان ملکوں نے جس قدر معاشی ترقی کی ہے، وہ اس بات کا بدیہی ثبوت ہے کہ کیونکر بیرونی قرضوں کے نتائج قرض گیر اور قرض دہندہ دونوں ملکوں کے حق میں نفع بخش ہوتے ہیں۔

برطانوی نوآبادیات کے قرضے زیادہ تر پیداوار اور اغراض کے لیے حاصل کیے گئے ہیں۔ ان کی مدد سے سڑکیں، ریلیں، بندرگاہ، ذرائع آب پاشی اور متعدد دوسرے مفید کارہائے عامہ انجام دیے گئے ہیں۔ اس طرح ان ممالک کی رفتار ترقی تیز ہو گئی اور وہ بہت جلد تہذیب و تمدن کے ایک اعلیٰ درجے پر پہنچ گئے۔ باوجود اس کے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر قرض حاصل کرنا بہت آسان ہو جائے اور اس کی ادائیگی پر وقت کی مطلق کوئی پابندی نہ رہے تو اندیشہ ہے کہ بعض حکومتیں فضول خرچی میں مبتلا ہو جائیں۔ اور ایسی تجاویز پر روپیہ خرچ کر ڈالیں جو یا تو قبل از وقت نہایت ہوں یا مطلق غیر پیداوار انگیز یعنی نوآبادیات نے اس طرح جلد ترقی کرنے کی جوس میں اپنے آپ کو بھاری بھاری ٹکسوں کے بوجھ سے لاد لیا ہے اور بہت سی نئی نئی جمہوریں سلطنتیں اس طرز عمل کی بدولت دیوالیہ اور ادائی قرضہ سے اٹھار کر سنے پر مجبور ہو گئیں۔ اس کی وجہ سے ان کا قومی اعتبار تباہ ہو گیا اور ان کی خوش حالی میں ایک زبردست رکاوٹ پیدا ہو گئی۔

قومی قرض گیری کے مناسب و نامناسب ہونے کے متعلق کوئی عام اصول نہیں بنائے جاسکتے۔ اس مسئلے کا ہر ملک کے مخصوص حالات پر ہوتا ہے۔ ہر ملک قرض حاصل کرنے کا کوئی خاص طریقہ اختیار کرتا ہے اور ادائی قرض کی کوئی مخصوص صورت تجویز کرتا ہے۔ کوئی ایک طریقہ اور کوئی ایک تجویز تمام ممالک کے لیے یکساں مفید نہیں ہو سکتی۔

قرض گیری کی مخالفت میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اگر قرض عامہ کا طریق موجود نہ ہو تو جنگ کے مصارف محدود ہو جاتے ہیں اور رعایا میں ادا کی ٹیکس کی جس قدر استطاعت ہوتی ہے اس سے نہیں بڑھ سکتے۔ لوگ فوراً جنگ کرنے پر مستعد نہیں ہو سکتے اور اگر جنگ چھڑ جائے تو اس کو بہت عرصے تک نہیں جاری رکھ سکتے۔ برخلاف اس کے جب قرض گیری کی سیدھی سادی ترکیب موجود ہوتی ہے جس کا بار زیادہ تر آئندہ آنے والی نسلوں پر پڑتا ہے تو پھر جنگ چھڑنے میں کچھ دیر نہیں لگتی اور نہ چھڑنے کے بعد وہ جلد ختم ہوتی ہے۔ مزید برآں یہ بات سراسر خلاف انصاف سمجھی جاتی ہے کہ کوئی نسل اپنے غیر پیدا آور اخراجات کا بار آئندہ آنے والی نسلوں پر ڈال دے۔ ظاہر ہے کہ آئندہ نسلوں کو بھی اپنی خاص خاص مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور اپنے خاص خاص بوجھ اٹھانے پڑیں گے۔ ایسی صورت میں یہ بات فراخ دلی اور حب الوطنی دونوں کے خلاف ہے کہ ان کے لیے وراثت میں ایک ایسا قرضہ چھوڑا جائے جو موجودہ نسل کی ناعاقبت اندیشی یا حرص و طمع کا نتیجہ ہو۔ موروثی قرضوں کے بارے میں فائدہ اٹھانے کو استقامت نصیب ہوتی ہے اور نہ قوموں کو۔

یہ استدلال اس قدر قطعی ہے کہ اس کی رو سے کوئی قوم آئندہ نسلوں پر مدامی قرضوں کا بار صرف اسی وقت ڈال سکتی ہے جبکہ قومی وجود و خطرے میں ہو یا قومی آزادی کے لیے لڑنا ضروری ہو یا جنگ بالکل ناگزیر ہو۔ اگر کسی قوم پر برادقت آگیا ہو یا کوئی بڑا اصول قربان کیا جائے والا ہو جس سے ملک کا مستقبل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے متاثر ہوئے والا ہو تو ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ ان مصارف کا بار اٹھانے میں آئندہ نسلیں بھی شریک ہوں۔ کیونکہ وہ لڑائیوں کی مصیبتوں میں حصہ نہیں لے سکتیں۔ مزید برآں مگر یہ ہے کہ کسی لڑائی کا بار اٹھاتے اٹھاتے ایک حد ایسی پہنچ جائے کہ مزید ٹیکس رعایا کے لیے ناقابل برداشت ہو بلکہ شاید ملک کی معاشی استقامت کے لیے مہلک ہو۔ ایسی صورت میں قرض گیری کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں ہے۔ لیکن ان مستثنیات کو چھوڑ کر جو مسلک دراصل عقلمندی پر مبنی ہے، وہ یہ ہے کہ ہر نسل اپنے زمانے کے اخراجات کی خود ہی کوئی سبیل کرے۔ بالخصوص جو معاملات مدامی شغل اصل کے مشابہ نہیں ہوتے، بالفاظ دیگر جن سے آئندہ کوئی آمدنی حاصل ہونے کا قرینہ نہیں ہوتا، ان کے لیے

جس قدر سرمایہ مطلوب ہو، وہ ہر نسل کو خود ہی مہیا کرنا چاہیے۔ آدم اسمتھ اور یوڈیوم نے اپنے اپنے زمانے میں قومی قرضے کو بڑھاتا ہوا دیکھ کر سخت دہشت کا اظہار کیا تھا۔ ان دونوں کا یہ خیال تھا کہ قرضے کی روز افزونی ایک قسم کا شگون بد ہے جو قومی دیوالیہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لیکن اس سے چند سال بعد مکالمے اسی صورت حال کو بمنظر اطمینان دیکھتا ہے۔ قوم کی دولت مند کی کار و زافزوں اضافہ اور معیار زندگی کی عام ترقی سے وہ خوش ہوتا ہے اور اس قسم کی پیش گوئیوں کا مضحکہ اڑاتا ہے۔ وہ اس بات کا مدعی ہے کہ یہ مقابل قرضہ دہی کے قوم کے وسائل میں بہت زیادہ ترقی ہوئی ہے اور قرض کا بار فی الحقیقت گھٹ رہا ہے۔ مکالمے کے اس خیال سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے اور یہ رائے قائم کر لی کہ برطانیہ کی قومی ترقی کا حقیقی سبب اس کا قومی قرضہ ہے۔ گویا قوم نے اپنے آپ کو قرض دے کر ایک ایسا سرمایہ پیدا کر دیا ہے جو از دیاد دولت کا ذریعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ رائے سراسر مہمل اور بے بنیاد ہے۔ اصل صرف اسی وقت اضافہ دولت کا باعث ہو سکتا ہے جبکہ وہ مناسب طور پر استعمال کیا جائے۔ اسی طرح قرضہ بھی صرف اسی حالت میں مفید ہو سکتا ہے جبکہ اس کا مقصد کسی ایسے ملک کے لیے پیداوار اصل مہیا کرنا ہو جو نو عمر اور ہونہار ہو، جہاں محنت کی افراط ہو اور زرخیز زمین کی کوئی قلت نہ ہو، غرض جہاں سوائے سرمائے کے دوسرے تمام ذرائع ترقی موجود ہوں۔ اس کے علاوہ ہر صورت میں جس طرح خانگی قرضہ قرضہ دار پر بوجہ ہوتا ہے اسی طرح قومی قرضہ بھی ملک و قوم پر محض ایک قسم کا بار ہے۔ مثال کے طور پر برطانوی قوم کو لیجئے جو ہر سال تقریباً بیس ملین پونڈ ٹیکس محض اس غرض سے ادا کرتی ہے کہ ایک صدی قبل جنگ آزمانی کے لیے جو قرضہ لیا گیا تھا اس کا سود ادا کرے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ٹیکس وصول کرنا قوم کے حق میں مفید نہیں کہا جاسکتا گو سود حاصل کرنے والے خود برطانیہ ہی کے باشندے ہوں اور گو وہ اپنا منافع ملک ہی میں خرچ کرتے ہوں۔ غرض ہم لامحالہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہمیں چند ایسی تجاویز اختیار کرنی چاہئیں جن کی بدولت قومی قرضے میں تخفیف ہو حتیٰ کہ رفتہ رفتہ وہ بالکل معدوم ہو جائے۔ یہ سچ ہے کہ جوں جوں قوم کی خوش مالی میں اضافہ ہوتا ہے، قرض کا بار نسبتاً ہلکا ہوتا جاتا ہے۔ مزید برآں اس مسئلہ کے حالات کا

مقابلہ کرتے ہوئے جبکہ ملک کی کل آبادی ایک کروڑ پچاس لاکھ اور اس کے وسائل نسبتاً بہت کم تھے، موجودہ زمانے میں نہ صرف آبادی چار کروڑ پچاس لاکھ تک پہنچ گئی ہے بلکہ قومی آمدنی میں بھی ساتھ ہی ساتھ زبردست اضافہ ہو گیا ہے۔ ایک طرف تو قرضے کا بار پہلے سے کہیں زیادہ تعداد پر تقسیم ہو گیا ہے اور دوسری طرف خود بار اٹھانے کی استطاعت میں بھی ترقی ہوئی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ قرضے کی سختی بہت کم محسوس ہوتی ہے۔ لیکن ملک کی یہ ترقی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ قومی قرضے میں بلاروک ٹوک اضافہ ہونے دیا جائے بلکہ ان حالات میں جو طرز عمل دراصل قرین عقل ہے، وہ یہ ہے کہ حتیٰ الامکان قرضے کی مقدار میں تخفیف کی جائے۔ برطانیہ عظمیٰ میں اضافہ دولت کا لحاظ کرتے ہوئے تخفیف قرضے کی رفتار بہت سست رہی ہے۔

تخفیف قرضہ کی مخالفت میں ایک اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ حکومت کے ان تسکات کی بدولت شغل اصل کی جو سہولتیں میسر ہیں، وہ ناپید ہو جائیں گی۔ مثلاً امانتوں کی رقموں کے لیے اور بنکوں، بیمہ کمپنیوں اور ڈاک خانے کے سیونگ بنک کے محفوظ سرمایوں کے لیے قومی قرضے کے تسکات بہت کچھ باعث سہولت ہیں۔ لیکن اس طرح تسکات کا ہبیا کرنا نہ حکومت کے فرائض میں داخل ہے اور نہ معاشی نقطہ نظر سے اس انتظام کی چنداں ضرورت۔ ان اغراض کے لیے تو اور بھی بے شمار اور موزون ذرائع موجود ہیں، مثلاً تسکات ہند، شخصوں کے تسکات، نوآبادیات کے تسکات، ریلوں کے ضمانتی تسکات اور ڈبچہ وغیرہ اور جوں جوں بلدیات کے کاروبار میں توسیع، مختلف نوآبادیوں میں ترقی اور آبادی میں اضافہ ہوتا جائے گا، ان ذرائع میں متواتر توسیع ہوتی جائے گی۔

قومی قرضہ دو طرح سے حاصل کیا جاتا ہے۔ (۱) یا تو براہ راست چندے کی درخواست کی جاتی ہے (ب) یا کسی بنک دار سے یا سرمایہ داروں کی کسی جماعت سے گفت و شنید کی جاتی ہے۔ آخری طریقہ عام طور پر بیرونی قرضوں کی صورت میں اختیار کیا جاتا ہے۔ جہاں تک شرح سود کا تعلق ہے، حکومت کا اعتبار، بازار زر کی حقیقی حالت کا اندازہ، موجودہ شرح سود جس پر لین دین ہو رہا ہو، وقت اجرائی کے

مخصوص حالات، ادائی قرضہ کے شرائط، ان تمام باتوں پر اس کا انحصار ہوتا ہے۔ قرضے یا تو کسی مقررہ قیمت پر دیے جاتے ہیں یا ایک کترین حد معین کردی جاتی ہے اور جو بھی سب سے زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہو، اسی کو قرضہ دیا جاتا ہے۔ ایک اور لحاظ سے قرضے تین قسم کے ہوتے ہیں:- ۱۔ قرضہ مساوات، ۲۔ قرضہ تحت مساوات اور ۳۔ قرضہ فوق مساوات یعنی بعض اوقات جب کوئی حکومت قرض لینا چاہتی ہے تو اسے مناسب شرح سود پر قرضہ حاصل کرنے میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ اسی صورت میں بجائے اس کے کہ اعلیٰ شرح سے سود ادا کرے وہ اس بات کو پسند کرتی ہے کہ قرضے کی بابت جس قدر رقم درحقیقت وصول کی جائے اس سے زیادہ مقدار کا کاغذ لکھدے۔ اس طریقے سے آنے والی منسلکوں پر زیادہ بار پڑتا ہے اور تبدیل قرضہ سے آئندہ مستفید ہونے کا کوئی موقع نہیں باقی رہتا۔ مثلاً بیٹے ۳۳ کروڑ ۵۴ لاکھ پونڈ کے تسکات ادائی ادائی شرحوں کے ساتھ جاری کیے تھے لیکن حکومت کو دراصل جو رقم اس قرضے سے حاصل ہوئی، اس کی مقدار ۲۰ کروڑ پونڈ تھی۔ اسی طرح سن ۱۹۰۷ء کا روسی قرضہ جو فرائض میں حاصل کیا گیا تھا، اس کی شرح سود ۵ فی صدی تھی۔ لیکن شرط یہ تھی کہ قرض بحساب ۹۵ فی صدی دیا جائے گا اور پانچ سال بعد پورے سود کی ادائی لازم ہوگی۔ اسی کے ساتھ ایک مزید شرط یہ شامل کر دی گئی تھی کہ قرضے کا ایک بڑا حصہ فرانسیسی مال و اسباب کی شکل میں حاصل کیا جائے۔ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں قرض لینے والی حکومتوں کو دراصل جو رقم وصول ہوئی تھی اس سے کہیں زیادہ واپس کرنے کا انھوں نے معاہدہ کیا تھا اور یہ محض اس غرض سے کہ فی الحال اعلیٰ شرح پر انھیں سود نہ دیا کرنا پڑے۔ برخلاف اس کے اگر قرضہ مساوات پر یا تحت مساوات ہوتا اور شرح سود نسبتاً اعلیٰ ہوتی تو قرض گیر ملک پر فوری بار تو نسبتاً زیادہ ہوتا لیکن جب نازک وقت گذر جاتا اور سنبھلنے کے لیے کچھ مہلت مل جاتی تو قرض گیر ملک کی خوش حالی لوٹ آتی اس کا اعتبار دو بارہ قائم ہو جاتا اور اس کے تسکات کی قیمتیں چڑھ جاتیں۔ اس وقت حکومت پر اس قرضے کو ایک جدید ادائی شرح والے قرضے کی شکل میں بدل دیتی، یعنی وہ یا تو ادائی شرح پر قرض لیکر اس کے ذریعے سے قدیم اعلیٰ شرح والا قرضہ ادا کر دیتی یا قدیم قرضہ خود ہی ادائی شرح پر رفا مند ہو جاتے۔ یہ آخری طریقہ ہی دراصل

زیادہ عام ہے۔ کیونکہ قرض خواہ مرد و جہ شرح سود کو پیش نظر رکھتے ہوئے میخوس کرتے ہیں کہ حکومت کے تسکات کی مالیت بڑھ گئی ہے اور اس لیے وہ جدید ادنیٰ شرح قبول کر لیتے ہیں۔ طریقہ تبدیل پذیری پر عمل درآمد کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ و۔ انگلستان میں ۱۳۴۲ اس کا آغاز ۱۷۱۷ء میں ہوا۔ لیکن بلحاظ مقدار کے سب سے بڑی بدل پذیری وہ ہے جو مسٹر گوشن کے ہاتھوں ۱۸۱۹ء میں واقع ہوئی۔ ان تسکات کی مقدار ۵۵ ملین پونڈ تھی اور ۳۱ فی صدی ان پر شرح سود تھی۔ بدل پذیری کے ذریعے سے اس شرح میں پہلے ۱۴ سال کے لیے ۲۲ فی صدی تک اور بعد ازاں ۲۱ فی صدی تک تخفیف کردی گئی۔ جس زمانے میں اس تجویز پر عمل کیا جا رہا تھا، وہ امن و خوش حالی کا زمانہ تھا، حکومت کا اعتبار بڑا ہوا تھا اور سود کی معمولی شرح میں اس قدر تخفیف ہو گئی تھی، اور یہ تخفیف اس قدر طویل مدت سے جاری تھی کہ عام طور پر لوگ یغیال کرنے لگے کہ اس ادنیٰ سطح سے وہ اب کبھی نہیں بڑھے گی۔

مختلف ممالک میں قرضے کا کس قدر بار ہے، اس کا ٹھیک پتہ لگانا ممکن نہیں ہے۔ بعض اوقات قرضے کی مجموعی مقدار کو ملک کی جملہ آبادی پر تقسیم کر کے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ فی کس قرضے کی مقدار کیا ہے۔ بعض اوقات محض شرح سود کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی طریقہ قومی قرضے کے حقیقی بار کا صحیح معیار نہیں بن سکتا۔ مختلف ممالک نے مختلف شرحوں سے قرض حاصل کیا ہو، لیکن قرضے کا بار اور اس کی سختی محض شرح سود پر منحصر نہیں ہے بلکہ اور بھی متعدد باتوں پر اس کا انحصار ہے مثلاً آبادی کی کثرت، رعایا کی خوش حالی، ان کا معیار زندگی، ان میں کسب معیشت کی استطاعت اور ملک کے قومی وسائل، غرض اس قسم کے بے شمار عاملین کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے تاکہ قرضہ قومی کے بار کا صحیح اندازہ کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ پیداوار اور غیر پیداوار قرضوں میں امتیاز کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ برطانیہ عظمیٰ کے قرضے کی مقدار بلحاظ آبادی فی کس ۵۵ پونڈ ہے۔ (۱۹۱۴ء) ہندوستان کی فی کس ۱۸ شلنگ۔ لیکن برطانیہ عظمیٰ میں بمقابلہ ہندوستان کے آمدنی کا اوسط کئی گنا زیادہ ہے۔ برخلاف اس کے ہندوستان قرضے کا بہت بڑا حصہ تو پیداوار کاموں (ریلوں اور آب پاشی) میں لگا ہے لیکن

برطانیہ کے قومی قرضے کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو ذریعہ آمدنی کہلا یا جاسکے۔ اسی طرح نیوزیلینڈ کے قرضے کی مقدار بلحاظ آبادی فی کس ۳۵ پونڈ ہے، لیکن اس کا بہت بڑا حصہ پیداوار ہے۔ تاہم ایک ایسی چھوٹی نوآبادی کے لیے خواہ اس کی قدرتی پیداوار کی کتنی ہی زیادہ ہو، قرضے کی اس قدر کثیر مقدار سر اسرفصول خرچی نہیں تو نا اہل و انہیشت ضرور ہے۔

تخفیف قرضہ کے طریقے۔ بعض ممالک نے اپنے قرضوں کو گھٹانے کے لیے نہایت شدید طریقے اختیار کیے ہیں۔ یا تو انھوں نے ادائیگی قرضہ سے قطعاً انکار کر دیا یا سود کو زبردستی گھٹا دیا۔ عام طور پر یہ حرکت اس وقت سرزد ہوتی ہے جبکہ حکومت نے پلے در پلے کی فضول خرچی اور اسراف سے کام لیا ہو، یا ملک میں کوئی بڑا انقلاب رونما ہوا ہو، یا کسی تباہ کن جنگ میں اسے شریک ہونا پڑا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو حکومت ادائیگی قرضہ سے انکار کر دے، اس کے خلاف کوئی چارہ کار نہیں ہے، بجز اس کے کہ اس پر حملہ کر کے اس کے کچھ علاقے پر قبضہ کر لیا جائے۔ ادائیگی قرضہ سے انکار کر دینا نہ صرف اخلاقی نقطہ نظر سے معیوب ہے بلکہ قوم کے وسائل و اخلاق کے دیوالیہ کی وہ ایک نشانی ہے۔ اس کی بدولت ترقی میں رکاوٹ اور تجارت میں موانعات پیدا ہو جاتے ہیں اور آئندہ کے لیے قومی اعتبار مفقود ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ جس قدر وہ خلاف ایمانداری ہے اسی قدر خلاف مصلحت بھی ہے۔

قرض گھٹانے کا ایک اور طریقہ جو بہت پہلے اختیار کیا گیا تھا، یہ ہے کہ اخراجات بخشنے کے بعد اتفاقاً جو کچھ آمدنی بچ رہتی ہے اس سے ایک قسم کا ذخیرہ ادائیگی بنالیا جاتا ہے۔ لیکن یہ ایک بہت سست رفتار اور ناکافی طریقہ ہے کیونکہ ہر سال آمدنی کا بچ رہنا ضروری نہیں ہے بلکہ بعض اوقات اخراجات زائد اور آمدنی کم ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں تخفیف قرض کے لیے کوئی معین مقدار ہر سال نہیں مل سکتی۔

برطانیہ کا عمل درآمد یہ ہے کہ سالانہ موازنے میں ایک معینہ رقم اس غرض سے علمدہ کر دی جاتی ہے کہ اس سے قرض کا سود ادا کیا جائے اور بقیہ رقم ذخیرہ ادائیگی

جو ادائی اہل کے لیے قائم کیا گیا ہے، شریک کی جائے۔ ۱۷۷ء سے یہ طریقہ باقاعدہ طور پر اختیار کیا گیا ہے۔ اس وقت جو رقم اس غرض سے مخصوص کی گئی تھی اس کی مقدار ۲۸ ملین پونڈ تھی۔ لیکن بعد کے وزرائے مالیات نے غیر معمولی اخراجات کے بہانے سے بہت غیر دانشمندانہ طریقے پر اس ابتدائی رقم میں تخفیف ہونے دی حتیٰ کہ متعدد مرتبہ جو رقم ادائی اہل کے لیے علیحدہ کی جاتی تھی اس کو قطعاً ملتوی کر دیا۔

۱۷۸ء میں پٹ نے جو ذخیرہ ادائی قائم کیا تھا، وہ محض ایک مالیاتی مغالطہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر پرائس نامی کوئی شخص تھا جس کے تخمینوں پر اس ذخیرہ کی بنیاد تھی۔ اصول یہ تھا کہ حکومت ہر سال ایک ملین پونڈ علیحدہ کر دے اور ایک مجلس کشنراں کے ذریعے سے اس رقم سے اپنے تسکات آپ خرید لے۔ اس طرح سود مرکب کے حساب سے یہ رقم جمع ہوتی رہے حتیٰ کہ اس سے قرضے کی کچھ مقدار یکشت ادا ہو سکے۔ اسی وقت یہ بھی طے کیا گیا کہ آئندہ جس قدر قرضے حاصل کیے جائیں، ان کے ساتھ ہی اس قسم کا ایک ذخیرہ ادائی بھی قائم کر دیا جائے تاکہ ادائی قرض کا مناسب انتظام ہو جائے۔ اس تجویز کی بیہودگی ایک زمانے تک مخفی رہی تھی کہ ۱۸۱۹ء میں لوگوں نے صاف طور پر سمجھ لیا کہ اس طریق پر عمل کرنا گویا ایک جیب سے روپیہ نکال کر دوسری میں ڈال دینا ہے۔ ڈیوڈ کارڈوئے نے اس مغالطے کی خوب قلمی کھولی اور ۱۸۲۹ء میں یہ ذخیرہ ادائی بالآخر منسوخ کر دیا گیا۔

کسی زمانے میں یہ اصول بہت زیادہ مقبول تھا کہ ادائی قرضہ کے لیے خاص خاص ٹکس علیحدہ کر دیے جائیں۔ بلکہ ۱۸۷۷ء میں والپول نے بعض ذرائع آمدنی کو سالیانوں کی ادائی کے لیے مختص کر دیا۔ جب کچھ زمانہ اور گزرا تو یہ تجویز پیش ہوئی کہ محصولات موت تخفیف قرضہ کے لیے مخصوص کر دیے جائیں۔ چنانچہ مسٹر گلڈ سنٹون اس تجویز کے بڑے حامی تھے۔ ایک اور تجویز یہ پیش کی جاتی ہے کہ محصول زمین کو کچھ معاوضہ لیکر آئندہ کے لیے منسوخ کر دیا جائے اور معاوضے میں جو سرمایہ حاصل ہوا اسے تخفیف قرضہ کے کام میں لایا جائے۔ لیکن اب تک ان دونوں میں سے کوئی تجویز اختیار نہیں کی گئی۔ ظاہر ہے کہ اگر قرضے میں درحقیقت تخفیف کرنا منظور ہے تو کوئی باقاعدہ اور مستقل طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ قرض جس طرح کسی منفرد شخص کے حق میں

برآ ہے اسی طرح ایک قوم کے لیے بھی وہ ناپسندیدہ ہے۔ اور گو قوم کی دولتندی میں اضافہ ہونے سے اس کا بار اٹھانا زیادہ آسان ہو جاتا ہے، تاہم قرضہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو برقرار رکھنے کی خاص طور پر کوشش کی جائے۔ قوم کو اس بات پر پھیر ہونا چاہیے کہ ہر سال قرضے کی ایک معین مقدار پابندی کے ساتھ ادا ہوتی رہے اور خوش حالی کے زمانے میں تو خاص طور پر بڑی بڑی قریب اس غرض کے لیے علیحدہ کی جانی چاہئیں۔ ہر جنگ قرضے میں کچھ نہ کچھ اضافے کی باعث ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر جنوبی افریقہ کی جنگ ہی کو لیجئے جس کی بدولت ۱۰ ملین پونڈ کا اضافہ ہو گیا۔ تخفیف قرضہ میں کچھ مدت کے لیے رکاوٹ پیدا ہو گئی اور ساتھی میں سال کی تخفیف عملاً مفقود ہو گئی۔ اس قسم کی مجبوریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات اور بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ امن کے زمانے میں تخفیف قرضہ کا کوئی باقاعدہ انتظام کیا جائے۔

بعض معاشین کا یہ خیال ہے کہ جب تک ملک میں کوئی نامناسب ٹکس باقی ہے اس وقت تک بہ مقابل قرض ادا کرنے کے ٹکس منسوخ کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ اس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر ٹکس بہت زیادہ گراں ہے تو بغیر تخفیف اخراجات کے کسی مقصد کے لیے بھی مزید ٹکس مانگ کر نادموار ہوگا۔ ایسی صورت میں طریق ٹکس کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔ اگر وہ خلاف انصاف سے تو اس کو ٹکس کے مقررہ اصول و قوانین کے مطابق بنانا چاہیے لیکن یہ ایک بالکل جداگانہ معاملہ ہے اور ٹکس کی غرض و غایت یا اس کی مقدار سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ بہر حال یہ تو ظاہر ہے کہ قرضے کا وجود ہی ٹکس کی ضرورت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ اگر ٹکس نہ لگایا جائے تو پھر سود کو نوکرا دیا گیا جائے۔ برغلاف اس کے جب کبھی کسی موقع پر قرضے کی مقدار کھٹے گی تو ادائی سود کے لیے آئندہ ٹکس لگانے کی ضرورت میں بھی کمی واقع ہوگی۔ چنانچہ اقتنا پندیر سالیا توں کا طریقہ جس کی اوپر تشریح کی جا چکی ہے، ایک طرح کی خاص کوشش ہے جو ایک مدت تک جاری رہتی ہے اور جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قرضہ قومی کا ایک حصہ ناپید ہو جائے۔ بعض لوگوں کی یہ تجویز کہ عام طور پر چندہ کر کے قرض ادا کر دیا جائے،

قطعی قابل لحاظ نہیں ہے۔ گویا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ یا تو تمام قوم چندہ دینے میں شریک ہو جو ایک ناممکن سی بات ہے یا صرف صاحب املاک لوگوں پر اس کا پورا بار پڑے جو نہ صرف غلات انصاف بلکہ ناقابل عمل بھی ہے کیونکہ اکثر لوگوں کو اس بات کی ضرورت ہوگی کہ قومی قرضے کی بابت اپنا حصہ ادا کرنے کے لیے غامی طور پر اعلیٰ شرحوں کے ساتھ قرض حاصل کریں۔

طریق تبدیل جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے، تخفیف قرضہ کی ایک نہایت موثر ترکیب ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ شرح سود کی تخفیف کے ساتھ قرض کی مقدار متعارفہ میں اضافہ نہ ہو، یا قرض خواہوں کو ادنیٰ شرح سود قبول کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے انعامات وغیرہ عطا کرنا نہ پڑیں۔ خود ملکومت کا اعتبار اور بازار زر کے حالات ہی ایسے ہوں گے کہ ان کی بدولت ادنیٰ شرح پر تبدیل ممکن ہو سکے اس طرح سود میں کمی واقع ہونے سے جو فائدہ ہاتھ لگے گا وہ ذخیرہ ادائی میں شامل ہو کر تخفیف مل کے کام آئے گا۔ ظاہر ہے کہ یہاں ذخیرہ ادائی سے مراد ایک ایسا ذخیرہ ادائی ہے جس میں ہر سال ایک معینہ رقم قرض کے اغراض کے لیے شریک کی جاتی ہے۔

مقامی قرضے۔ بلدیات کی عظیم الشان توسیع کی وجہ سے ایک بدیدہتم کا قومی قرضہ نمودار ہوا ہے۔ یہ دراصل مجموعہ ہے بہت سے سرکاری قرضوں کا جو مقامی اغراض کے لیے حاصل کیے جاتے ہیں۔ ۱۸۷۱ء کے قانون قرضہاں مقامی کے بعد سے ان قرضوں میں نہایت سرعت کے ساتھ ترقی ہوئی۔ کیونکہ اس قانون کی بدولت مقامی حکومتیں کھلے بازار میں قرض حاصل کرنے کی مجاز قرار دی گئیں۔ ۱۸۷۱ء میں سلطنت متحدہ کے اندر ان قرضوں کی مقدار ۵۶۲۶۳۰۰۰ پونڈ سے بھی زیادہ تھی اس میں سے ۱۳۲۰۰۰۰ پونڈ سے بھی کچھ زیادہ رقم دار السلطنت کے قرضوں کی بابت تھی۔ ۱۹۱۳ء میں سلطنت متحدہ کے اندر مقامی اغراض کے لیے جو سرمایہ اکٹھا کیا گیا، اس کی مجموعی مقدار ۱۱۸۲۵۱۱۸ پونڈ تھی۔ اس میں سے تقریباً ۲۰۰۰۰۰ پونڈ قرضے کے ذریعے سے حاصل کیے گئے تھے۔ ۱۹۱۲ء سے پارلیمنٹ وقتاً فوقتاً خاص طور پر قانون منظور کر کے شاہی قرضوں سے مقامی حکومتوں کی امداد کرتی ہے۔ مقامی قرضوں کی ادائی میں پہلے بڑی دیر کی جاتی تھی

حتیٰ کہ بعض اوقات ایک ایک قرضے کی ادائیگی میں سو سو سال گزر جاتے تھے۔ لیکن ۱۸۵۷ء سے مقامی قرضے مجلس حکومت مقامی کے مقرر کردہ ضوابط کے تحت حاصل کیے جاتے ہیں جن کی رو سے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ جب کبھی کوئی قرضہ حاصل کیا جائے تو ساتھ ہی ایک ذخیرہ ادائیگی بھی قائم کیا جائے تاکہ ایک مناسب مدت یعنی بالعموم تیس سال کے اندر قرضہ ادا ہو جائے۔ خزانہ شاہی نے جس قدر قرضے مقامی اغراض کے لیے حاصل کیے تھے، ۱۸۸۱ء میں انھیں قومی قرضے سے علیحدہ کر کے تسکات قرضہ ہائے مقامی کی شکل میں بدل دیا گیا۔ شخصوں کے تسکات کا اعتبار بہت بلند ہوتا ہے اور اب وہ قانون سرمایہ امانت میں شامل ہیں۔ شرح سود (۳) اور ۳۱ فی صدی کے درمیان بدلتی رہتی ہے۔

مقامی قرضے کا بہت بڑا حصہ شہری ہے اور بلدیات کی مدد و جہد کا نتیجہ ہے۔ اس کی تقریباً نصف مقدار پیداوار کاموں میں لگائی گئی ہے، مثلاً آب رسانی گیس اور برقی روشنی کی فراہمی، بندرگاہیں، گھاٹ، پتے، ٹریم وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک ذریعہ آمدنی ہے بلکہ بعض صورتوں میں ان سے منافع بھی حاصل ہوتا ہے۔ جب کبھی کوئی کمی واقع ہوتی ہے تو مقامی شرحوں سے اس کی تکمیل کی جاتی ہے۔ مقامی قرضے کا ایک اور بڑا حصہ نتیجہ ہے چند ایسے کاموں کا جو گودریعہ آمدنی نہیں تاہم سوسائٹی کے لیے نہایت ضروری اور براہ راست نفع بخش ہیں، مثلاً مدارس، شفا خانے، پاگل خانے، محتاجوں کے کارخانے، دفاتر عامہ، حمام، کتب خانے اور آگ بجھانے کے انتظامات۔ بقیہ حصہ افادہ یا صحت عامہ کے دوسرے کاموں میں صرف ہوتا ہے۔ جیسے کہ موریاں، سڑکیں، چمن، پل، کھلے میدان، کم حیثیت دستکاروں کے لیے مکانات وغیرہ۔

قرض گیری کے طریقے سے سرمایہ حاصل کرنا چونکہ بہت آسان ہو گیا ہے، لہذا ترقیات عامہ پر روپیہ خرچ کرنے کی بہت زیادہ ترغیب ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس طریق سے بیجا فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور جس سرعت سے قرضوں میں اضافہ ہو رہا ہے وہ نہایت خوفناک ہے۔ اندیشہ دراصل یہ ہے کہ اس کے تحت فضول خرچی بہت آسان ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ اس کا بار مستقبل پر عائد ہوتا ہے لہذا

حکام متعلقہ کا جہان کم و بیش تعینی نوعیت کے کاموں پر روپیہ خرچ کرنے کی طرف ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض کاروبار صنعتی ہوتے ہیں جن میں خانگی اصل اور خانگی خطرات پر چھوڑ دینا اور ان پر صرف حسب ضرورت سرکاری نگرانی قائم رکھنا زیادہ مناسب ہوتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اصل و سود کی ادائیگی کی خاطر بعض مقامات پر نہایت بھاری بوجھ ساند کر دئے گئے ہیں جو ان کی ترقی میں مانع ہوتے ہیں اور جب ان کی صنعتیں دوسرے مقامات کی صنعتوں سے جہاں اتنے بھاری ٹکس نہیں لیے جاتے، مسابقت کرتی ہیں تو وہ گھائے میں رہتی ہیں۔

قرض لینے کے طریقے کو بہت احتیاط کے ساتھ عمل میں لانے کی ضرورت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ رفاه عام کے مناسب کام جو دیر پا قسم کے ہوں ان کے خرچ کو اتنی مدت پر پھیلا دینا جو ان سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کے لیے درکار ہو ایک بالکل معقول بات ہے لیکن ساتھ ہی اس مدت کو بہت احتیاط کے ساتھ محدود کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ خرچ کے نئے نئے مطالبے ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ہر سال کوئی نئی احتیاجات محسوس ہوتی رہتی ہیں اور اس کو اپنی آمدنی سے نئے نئے مطالبات پورے کرنا پڑتے ہیں۔

شروں کے ہار کی طرح سود اور واپسی قرض کا باہمی خاصکر مکانات وغیرہ میں رہنے والوں پر پڑتا ہے اور کچھ حصہ زمین کے مالکوں پر بھی۔ بھاری ٹکس لگانے سے ممکن ہے کہ بعض شہر میں ادا کرنے والے جو مقام تبدیل کر سکتے ہیں وہاں سے ٹکل جائیں اور سارا بار ان لوگوں پر پڑ جائے جن میں نقل مقام کی کم قابلیت ہے۔ حد سے زیادہ جلدی نہ کرنے کا اصول بلدیات پر بھی اسی طرح صادق آتا ہے جس طرح کہ کم عمر نوآبادیات پر کیونکہ دونوں ترقیات کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ اگر قرض لینے کا اختیار اعتدال کے ساتھ عمل میں لایا جائے اور اسے قرین انصاف اخراجات پورا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ جلد جلد ترقی کرنے کا ایک ذریعہ بن سکتا ہے لیکن اگر وہ ضرورت سے زائد یعنی قسم کے کاموں کے لیے روپیہ حاصل کرنے کی غرض سے استعمال کیا گیا تو پھر یہ اندیشہ ہے کہ اس علاقے کے وسائل پر بڑا بھاری مالی بار پڑ جائے اور اس طرح اس کی ساری دولت کا خاتمہ ہو جائے جو بہ صورت دیگر اس کی ترقی اور نشوونما کا باعث بن سکتی۔

آٹھویں فصل

مالیات کے بعض دوسرے نظام

کسی گذشتہ باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ٹکس محض ایک مسئلہ مجرد نہیں ہے، بلکہ ہر ملک کا نظام اس کے تاریخی ارتقاء اور موجودہ حالات کے مابین ہوتا ہے، ٹکس کے عملی انتظامات کا انحصار بہت کچھ مقامی حالات اور امکانات پر ہے جن کی بدولت متعدد ایسے واقعات نمایاں ہوتے ہیں جو اس خاص حالت کے لیے کم و بیش مخصوص ہوتے ہیں بنیادی اصول تو نہیں متغیر ہوتے اور نہ ٹکس کے قدیم معیاری قوانین سے بے رنجی کی جاتی ہے بلکہ ان کا اطلاق خاص خاص اسباب کے تحت ہو گا جسے جن کا عملدرآمد ہر حالت میں یکساں نہیں ہوتا۔

ہندوستان اور فرانس میں ٹکس کے جو نظام قائم ہیں، ذیل میں ہم ان کا ایک مختصر خاکہ پیش کرتے ہیں جس سے مذکورہ بالا بیان کی کافی تصدیق ہو جائے گی۔ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جو وسعت میں تقریباً نصف یورپ کے مساوی ہے۔ دہی ریاستوں کو شامل کر کے اس کا کل رقبہ ۱۸ لاکھ تین ہزار مربع میل پر پھیلا ہوا ہے اور باشندوں کی تعداد ۳ کروڑ ۵۰ لاکھ ہے جس میں سے تقریباً ۲ لاکھ پچاس ہزار یورپی ہیں۔ بقیہ تعداد بہت سی اقوام کا مجموعہ ہے جو مختلف زبانیں بولتی ہیں۔ ایک اور اہم خصوصیت جس کا یاد رکھنا ضروری ہے یہ ہے کہ ملک کی دو تہائی آبادی کا مدار محض زراعت پر ہے اور بمقابلہ یورپ کے ان کا معیار زندگی بلاشبہ بہت ادنیٰ ہے جہاں تک ان کے کسب معیشت، طریق زندگی اور خیالات کا تعلق ہے، قدیم رسم و رواج، مذاہن و اشیاء اور روایات کا ان پر بہت زیادہ اثر ہے۔

۱۹۱۶-۱۵ء میں ہندوستان کے مدخل و مخارج حسب ذیل تھے۔

خام	خالص
مدخل ۸۴۴۱۳۰۰ پونڈ	۵۹۶۱۰۰۰ پونڈ
مخارج ۸۵۶۰۲۰۰ پونڈ	۱۴۳۳۰۰۰ پونڈ

خام اور خالص اعداد میں جو فرق نظر آتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ حکومت ہند ملک کی ترقی کی خاطر پیداوار اور کاموں درمیں آب پاشی، نہریں وغیرہ پر ہر سال بہت بڑی رقم صرف کرتی ہے اور ان کاموں کی وجہ سے جو آمدنی اور اخراجات لاحق ہوتے ہیں، وہ سب خام آمدنی اور خرچ کے تحت نظر آتے ہیں۔ یہ طاعتی میں اس قسم کے کاروبار خانگی اصل سے چلائے جاتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں اصل اور کاروباری قابلیت کی بہت قلت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں میں ترقی کی اُمنگ پیدا کرنے اور ملک کے معاشی حالات کو سدھارنے کی ذمہ داری ملک کے حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ اس قسم کے ضروری اور نفع بخش کاروبار کی بابت جس قدر آمدنی اور اخراجات ہوتے ہیں نیز وہ جو افیون کی کاشت اور تیاری سے متعلق ہیں منہما کر دیے جائیں۔ اس کے بعد ہمیں مدخل و مخارج کے جو اعداد دستیاب ہوتے ہیں، ان سے ہندوستان کی مالی حالت کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔

مدخل خالص ۱۹۱۶-۱۵ء

مالگزاری	۲۱۲۹۰۰۰ پونڈ
جنگلات	۲۰۶۵۰۰۰ پونڈ
افیون	۷۶۶۰۰۰ پونڈ
لکس	۲۳۰۹۱۰۰۰ پونڈ
نک	۳۳۷۳۰۰۰ پونڈ
اسٹامپ	۵۰۳۷۷۰۰۰ پونڈ

۸۴۹۸۰۰۰ پونڈ

۴۲۰۰۰ پونڈ

۵۷۲۰۰۰۰ پونڈ

۲۰۹۰۰۰۰ پونڈ

۵۱۸۰۰۰ پونڈ

آبکاری

صوبہ داری شہرین

کروڑ گیری

محصول آمدنی

رجسٹری

۲۵۶۱۸۰۰۰ پونڈ

تجارتی کاروبار :-

۶۳۸۰۰۰ پونڈ

ڈاک، تار

۴۰۷۵۰۰۰ پونڈ

ریلوے کی آمدنی

۱۰۵۸۰۰۰ پونڈ

آب پاشی

۵۷۷۱۰۰۰ پونڈ

متفرق :-

۳۰۴۰۰۰ پونڈ

ویسی ریاستوں کے خراج

۸۷۰۰۰ پونڈ

مبادلہ دار الضرب وغیرہ

۴۹۱۰۰۰ پونڈ

جملہ مدخل خالص :-

۵۵۹۶۱۰۰۰ پونڈ

منہاج خالص ۱۹۱۲-۱۵ء

۹۴۰۰۰ پونڈ

ندمات قرضہ

۲۲۲۶۱۰۰۰ پونڈ

فوج، بحریہ، اور فوجی کام

۶۶۹۸۰۰۰ پونڈ

تحصیل آمدنی

۲۶۹۵۹۰۰۰ پونڈ

خدمات دیوانی

۱۰۰۰۰۰۰ پونڈ

امداد قحط

۱۳۱۰۰۰ پونڈ

صوبہ داری فائضات

۱۳۳۰۰۰ پونڈ

مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہے کہ زمین آمدنی کا خاص ذریعہ ہے، اس سے تقریباً ۴۰ فی صدی خالص آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ مختلف قسم کے ٹیکسوں سے ۲۶۹۵۹۰۰۰ پونڈ یا ۴۲ صدی آمدنی دستیاب ہوتی ہے۔ اور باقی تمام ذرائع سے ۲۵۲۰۰۰ پونڈ یا ۱۳ فی صدی آمدنی کا ایک بڑا حصہ اُن پیداوار یا تجارتی قسم کے کاروبار کا نتیجہ ہے جنہیں خود حکومت چلاتی ہے۔ تقریباً تمام ریلیں اب حکومت کی ملک ہو گئی ہیں۔ اور آئندہ جب بڑی بڑی لائنوں کی خریدی مکمل ہو جائے گی تو اس ذریعے سے کثیر آمدنی حاصل ہونے کا قرینہ ہے۔ لیکن اس کے لیے ابھی تقریباً پالیس سال کی مدت درکار ہے۔

خرچ خاص کر دو عینہ انوں میں منقسم ہے۔ فوجی ۲۲۲۶۱۰۰۰ پونڈ اور دیوانی ۲۶۹۵۹۰۰۰ پونڈ۔ ملک کی وسعت اور کثیر آبادی کا لحاظ کرتے ہوئے فوجی اخراجات بہت زیادہ نہیں ہیں۔ اور جہاں تک دیوانی اخراجات کا تعلق ہے ان میں وہ بے شمار کاروبار شامل ہیں جو حکومت کی غیر معمولی جدوجہد کا نتیجہ ہیں۔ گزشتہ پچاس سال کے دوران میں ہندوستان نے زبردست ترقی کی ہے۔ اور ٹیکس کا بار ہندوستانی قوم پر جس قدر خفیف ہے، غالباً کسی اور مہذب قوم پر نہیں۔ ٹیکس کا اوسط فی کس صرف ۲ شلنگ ۶ پیس ہے۔ اور مالگزاروں کی کس مزید اشلنگ ۸ پیس کا باعث ہے۔

نک، افیون، کروڑ گیری، خراج، ریلوے وغیرہ سے جس قدر آمدنی حاصل ہوتی ہے، وہ شاہی اخراجات کے لیے مخصوص ہے اور زمین، اسٹامپ، آبکاری، جنگی، تشخیص شدہ ٹیکسوں وغیرہ سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ شاہی اور

موجودہ داری حکومتوں کے درمیان تقسیم ہو جاتی ہے۔

زمین ہندوستان میں آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ لگان یا ٹکس کی شکل میں اس سے ۲۱۶۰۰۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ درحقیقت یہ رقم ٹکس نہیں کہلائی جاسکتی بلکہ وہ زمین کا لگان ہے جو کاشتکار سرکار کو ادا کرتے ہیں۔

زمانہ تقسیم سے حکومت ہی زمین کی اصلی مالک تسلیم کی جاتی ہے اور ملک کے بہت بڑے حصے پر وہی زمیندار بھی ہے۔ برطانوی علاقے کی توسیع کے ساتھ ساتھ

اس آمدنی کی خام مقدار میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس کے علاوہ رقبہ کاشت بھی

وقتاً فوقتاً وسیع ہوتا گیا۔ یا تو بیکار زمینیں قابل کاشت بنائی گئیں یا جو قطعات

اب تک کم دیش ویران پڑے ہوئے تھے ان میں ذرائع آب پاشی مہیا کیے گئے۔

اس طرح بھی زمین کی آمدنی بڑھتی گئی۔ لیکن اس اضافے کے ساتھ ساتھ لگان کی

تخفیفیں میں عام طور پر تخفیف ہوتی گئی چنانچہ زمین کی مجموعی پیداوار کا ۱۰ فی صدی

حصہ حکومت کو بطور لگان کے ملتا ہے۔ لگان کے علاوہ زمین پر کچھ مقامی

ٹکس بھی لگائے جاتے ہیں جن سے سڑکوں کی مرمت اور مدارس، شفا خانوں

وغیرہ کے اخراجات چلائے جاتے ہیں۔ بلدیات کی آمدنی زیادہ تر اکڑاے

ور زمین، مکانات، گاڑیوں اور جانوروں کے محاصل سے حاصل کی جاتی ہے۔

جنگلات کا کام حکومت ہند نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیتی ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ ملک کو ایک نہایت قیمتی جائداد حاصل ہو گئی ہے جس کا رقبہ

۲۴۰۰۰ مربع میل سے بھی زائد ہے سرکار کے اس کاروبار کی بدولت

رعایا کو ایک ضرورت کی چیز دستیاب ہو جاتی ہے اور بہت سے مزدور

روٹی سے لگ جاتے ہیں۔ ورنہ اس سے پہلے حالت یہ تھی کہ بے امتنانی کے

ہاتھوں جنگل کے جنگل تباہ ہو رہے تھے اور ایسی اہم ضرورت کی چیز ملک سے

نایاب ہوتی جا رہی تھی۔ ۱۹۱۶-۱۵ء میں جنگلات سے ۲۰۶۵۰۰ پونڈ خالص آمدنی

حاصل ہوئی تھی۔

فیوول حکومت کا ایک اجارہ ہے۔ برطانوی ہند کے صرف تین صوبوں

اور وسط ہند کی دیسی ریاستوں میں اس کی کاشت ہو سکتی ہے۔ اس کی فروخت

کے لیے محصول ادا کرنا اور لیسنس حاصل کرنا پڑتا ہے۔ اور خشکاش کی کاشت کے لیے بھی لیسنس حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ برطانوی علاقے سے جو پیداوار حاصل ہوتی ہے حکومت کے گماشتے اُسے مقررہ قیمتوں پر خرید لیتے ہیں۔ حکومت کے کارخانوں میں افیون تیار کی جاتی ہے اور کلکتے میں بذریعہ ہرج فروخت کر دی جاتی ہے۔ وسط ہند کی مالوے والی افیون جب برطانوی علاقے میں داخل ہوتی ہے تو اس پر محصول عبور لگایا جاتا ہے۔ ۱۹۱۶ء میں خالص آمدنی ۶۶۰۰۰ پونڈ تھی۔ چین پہلے افیون کا خاص بازار تھا۔ گند و شنیڈ کے بعد بتدریج یہ تجارت روکی گئی تھی حتیٰ کہ ۱۹۱۵ء میں وہ قطعاً موقوف ہو گئی۔

محصول آمدنی سے ۱۹۱۶ء میں جو خالص رقم ہاتھ لگی اس کی مقدار ۲۰۹۰۰۰ پونڈ تھی۔ کم سے کم آمدنی جس پر آج کل یہ محصول لگایا جاتا ہے، وہ ایک ہزار روپیہ ہے۔ ۲۰۰۰ روپیہ سے کم آمدنیوں پر شرح ٹکس ۲ فی صدی ہے۔ ۲۰۰۰ روپیہ اور اس سے زائد پر ۲ فی صدی ہے۔ گویا ادنیٰ شرح کے مطابق انکم ٹکس فی پونڈ ۵ پنس اور اعلیٰ شرح کے مطابق فی پونڈ ۶ پنس ہے جن اشخاص کی آمدنی ۵۰۰۰ روپیہ ہو، ان سے ایک زائد ٹکس بھی وصول کیا جاتا ہے جس کی شرح فی پونڈ ۳ شلنگ ۳ پنس اور ۳ شلنگ ۹ پنس کے درمیان ہوتی ہے۔ انکم ٹکس کا اثر زیادہ تر بڑے بڑے زمیندار، تجارتی عہدہ داران، سرکاری اور علمی پیشہ والوں پر پڑتا ہے۔

محصول نمک بجز اس تخفیف محصول کے جو سوئی چنیروں پر لگایا جاتا ہے، محصول نمک ہی ایک ایسا محصول ہے جس کا بار دھایا پڑتا ہے۔ ۱۹۱۶ء میں اس محصول سے ۳۷۳۰۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔ نمک کی کچھ مقدار تو باہر سے درآمد ہوتی ہے اور کچھ مقامی طور پر کافوں سے اور بذریعہ تجربہ حاصل کیا جاتی ہے۔ ۱۹۱۶ء میں اس پر جو محصول کروڑ گیری یا محصول چنگی لگایا جاتا تھا، اس کی شرح فی من (۸۰ پونڈ) ایک روپیہ تھی۔ اگر نمک کے سالانہ صرف کا اوسط نکالا جائے تو اس حساب سے شرح محصول فی کس ۳ پنس ہوتی ہے۔ بسا اوقات یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ زراعت پیشہ طبقے پر یہ ٹکس بہت گراں ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر محصول نمک کو ترک کر دیں تو پھر یہ مشکل کوئی ایسا محصول دستیاب ہو سکتا ہے جس کا نقد یہ بھی عام ہو، جو بہت گراں بار بھی نہ ہو اور جس کی ادائیگی سے گریز بھی نہ کیا جاسکے۔

محصول اسٹامپ سے ... ۵۳۷ پونڈ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ اس نمکس کا بار قوم کے صرف ایک محدود حصے پر پڑتا ہے۔ اس میں سے تقریباً دو تہائی حصہ سرکاری عداوتوں کی فیس پر مشتمل ہے جو ان سے مستفید ہونے والے اشخاص سے وصول کی جاتی ہے۔ بقیہ ایک تہائی آمدنی ان اسٹامپ سے حاصل ہوتی ہے جو تجارتی کاروبار میں جہاں روپیہ کا لین دین ہوتا ہے استعمال کیے جاتے ہیں۔

محصول چینی جو زیادہ تر نشہ آور چیزوں پر لگائے جاتے ہیں ... ۸۴۹ پونڈ آمدنی کا باعث تھے۔ ہندوستانیوں میں شاذ و نادر ہی ایسے اشخاص نظر آئیں گے جو سکرات کے استعمال میں اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہوں۔ بلکہ ایک کثیر تعداد تو ان میں ایسے اشخاص کی ملے گی جو مذہبی اسباب کی بنا پر ان چیزوں سے قطعی اعتنا کرتے ہیں۔ تمباکو ملک کی ایک عام پیداوار ہے جو وسیع پیمانے پر لگائی جاتی ہے، لہذا اس پر محصول جنگی نہیں لگایا جاتا۔

محصول کروٹگیری سے ... ۵۷۲ پونڈ خالص آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ یہ زیادہ تر سوتی اشیاء چاندی، مٹی کا تیل، شراب اور شکر سے وصول کیے جاتے ہیں۔ ۱۸۹۷ء سے ایک عام محصول لگایا جاتا ہے جس کا اثر کثیر التعداد اشیاء پر پڑتا ہے۔ ان میں ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن سے بہت قلیل آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ زمانہ سابق میں محاصل درآمد نہ صرف بہت سی چیزوں پر لگائے جاتے تھے بلکہ ان کی شرح بھی اب سے بہت زیادہ بلند ہوتی تھی۔ ۱۸۷۶ء میں مالی مسلک کی اصلاح کا آغاز ہوا جو ۱۸۸۲ء تک جاری رہی اور جس کا میلان تجارت آزاد کی طرف تھا۔ چنانچہ سال آخر ان کی شرح صرف نمک، شراب، اسلحہ اور ضروریات جنگ کے محصول باقی رہ گئے تھے۔ بعد ازاں انہی کے ساتھ مٹی کے تیل کا محصول بھی شامل کر دیا گیا۔ ذیہ زیادہ تر روس اور ریاستہائے متحدہ امریکہ سے حاصل کیا جاتا تھا۔ محاصل برآمد پہلے کثیر تعداد میں موجود تھے لیکن اب صرف چائوں کی برآمد کا محصول باقی رہ گیا ہے۔ چائوں زیادہ تر برما میں لگایا جاتا ہے اور

فی ہند ڈویٹ ۳ پنس محمول برآمد لگانے سے ۶۰۰۰۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔
 ۱۸۸۱ء اور ۱۸۹۴ء کے درمیان جس قدر ملکن ہو سکتا تھا، ہندوستان میں
 تجارت آزاد پر عملدرآمد جاری رہا۔ لیکن ۱۸۹۴ء میں جب روپے کی قدر گھٹ گئی اور
 اس کی وجہ سے بہت سی مشکلات رونما ہوئیں تو وسائل آمدنی میں توسیع کرنے کی
 ضرورت لاحق ہوئی۔ اسی بنا پر یہ تجویز منظور کی گئی کہ آمدنی کی اغراض کے لیے ایک عام
 محمول درآمد بہ شرح ۵ فی صدی عائد کیا جائے۔ ان محاصل کا مقصد ملکی صنعتوں کی
 تائید نہیں بلکہ محض آمدنی حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ اسی بنا پر ملک کے اندر جو سوئی اشیاء تیار
 ہوتی تھیں، ان پر اسی شرح سے محمول چنگی عائد کیا گیا۔ اس محمول کے لیے صرف
 سوئی اشیاء کو منتخب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کی دیسی صنعتوں میں صرف یہی ایک
 ایسی صنعت تھی جو بیرونی ممالک سے مسابقت کر سکتی تھی۔ اس کے بعد فوراً ہی سوئی
 مصنوعات پر جو محمول کروڑ گیری اور محمول چنگی لگائے جاتے تھے، ان دونوں میں
 تخفیف کی گئی اور ان کی شرح ۳ فی صدی بحساب قیمت قرار پائی۔ بوجے اور خدادادی
 درآمد پر ایک فی صدی محمول لگایا جاتا ہے اور مشنری تو زیادہ تر بلا محمول ملک میں
 داخل ہوتی ہے۔

ڈاک اور تار کی خدمات ہندوستان میں نہایت ہی خوبی کے ساتھ انجام
 دی جاتی ہیں اور ساتھ ہی وہ ارزاں بھی ہیں۔ ۱۹۱۶ء میں آمدنی ۳۸ لاکھ ۸۸ ہزار پونڈ
 اور خرچ ۳۱ لاکھ ۵۰ ہزار پونڈ تھا۔ سرمایہ خرچ شدہ کی مقدار ۱۵ لاکھ پونڈ تھی، ان خدمات
 کی وجہ سے ہندوستان پر کوئی بار نہیں پڑتا اور ان سے بہت قلیل آمدنی حاصل
 ہوتی ہے۔ دستاویزات کی رجسٹری کی بابت جو تھوڑی سی آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ بطور
 معاوضہ خدمت کے ہے اور اس کا بار ایک محدود طبقے پر عائد ہوتا ہے۔

ریلیں ہندوستان میں ۸۳۳ میل کے رقبے پر چلی ہوئی ہیں۔ یہ برطانوی
 اصل کی مدد سے جاری کی گئی تھیں اور اب وہ سرکاری ملک ہیں اور سرکاری ان کا
 انتظام کرتی ہے۔ ۱۸۹۹ء تک ان کی آمدنی اتنی نہیں ہوتی تھی کہ اس سے ان کے
 اخراجات ٹھل سکیں۔ لیکن اب ان کی بدولت خالص آمدنی حاصل ہوتی ہے جس کی
 مقدار ۱۹۱۶ء میں ۴۰ لاکھ ۵۰ ہزار پونڈ تھی۔ واضح رہے کہ یہ مقدار وہ ہے جو

معنا ریف کار بار اصل کا سود اور ادائی قرض کی امدادی قریں منہما کرنے کے بعد بچ رہی تھی۔ کل سرمایہ جو ریلیوں کی تعمیر میں لگایا گیا ہے اس کی مقدار ۳۹۱۵۸۵۰۰ پونڈ ہے۔

آب پاشی سرکار نے کارہائے آب پاشی پر بہت بڑی رقیں صرف کی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تقریباً ۲ کروڑ ۵۰ لاکھ ایکڑ زمین کا شکار ہی کے لیے حاصل ہو سکی ہے۔ اور اس طرح لاکھوں زراعت پیشہ اشخاص روزی کمانے کے قابل ہو گئے ہیں۔ آب پاشی سے جو فائز آمدنی حاصل ہوئی اس کی شرح سرمایہ خرچ شدہ (۸۵۰۰۰۰ پونڈ) کے لحاظ سے ۱۰۰ فی صدی تھی۔ تخمینہ کیا گیا ہے کہ اس زمین پر ہر سال جو فصلیں اگائی جاتی ہیں ان کی مالیت سرمایہ خرچ شدہ پر ۱۰۰ فی صدی سے بھی زیادہ ہے۔

ہندوستان کا قرضہ مارچ ۱۹۱۳ء میں ۲ کروڑ ۵۰ لاکھ ۲۵ ہزار پونڈ تھا اور حکومت کی دوسری ذمہ داریوں (سیونگ بنک، سرویس فنڈ وغیرہ) کی مقدار ۳ کروڑ ۲۹ لاکھ ۲ ہزار پونڈ تھی۔ اس میں سے حکومت نے ۵ کروڑ ۳۸ لاکھ ۲۵ ہزار پونڈ ریلیوں کی تعمیر میں اور ۳ کروڑ ۵ لاکھ ۴ ہزار پونڈ کارہائے آب پاشی پر خرچ کیے ہیں۔ یہ مصارف نہ صرف ملک کے نشوونما کا باعث ہوئے ہیں بلکہ ان کی بدولت ملک کے لیے حصول منافع کی ایک صورت نکل آئی ہے اور آمدنی کا ایک مدام ذریعہ پیدا ہو گیا ہے۔ مزید براں حکومت نے نقد قیمت ادا کر کے یا سالیانوں کے ذریعے سے نوٹریں خریدیں جن پر کمپنیوں کے ۱۰ کروڑ ۸۰ لاکھ ۹۲ ہزار پونڈ خرچ ہو چکے تھے۔

۱۲۹ دسی ریاستوں، بندرگاہی محکموں، شخصوں اور کاشتکاروں وغیرہ کو جو قرضے دیئے گئے ہیں ان کی مقدار ایک کروڑ ۵۰ لاکھ ۵ ہزار پونڈ اور ریلیوں کے قرضوں کی مقدار ۸۵ لاکھ ۵ ہزار پونڈ ہے۔ سرمایہ ذخیرہ طلا جو انگلستان میں ہے اور نقد اخراجات کی مقدار ۲ کروڑ ۵۰ لاکھ ۱۰ ہزار پونڈ ہے۔ غرض جس قدر سرمایہ ان مختلف صورتوں میں مشغول ہے وہ مجموعی طور پر قرضے کی مقدار سے کچھ زائد ہی ہے اور ان سے جس قدر منافع حاصل ہوتا ہے وہ قرضے کا سود ادا کرنے کے لیے کافی ہے۔ وہاں کوئی بے فنڈ (یعنی عارضی) قرضہ نہیں ہے۔ یورپین ممالک کے بڑے بڑے جنگی قرضوں، نیز ان کے بے انتہا جنگی و انتظامی اخراجات کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کے مالیات نہایت قابل اطمینان

حالت میں ہیں۔

ہندوستان کے مخصوص حالات، اس کے مختلف اقوام کی تاریخ اور ان کے خصوصیات، اور ان کے جداگانہ نصب العین اور طرز زندگی، ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر جب وہاں کے موجودہ مالی نظام کے نتائج پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس کا مناسب و موزوں ہونا خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ باوجود اس کے کہ وہاں حالات برطانیہ عظمیٰ سے بالکل مختلف ہیں، لیکن پھر بھی آدم اسمتھ کے قوانین کی پابندی کی جاتی ہے۔ ایک طرف تو کفایت اور پیداواری کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور دوسری طرف ٹیکس کے بار کو ہر شخص کی استطاعت کے مطابق بنانے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ قانون مساوات کی خلاف ورزی نہ ہو۔

۱۲-۱۹۱۵ء میں ہندوستان سے تجارتی مال و اسباب کی برآمد بقدر ۱۲۱۳۵۱۰۰ پونڈ

اور درآمد بقدر ۹۶۶۲۱۰۰ پونڈ تھی۔ اس کے علاوہ سوئے چاندی کی برآمد و درآمد

ترتیب وار بقدر ۳۵۲۶۰۰ پونڈ اور ۱۴۵۳۰۰۰ پونڈ تھی۔ ہندوستان کے

ناموافق توازن کی تشریح یہ ہے کہ مصارف حکومت کی بابت ہندوستان برطانیہ عظمیٰ کو

بہت سی رقمیں ادا کرتا ہے اور اس کے علاوہ ہندوستانی ریلوں اور مختلف صنعتوں

مثلاً چائے، نیل، روئی، سن وغیرہ میں جو برطانوی اصل لگا ہوا ہے اس پر سود

ادا کیا جاتا ہے۔ دوسرے مدت تاجروں، ہزاروںوں اور بینک داروں کے

منافع اور ان رقوم پر مشتمل ہیں جو انگریز ملازمین برطانیہ عظمیٰ کو۔ واند کرتے رہتے ہیں۔

سامان درآمد کا دو تہائی حصہ سلطنت متحدہ سے حاصل کیا جاتا ہے۔

تقریباً ۱۱ فی صدی برطانوی مقبوضات سے اور بقیہ دوسرے ممالک سے۔

سامان برآمد مند رجہ ذیل اشیاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ خام پیداواریں

روئی، سن، چمڑے، کھالیں، رنگ کی اشیاء، ریٹیم وغیرہ اشیائے خرداک (چائے

کافی، گپیوں، چانول وغیرہ) مصنوعات (سوتی ڈور اور تاکا، روئی اور سن کی

جی ہوئی چیزیں) اور دوسری اشیاء۔

مذکورہ بالا سامان برآمد میں سے تقریباً نصف حصہ ایسا ہے جسے

آزاد بازار میں سر ہے۔ بقیہ سامان پر ملک درآمد میں محصول عائد کیے جاتے ہیں۔

یہ محمول یا تو آمدنی کی غرض سے لگائے جاتے ہیں جیسے کہ انگلستان میں چائے کا محمول، یا وہ دوسرے مالک کے تائینی نظام کا جزو ہوتے ہیں۔ جہاں تک ہندوستانی تجارت کا تعلق ہے، ترجیح کا کوئی طریق اس کے لیے مفید نہیں ہو سکتا۔ گیارہویں صدی میں تو یہ قابلیت ہی نہیں کہ اس کی تجارت کو بہت زیادہ بڑھا سکیں، البتہ تباہی اور نیل و چیزیں ایسی ہیں جو ترجیح سے مستفید ہو سکتی ہیں۔ شہنشاہی کے حدود میں ترجیحی محاصل اختیار کرنے کی بابت حکومت ہند نے جن حالات کا اظہار کیا ہے، ان کا اس طرح خلاصہ کیا گیا ہے (حکومت کی نیلی کتاب نمبر ۱۹۳۱)۔

”ایک تو یہ کہ کسی ایسے طریق کے بغیر ہی ہندوستان کو غیر معمولی طور پر وہ تمام فوائد حاصل ہیں جو درآمد و برآمد کے آزادانہ مبادلے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر خالص معاشی نقطہ نظر سے اس مسئلے پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہندوستان کی طرف سے شہنشاہی کو بہت زیادہ نہیں بلکہ شاید کسی قدر فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ برعکس اس کے خود ہندوستان کو اس کے معاوضے میں کوئی فائدہ نہیں مل سکتا۔ بلکہ اس کو اپنی تجارت کا بہت بڑا حصہ کھو دینا یا اس کو خطرے میں ڈالنا پڑے گا۔“

تفسیر سے یہ کہ غیر اقوام انتظام لینے پر آمادہ ہو جائیں گی اور گوبالاخروہ کامیاب نہ ہوں، تاہم یہ خطرہ اس قدر اہم اور اس کے نتائج اس قدر تباہ کن ہوں گے کہ اس قسم کا کوئی نیا مسلک اختیار کرنا ہمارے لیے اس وقت تک قرین انصاف نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ اب تک اس مسلک کی جس قدر خوبیاں نظر آتی ہیں ان سے کہیں زیادہ اور یقینی فوائد اس کی بدولت حاصل ہوں گے۔“

فرانس (۱۹۱۳-۱۹۱۴ء)

اب ہم ایک ایسے ترقی یافتہ ملک کے مالی نظام پر نظر ڈالتے ہیں جو متعدد باتوں میں برطانیہ عظمیٰ سے بہت مشابہ ہے لیکن پھر بھی بعض اہم حالات میں اس سے مختلف ہے۔ فرانس کی آبادی تقریباً چار کروڑ ہے۔ اس کا رقبہ ۲۰۷۱۰۰ مربع میل پر

پھیلا ہوا ہے۔ یہ ملک بمقابل برطانیہ عظمیٰ کے زیادہ زراعتی ہے اور جہاں تک غذائی ضروریات کا تعلق ہے، تقریباً خود کفیل ہے۔ اس کے معدنی وسائل بہت زیادہ نہیں ہیں، اور اس کی صنعتیں برطانیہ عظمیٰ کی صنعتوں سے چھوٹی ہیں۔ اس کا ساحل اس قدر طویل نہیں ہے جتنا کہ اس کے پڑوسی جزیرے کا۔ گونا گوی تجارت کے لیے اس کے پاس عمدہ بندرگاہیں کافی تعداد میں موجود ہیں اور یوروپ کے دوسرے ممالک سے وہ نسبتہ زیادہ قریب بھی ہے۔

۱۹۱۳ء میں فرانس کے مخارج کا تخمینہ ۲۳۷۶۵۷۰ پونڈ کیا گیا تھا۔ اس میں اور سلطنت متحدہ کے مخارج میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ یہ مخارج پانچ عمودوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں:-

(۱) قرضہ عامہ کا خرچ ۱۸۵۶۹۵۷ پونڈ اس میں ایک تو قرضے کا سود اور اس کی بابت دوسرے اخراجات شامل ہیں۔ فرانس کے قرضہ عامہ کی مقدار ۱۰۱۵۰۰۰۰ پونڈ ہے اور ان کے علاوہ ۷۸۹۹۴ پونڈ فوجی، بحری اور دیوانی وظائف کی بابت شریک ہیں۔ فرانس میں ان وظائف کا شمار قرضہ عامہ کی ذمہ داریوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور ان کی مقدار روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرضہ عامہ میں سے تقریباً ۳ کروڑ پونڈ کی رقم وہ ہے جو فرانس کی ریلوں میں لگائی گئی ہے اور یہ بالآخر حکومت کی ملک بن جائے گی۔

(۲) حکومت عامہ کے اخراجات:- ۸۰۴۶۵۹ پونڈ۔ اس رقم کو دراصل فرانس کی سیول لسٹ (یا اخراجات شاہی) کہنا چاہیے اس میں پریزیڈنٹ کی تنخواہ، اراکین سینٹ اور چیمبرن ڈپوٹس کی تنخواہیں نیز نظامی اخراجات شامل ہیں۔ (۳) سررشتہ جات سرکاری کے اخراجات:- ۸۰۹۸۰۹ پونڈ۔

اس میں محکمہ جنگ کی بابت ۵۷۳۲۸۹ پونڈ شریک ہیں، بحریہ کی بابت ۶۴۲۷۹ پونڈ، تعلیم کی بابت ۶۷۳۲۸۹ پونڈ، نوآبادیات کی بابت ۴۱۴۲۱ پونڈ، اور زراعت کی بابت ۲۲۰۱۱ پونڈ، یہ ایک قابل لحاظ بات ہے کہ نوآبادیات کی بدولت حکومت کو اس قدر مصارف برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ فوجی تحفظ ان مصارف کا سب سے بڑا جزو ہے۔ زراعت کا خرچ کئی ابواب پر مشتمل ہے نہراستی، انجنوں کی امدادی قیس،

کمان، پیٹ سن اور ٹیشی کیڑوں کی کاشت کے انعامات، گھوڑوں کی نسل کشی کے اخراجات، یہ تمام میں اسی ایک عنوان میں شامل ہیں تجارتی جہاز سازی، جہاز رانی، ماہی گیری، ٹیشیم کی صنعت، ڈاک اور تار رسانی، ان تمام صنعتوں کو زیر تجارت کی جانب سے بھی انعامات دیے جاتے ہیں جن کی مجموعی مقدار ۲۲۹۴۳۶۱ پونڈ ہوتی ہے۔ وزارت تعمیرات نے اس سال ۱۳۶۳۶۲۱ پونڈ خرچ کیے جن میں وہ ضمانتیں اور امدادی رقمیں شامل ہیں جو فرانس، الجزائر، اور تونس کی ریلوں کو عطا کیے گئے ہیں۔

(۴) اجاروں کا انتظام اور تحصیل ٹکس :- ۱۸۷۸ء ۲۲۲۳۵ پونڈ۔ ان میں ڈاک خانے کی بابت ۲۸۲۹۴ پونڈ شامل ہیں اور بقیہ رقم ٹکسوں کے وصول کرنے اور سرکاری صنعتوں دہنبا کو دیا سلائی، بارود کی بابت ہے۔

فرانس میں سرکاری آمدنی جس کی مقدار ۱۹۱۳ء میں ۵۵۵۰۰ پونڈ تھی، مختلف ذرائع سے حاصل کی جاتی ہے جن میں سے مندرجہ ذیل خاص طور پر اہم ہیں :-
(۱) بلا واسطہ ٹکس :- اس عنوان میں حسب ذیل ٹکس شامل ہیں :-

(۱) محصول زمین جو لگان پر عائد کیا جاتا ہے۔ (۲) ہمارات کا محصول۔ (۳) ذاتی جائداد کا محصول۔ (۴) دروازوں اور دریچوں کا محصول۔ (۵) خاص خاص پیشے اختیار کرنے کے لیسنس۔ یہ ٹکس دراصل تجارتی منافع پر لگایا جاتا ہے۔ کاشتکاری تو اس سے مستثنیٰ ہے اور دوسرے تمام پیشے ایک پیچیدہ طریقہ پر مرتب کیے گئے ہیں مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس عنوان کے تحت آمدنی، منافع اور لگان پر ٹکس لگائے جاتے ہیں۔ گویا وہ محصول آمدنی اور محصول املاک کے متوازی ہیں ان کی بدولت کل ۲۲۵۱۲۶۳۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی جو مجموعی آمدنی کا ۱۲ فی صدی حصہ ہے۔ متعدد دہنبا یہ تجویز پیش ہو چکی ہے کہ زمین، ذاتی جائداد، دروازوں اور دریچوں سے حاصل کئے گئے ٹکس ایک محصول آمدنی جاری کر دیا جائے۔ لیکن چونکہ اس تجویز کے مطابق بتاواہ طور پر بیع حالات کی تحقیق کرنا ضروری ہوگا لہذا وہ کبھی منظور ہی نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن ۱۹۱۵ء میں بالآخر محصول آمدنی جاری کر دیا گیا۔

(۲) چند متفرق ٹکس جو بلا واسطہ ہی تصور کیے جاتے ہیں :- ٹکس گاڑیوں

گھوڑوں، سیکلوں، موٹروں، وزن اور نپان کے پیمانوں، معدنی آمدنیوں اور مذہبی یا دوسرے اداروں کے املاک پر عائد ہوتے ہیں مجموعی طور پر ان سے ۲۳۸.۷۳۰ پونڈ آمدنی دستیاب ہوتی ہے۔

(۳۱) رجسٹریشن :- اس عنوان میں وہ ٹکس شامل ہیں جو افعال و اعمال پر لگائے جاتے ہیں تاکہ سرکاری طور پر ان کا داخلہ ہونے سے وہ قانون کی نظر میں تسلیم کیے جاسکیں۔ فروخت جائیداد، ہبہ، وراثت، رہن، دیوانی و انتظامی عدالتی کارروائیاں، یہ سب انہی میں شامل ہیں۔ ان کی آمدنی ۲۱۱۳۵۹۸ پونڈ تھی مجموعی آمدنی کا ۱۴ فی صدی حصہ تھی۔ محاسن وراثت کی ایک لمبی چوڑی اسکیم ہے جس میں اصول متوازن اختیار کیا گیا ہے۔ یہ اصول دو طرح سے منطبق کیا جاتا ہے (۱) ایک تو قرابت داری کے لحاظ سے جس کے سات مدارج مقرر کیے گئے ہیں اور دوسرے (۲) جائیداد کی مالیت کے لحاظ سے جس کے بارہ مدارج قرار دیے گئے ہیں۔ یہ اسکیم برطانیہ کے محاسن موت کی اسکیم سے بہت مشابہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شاید برطانیہ کے ۱۸۹۵ء والے قانون مالیت کے نمونے پر بنائی گئی ہے۔

(۴) اسٹامپ سے ۹۷۲۳۲۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ ہزاروں کے کاروبار سے ۶۹۸۵۸۰ پونڈ۔ رانٹ کے سوا دوسرے تمام تسکات کی آمدنی پر جو ٹکس لگائے جاتے ہیں ان سے ۸۳۹۶۰ پونڈ۔ اصولاً یہ شعبہ برطانوی نظام کے کم و بیش ایسے ہی ٹکسوں کے مطابق ہے لہذا اس پر خاص طور پر رائے زنی کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵) کروڑ گیری سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ ۲۴۹۸۳۵۸۰ پونڈ یا مجموعی آمدنی کا ۱۳ فی صدی حصہ ہے۔ یہ شعبہ ہرگز محض آمدنی کی اغراض کے لیے نہیں ہے بلکہ اس سے ملکی صنعتوں کی تائین بھی مقصود ہے۔ محاسن کی تعداد بہت کثیر ہے اور وہ اشیائے خورد و رک، پیداوار خام، اور مصنوعات پر عائد ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر تو ایسے ہیں جن سے بہت کم آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جو کارآمد چیزوں کو ملک میں داخل ہونے سے روکتے اور اس طرح فرانسیسی صنعت کی ترقی میں مانع ہوتے ہیں آمدنی جو دراصل حاصل ہوتی ہے وہ چند غیر تائینی محاسن کی بدولت ہے اور ان میں بھی صرف کافی اور مٹی کا تیل ایک بڑے حصہ آمدنی کا باعث ہیں۔ بہت سے محاسن صرف

جزئی طور پر تائی ہیں۔ اس طریق میں وہ تمام خامیاں موجود ہیں جو ٹکس لگا کر ملکی صنعتوں کو محفوظ رکھنے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ برطانوی محاصل کروڑ گیری کے مقابلے میں فرانس کے محاصل کروڑ گیری کم تغیر پذیر ہیں۔ رسد کے اتفاقی تغیرات سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ انھیں وصول کرنے کے مصارف بھی نسبتہ زیادہ ہوتے ہیں اور ان سے ایک بالواسطہ نقصان یہ بھی پہنچتا ہے کہ وہ ملک کی تجارت و صنعت و حرفت میں مائل ہوتے ہیں۔

اندرونی بالواسطہ ٹکس (ڈپٹی)۔ اس شعبے میں شراب سازی کے ٹکس، شراب فروشی کے لیسنس، تیل کا ٹکس اور ریلوے کی آمد و رفت کے ٹکس شامل ہیں۔ ان سے ۱۸۴۹ء تا ۱۹۰۳ء پونڈ یا کل آمدنی کا ۱۴ فی صدی حصہ دستیاب ہوتا ہے۔ اشیائے خورد و نوش پر ٹکس لگانے کا رواج پندرہویں صدی ہی سے موجود ہے۔ لیکن سترہویں صدی میں یہ ٹکس بہت زیادہ بڑھ گئے تھے اور بالخصوص غریب طبقوں پر ان کا بار نہایت گراں تھا اس کا ایک سبب تو ٹکسوں کی ٹھیکہ داری کا طریق تھا، دوسرے یہ کہ اعلیٰ طبقے ادائیگی سے مستثنیٰ تھے اور اس کے علاوہ دوسرے بڑے بڑے مقامی امتیازات بھی تھے۔ انقلابِ عظیم کے موقع پر یہ تمام بالواسطہ ٹکس منسوخ کر دیے گئے تھے لیکن یہ تسبیح محض عارضی تھی کیونکہ بعد ازاں وہ دوبارہ عائد کر دیے گئے۔ البتہ ان میں پہلے کی طرح عدم مساوات باقی نہ رہی تھی اس کے بعد سے مرکزی اور مقامی دونوں حکومتیں آمدنی حاصل کرنے کی غرض سے نہایت وسیع پیمانے پر ان ٹکسوں کو استعمال کرتی رہی ہیں۔ سن ۱۹۰۷ء میں مشروبات کے

لے۔ اس تاجی مسلک کا اثر گھٹوں کی مثال سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ فرانس میں گھیوں کا واسطہ صرف فی کس ۷۴ پونڈ سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ محصول درآمد (جنفی کو آرٹر ۱۲) شلنگ ۱۲ پینس کے مساوی ہے) کا نتیجہ یہ ہے کہ گھیوں کی حد تک بجز ان سالوں کے جبکہ فصلِ خراب ہو جاتی ہے، فرانس عملاً خود کفیل ہے۔ ۱۲ سال کے دوران میں درآمد کی مقدار مجموعی رسد کے ۴، اور ۲۵ فی صدی کے درمیان بدلتی رہی۔ لیکن جہاں تک قیمت کا تعلق ہے، فرانس میں وہ فی کو آرٹر ۸ شلنگ ۱۲ پینس تھی اور انگلستان میں صرف ۲ شلنگ ۶ پینس۔ (ملاحظہ ہو پہلی کتاب نمبر سی، ڈی ۲۱، صفحہ ۱۲۴۔)

محاصل میں پھر تغیر و تبدل کیا گیا جن کی غایت یہ تھی کہ صحت بخش مشروبات دینی
سانڈر، بیر وغیرہ کے ٹکسوں میں تخفیف اور الکحل والے مشروبات کے ٹکس میں
اضافہ کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشروبات کی مجموعی آمدنی ۸۰۰۰۰۰ پونڈ میں سے
تقریباً ۵۰۰۰۰ پونڈ صرف الکحل کی فروخت اور الکحل فروشی کے لیسنس سے
ماصل ہوئے۔ الکحل سے جو قومی آمدنی حاصل ہوتی ہے اس کے علاوہ مقامی اور
بلدیات کے اغراض کے لیے مشروبات سے آکرڈائے کے ذریعے مزید ۲۰۰۰۰ پونڈ
یا اس سے کچھ زیادہ ہی وصول کیے جاتے ہیں۔

محصول ریلوے جو مسافروں اور مال پر لگایا جاتا ہے، بہت گراں ہے۔
فرانس میں اس محصول کا بار مسافروں اور تجارت پر عائد ہوتا ہے کیونکہ اصل پر سود
ادا کرنے کی حکومت خود ذمہ دار ہوتی ہے۔ فرانس میں ریلوں کا اس قدر بڑا نظام
محض سرکاری مراعات کے تحت نشو و نما پا سکا ہے۔ البتہ ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۲ء کے
درمیان ملک کی تمام ریلیں حکومت کی ملک بن جائیں گی۔ اخراجات تقریباً ۲۵ فی صدی
حصہ حکومت کی جانب سے شریک کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ریلوں کی دیکھ بھال
اور حصص کے منافع کی تکمیل کے لیے بھی حکومت ہر سال کچھ نہ کچھ رقمیں ہمہ پہنچاتی رہتی
ہے جو معارف سرمایہ میں شامل ہوتی رہتی ہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا
جب تک کہ مراعات کا زمانہ ختم نہ ہو جائے گا اور سرکار خود ریلوں کی مالک نہ بن جائے گی۔
(۷) محصول شکر سے ۱۹۱۳ء میں ۸۰.۷۶ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی تھی۔

۱۹۱۹ء کے برسزوارے سمجھوتے سے قبل مصنوعی طور پر انعامات دے دے کر شکر کی
پیداوار کو ابھارا جاتا تھا۔ فرانس اور اس کی نوآبادیات کی مجموعی پیداوار سالانہ
تقریباً ۱۱۰۰۰ فرانسیسی ٹن ہوتی تھی۔ اس میں سے ۳۰۰۰ ٹن شکر خود فرانس میں
صرف ہوتی تھی، اور بقیہ مقدار کو انعامات دے دے کر ملک سے باہر روانہ کیا جاتا تھا۔
لیکن جب انعامات کا طریقہ متروک کر دیا گیا اور ۱۹۰۳ء میں محصول جنگی میں تخفیف
کردی گئی تو برآمد کی مقدار گھٹ گئی۔ فرانس میں شکر زیادہ صرف ہونے لگی اور
عام طور پر مصنوعات ترقی کرنے لگیں۔ شکر بھی انہی مصنوعات کا ایک جزو ہے۔
نتیجہ یہ ہوا کہ انعامات کی بچت سے فرانس کو خالص معاشی فائدہ حاصل ہوا۔

شکر رنداں اور پہلے سے زیادہ تعداد میں استعمال ہونے لگی اور جن صنعتوں میں شکر سے کام لیا جاتا تھا ان کی بھی باواسطہ طور پر بہت افزائی ہوئی۔

(۸) سرکاری اجارے اور خدمات سے ۱۵۶۲۱۱۵ پونڈ آمدنی حاصل ہوئی جس میں سے ۱۵۰۷۰۹۷ پونڈ تمام آمدنی ڈاک خانہ اتارا و ٹیلیفون کی بابت تھی۔ لیکن اس شعبے کا ایک دلچسپ جزو وہ آمدنی ہے جو مختلف صنعتوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ان صنعتوں کا کاروبار حکومت خود بطور قومی اجاروں کے چلاتی ہے۔ برطانوی نظام میں اس قسم کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے۔ ان اجاروں میں تباکو سے ۱۹۹۰۷۰۶۵ پونڈ اور دیاسلمائی اور بارود سے مجموعی طور پر ۶۲۰۶۲ پونڈ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ آمدنی ان صنعتوں کے معمولی منافع سے دستیاب نہیں ہوتی بلکہ اس کا باعث وہ قیمت اجارہ سے جو طلب و رسد کے اثر سے معین نہیں ہوتی بلکہ مصنوعی طور پر مقرر کی جاتی ہے۔ لہذا یہ اصل وہ ایک طرح کا عکس ہے جو ایک خاص طریقے پر عائد کیا جاتا ہے۔ سرکاری انتظام سے پیدائش کا کام چلانے پر معاشی نقطہ نظر سے جو اعتراضات لاحق ہوتے ہیں ان پر کسی گزشتہ باب میں بحث کی جا چکی ہے۔ جہاں تک تباکو کا تعلق ہے اس پر متقابل ضروریات کے یہ اعتراضات کم عائد ہوتے ہیں۔ تاہم مسابقت کے رُک جانے سے کچھ نہ کچھ نقصان اس میں بھی ناگزیر ہے۔ اور یہ نقصان محض اس وجہ سے رفع نہیں ہو جاتا کہ حکومت کا مقصد ٹکس وصول کرنا ہے۔ بہر حال ٹکس وصول کرنے کا یہ طریقہ فرانس میں ایک طویل مدت سے قائم ہے اور اس میں کسی طرح کا تغیر و تبدل کرنا بہت دقت طلب ہوگا۔

(۹) سرکاری اراضی سے ۲۵۶۱۱۱۵ پونڈ آمدنی حاصل ہوتی ہے جنگلات اور لگان کا اس میں بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ معارف انتظام کی مقدار ۸۲۲۵۷ پونڈ ہے۔ بقیہ آمدنی کی تکمیل دوسرے متفرق املاک سرکاری کی فروخت یا ٹھیکوں سے اور ایسی میراثوں سے ہوتی ہے جن کا کوئی دعویدار نہ ہو۔ مقامی حکومت کے اغراض کے لیے فرانس کو چھوٹے چھوٹے علاقوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو کیون کہلاتے ہیں، تعداد میں بہت کثیر ہیں اور بہ لحاظ رقبہ اور آبادی ایک دوسرے سے بہت

مختلف ہیں۔ ان میں سے اکثر میں (جن میں تمام بڑے بڑے شہر شامل ہیں) حصول آمدنی کا مسئلہ طریق یہ ہے کہ جب خورد و نوش کی چیزیں شہروں میں داخل ہوتی ہیں تو اس وقت ان سے آکر بڑے یا معمول داخلہ وصول کیا جاتا ہے۔ یہ محامل زیادہ تر مشروبات پر لگائے جاتے ہیں اور ان میں بھی خاص کر ان مشروبات چرب میں الکحل کا جزو شامل ہوتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ غذا، ایندھن، چارہ اور خام پیداواروں پر بھی وہ عائد ہوتے ہیں۔ یہ طریق اور اس کے معاشی اثرات مقامی ٹکس کے باب میں بیان کیے گئے ہیں۔ مقامی آمدنی کا ایک اور بھی خاص ذریعہ ہے۔ زمین اور ذاتی جائیداد، تجارتی لیسنس، دروازے اور دریچے گاڑی، گھوڑے اور سیکیوں وغیرہ سے براہ راست جو ٹکس وصول کیے جاتے ہیں، ان میں مقامی حکومت کا بھی حصہ شامل ہوتا ہے۔ مرکزی حکومت کے ٹکسوں کے ساتھ ساتھ مزید سائٹیم کے نام سے یہ ٹکس عائد کیے جاتے ہیں اور مختلف ڈپارٹمنٹ اور کمپنیوں میں ہر ایک کی خاص ضروریات کے لحاظ سے تقسیم کیے جاتے ہیں۔

فرائیسی مالی نظام کے اس مختصر خاکے سے یہ بات کافی طور پر نمایاں ہو جاتی ہے کہ اس میں اور برطانوی نظام میں کوئی خاص باتیں خاص طور پر مقابلے کے لائق ہیں، ہر ایک کی خاص خوبیاں کیا ہیں اور کیونکر تاریخی اور سیاسی حالات کے اختلاف سے ٹکس کے طریقوں میں بھی اختلافات رونما ہوتے ہیں۔

نویں فصل

مقامی ٹکس

مقامی ٹکسوں کا مضمون بہت ہی پیچیدہ ہے۔ مقامی اغراض کے لیے محمول آمدنی کے سب سے زیادہ پیداوار اور مٹی برائے نصف طریقے کیا ہیں اور موجودہ نظام کے تحت غرض کا حقیقی بار کس پر عائد ہوتا ہے، ان دونوں سوالات کے متعلق زبردست اختلاف رائے ہے۔

مقامی اغراض کے لیے جو ٹکس لگائے جاتے ہیں، وہ اصطلاحاً شروع کہلاتے ہیں اور ان کی وہ قسمیں ان کا طریق تشخیص ہے۔ یہ ٹکس جائیداد غیر منقولہ زمین، مکانات اور کاروباری عمارات و اراضی پر لگائے جاتے ہیں۔ خالص لگان کی بنا پر ان کی جو مالیت قرار پاتی ہے، اسی لحاظ سے ان کی شرح متعین ہوتی ہے۔ مقامی حکومتوں کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ محدود رقبوں کے اندر اس قسم کے ٹکس عائد کریں۔ جن رقبوں میں یہ ٹکس لگائے جاتے ہیں وہ بہ لحاظ وسعت اور جائیداد کی مالیت کے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف مقامات میں مختلف شروع دکھائی دیتے ہیں۔ شاہی اغراض کے لیے اشیاء پر ٹکس لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر ایک صرف میں آنے والے جزو سے محصول وصول کیا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک مقامی ٹکس کا تعلق ہے یہ طریقہ بالکل الٹ دیا جاتا ہے یہاں سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ مجموعی طور پر کس قدر مقدار مطلوب ہے۔ بعد ازاں اس رقبہ کی کل جائیداد کی مالیت کا اندازہ کیا جاتا ہے اور ان دونوں مقداروں میں جو نسبت قرار پاتی ہے، اسی تناسب سے فی پونڈ شرح مقرر کی جاتی ہے۔

اور اسی شرح کے مطابق ہر شخص اپنی جائیداد کی تشخیص شدہ مالیت پر ٹیکس ادا کرتا ہے۔

شاہی ٹیکسوں کی طرح شروع بھی ایک قسم کا جبری چندہ ہیں جو عام خدمت کے معاوضے میں وصول کیا جاتا ہے۔ لیکن شاہی اور مقامی ٹیکسوں میں اس قدر فرق ضرور ہے کہ آخر الذکر ایک محدود رقبے کے لیے مخصوص کر دیے جاتے اور اس کے حق میں نمایاں طور پر فیض رساں ہوتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر ان کا مقصد زیادہ واضح ہوتا ہے اور ان کے نتائج مقامی باشندوں کے لیے مختلف سہولتوں کی شکل میں بدیہی طور پر نظر آتے ہیں۔ بریکس، حفظانِ صحت، روشنی، چمن بندیں، ٹون ہال وغیرہ، ان سہولتوں کی چند مثالیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ مقامی ٹیکس بمقابلہ قومی ٹیکس کے اصول معاوضہ خدمت کے زیادہ مطابق ہے۔ کیونکہ ادا کنندہ کو اس اشار کے معاوضے میں ایک بدیہی خدمت میسر ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ضلع کی آمدنی کا کچھ حصہ ایسی خدمات کی انجام دہی میں صرف کیا جاتا ہے جو قومی نوعیت کے ہوتے ہیں اور جن کا افادہ زیادہ عام ہوتا ہے، مثلاً پولیس، تعلیم اور امداد محتاجاں کے انتظامات۔ اس قسم کے فرائض عامہ کا مسلک تو خود حکومت طے کرتی ہے بلکہ بعض اوقات معیار کارگزاری بھی وہی معین کر دیتی ہے۔ البتہ کفایت کے خیال سے عملی انتظامات مقامی حکومتوں کے سپرد ہوتے ہیں۔ لیکن مرکزی حکومت کی ان پر ضرور نگرانی ہوتی ہے۔ چونکہ ان خدمات سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ بالکل مقامی نہیں بلکہ حیثیت مجموعی تمام قوم کے حق میں مفید ہوتے ہیں، لہذا مرکزی حکومت شاہی ٹیکسوں کی آمدنی سے کچھ امداد عطا کرتی اور اس طرح خود بھی ان خدمات کے مصارف میں شریک ہوتی ہے۔

شرح لگانے کا اصول خاسکر ۱۶۱ء کے قانون محتاجاں کے بعد سے موجود ہے۔ چونکہ پہلے ہی سے شاہراہوں کے انتظامات ہر پیرش کے تفویض تھے لہذا اسی قانون کے مطابق پیرش ہی کو مقامی اکائی قرار دیا گیا۔ زمانہ جدید میں جوں جوں حکومت اور بلدیات کی جدوجہد میں توسیع ہونے لگی، مقامی حکومتوں پر نئے نئے فرائض عائد کیے گئے اور شرح لگانے کے متعلق ان کے اختیارات میں

توسیع کی گئی۔ اس طرح گزشتہ پچاس سال کے دوران میں اس طریقے کو بہت ترقی ہوئی، بالخصوص شہری اضلاع میں جہاں آبادی سرعت کے ساتھ بڑھ گئی ہے اور اصلاحات متواتر جاری ہیں۔

۱۳-۱۹۱۳ء میں انگلستان اور ویلز کے مقامی خرچ کی مقدار ۱۱۸۳۲۵۱۱ پونڈ تھی۔ اس میں سے ۸۷۶۱۷۱۷ پونڈ یا ۴۲ فی صدی حصہ شروع سے حاصل کیا گیا تھا، ۱۱۹۷۷۱۹ پونڈ یا ۱۲ فی صدی قرضوں سے، ۲۲۶۱۷۱۷ پونڈ یا ۱۳۰ فی صدی مرکزی حکومت نے شاہی آمدنی سے عطا کیا تھا، ۸۷۶۱۷۱۷ پونڈ یا ۹ فی صدی حصہ مختلف کاروبار کی زائد آمدنی کا نتیجہ تھا، بقیہ ۲۶۸۷۶۱۷ پونڈ یا ۲۳ فی صدی حصہ نفع بخش کاروبار کے منافع سے دستیاب ہوا تھا۔ (ٹرمینوے) گیس، برقی قوت، آب رسانی اور شخصیت کی جائیداد کا لگان، اس قسم کے کاروبار کی مثالیں ہیں۔

مقامی خرچ نہایت سرعت کے ساتھ بڑھتا ہے۔ ۱۸۸۳-۸۷ء میں اس کی مقدار ۵۳۲۲۰۰۰ پونڈ تھی۔ ۳۱ سال کی مدت میں یہ مقدار سہ گنی سے بھی زیادہ ہو گئی۔ اور شروع میں بھی ۳ شلنگ ۱۲ پینس سے ۶ شلنگ ۸۶ پینس تک (۱۹۱۴ء) اضافہ ہو گیا۔

اس میں شک نہیں کہ ابتداء شروع لگانے کا یہی مقصد تھا کہ ہر ملک کے باشندے مقامی محتاجوں کی امداد اور دوسرے مقامی اخراجات کے لیے اپنی اپنی استطاعت یا وسائل کے تناسب سے چندہ ادا کریں، خیال یہ کیا جاتا تھا کہ ہر شخص کے دیر پا ملاک اس کے اراضی اور مکانات اس کی استطاعت کا صحیح معیار ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس زمانے کے سیدھے سادے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے یہ اصول اور اس کا معیار دونوں جہتی برائیاں تھے۔ لیکن زمانہ موجودہ میں کس کے اس بنیادی اصول کی تکمیل بہت دقت طلب ہے باوجود اس کے کہ قومی مجلسوں میں نظریہ معاوضہ خدمت کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاسکتا، پھر بھی محض انکم ٹیکس کے ذریعے سے استطاعت کا ٹھیک اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، لیکن مقامی ٹیکس میں تو استطاعت کا معیار اور بھی کم مناسب ہے، کیونکہ اس صورت میں

مقامی باشندے اور جاہلادوں کے مالک ٹکس سے بہت کچھ براہ راست فیض یاب ہوتے ہیں اور ان سے ہمیشہ نئے نئے ٹکسوں کا مطالبہ جاری رہتا ہے تاکہ ایک نہ ایک جدید اصلاح کی جائے یا کوئی مزید سہولت بہم پہنچانے کا انتظام ہو سکے۔

بعض لوگوں کی یہ تجویز ہے کہ مقامی اخراجات کے لیے انکم ٹکس کے ذریعے سے آمدنی بہم پہنچائی جائے۔ لیکن زمانہ موجودہ میں ایک اعلیٰ ترقی یافتہ ملک کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انکم ٹکس کا طریقہ اس بات کے لیے کچھ زیادہ موزوں نہیں معلوم ہوتا کہ مقامی اصلاحات کے مخصوص فوائد کا اس کے ذریعے سے معاوضہ وصول کیا جائے۔ مقامی اخراجات کی بدولت باشندوں کو جو فیوض حاصل ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ آمدنی کے ذریعے سے ان کا صحیح اندازہ ہو سکے کیونکہ بسا اوقات آمدنیاں ایسے ذرائع سے حاصل کی جاتی ہیں جن کا اس مقام سے مطلق کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مزید براں ہفتہ وار اجرت پانے والے طبقوں کی ایک بڑی تعداد سے حصول آمدنی وصول کرنا بہت دقت طلب ہوگا، حالانکہ متعدد مقامات میں یہی لوگ آبادی کا بہت بڑا عنصر ہوتے ہیں اور مقامی اخراجات کے فوائد سے روزانہ مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ لہذا مقامی ٹکس کے لیے کوئی معیار تلاش کرتے وقت یہ ضروری ہے کہ ہم مقامی اخراجات کی نوعیت اور ان کے نتائج پر غور کریں اور یہ پتہ لگائیں کہ کون کون ان کے فوائد سے مستفید ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس قسم کے تمام اخراجات خاص طور پر مقامی ہوتے ہیں اور مقامی باشندوں ہی کی رضامندی پر ان کی مقدار کا انحصار ہوتا ہے۔

مالک یورپ میں مقامی آمدنی حاصل کرنے کا ایک عام ذریعہ مقامی محصول کروڈگیری یا اکثر اس ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ محصولات کروڈگیری نیز محصولات جنگلی

لے۔ بعض یہ دینی مالک اور برطانوی نوآبادیات میں مقامی اغراض کے لیے انکم ٹکس کا طریق اختیار کیا جاتا ہے۔ پرویشیا اور ہالینڈ میں قومی اور مقامی انکم ٹکس ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اونیٹریچ اور ہاس چوس میں تو وہ محض مقامی اغراض کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔

گو قومی آمدنی کا کچھ حصہ حاصل کرنے کے لیے نہایت سوزوں میں، تاہم چھوٹے چھوٹے رقبوں کے لیے وہ قطعاً نامناسب ہیں۔ ایک توان کا وصول کرنا بہت تکلیف دہ اور مصارف کثیر کا باعث ہوتا ہے اور سرے ان کا تعد یہ بھی خلاف مساوات ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ ٹیکس بالعموم ضروریات زندگی پر لگائے جاتے ہیں لہذا غریب خریداروں پر ان کا بار بہت سخت ہوتا ہے۔ مزید برآں تجارت میں بھی ان کی بدولت رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔

چونکہ مقامی خرچ کا اصلی مقصد مقامی فائدہ ہوتا ہے اور چونکہ شروع کا ایک بڑا حصہ ایسی خدمات پر صرف ہوتا ہے جن سے ادا کنندوں کو ایک خاص معاوضہ مل جاتا ہے مثلاً بدرود، گلی کو چوں کی صفائی، روشنی، آب رسانی، چمن بندی وغیرہ، لہذا ضروری ہے کہ ان مصارف کا بار انہی لوگوں پر عائد ہو جو ان خدمات سے مستفید ہوتے ہیں۔ اس طرح سب سے پہلا نمبر تو مقامی باشندوں کا ہے جو مکانات میں رہتے بستے اور وہاں طرح طرح کے کاروبار چلاتے ہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ کرایہ مکان بطور معیار تخصیص کے اختیار کیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ مکان شخص کے اخراجات کا ایک بہت ہی نمایاں جزو اور اس بات کا کم و بیش اچھا معیار ہوتا ہے کہ مقامی فوائد سے وہ کس درجے مستفید ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک قومی اخراجات کا تعلق ہے وہ "استقامت" کا اسی قدر اچھا معیار نہیں ہے۔ چنانچہ انہی اسباب کی بنا پر لارڈ گوٹش نے ۱۸۷۱ء میں یہ پیش کی تھی کہ محمول مکان مقامی ٹیکسوں میں شامل کر دیا جائے، لیکن ان کی یہ پیش کش کامیاب نہیں ہو سکی۔

لیکن مقامی خرچ سے جو لوگ سب سے زیادہ مدامی فائدہ اٹھاتے ہیں وہ غالباً مالکان زمین ہیں۔ کیونکہ وہ ایک ایسی جائداد کے مالک ہیں جو سب سے زیادہ دیر پا اور غیر نقل پذیر ہے۔ مقامی اصلاحات کی بدولت ان کی جائداد کی مالیت بڑھتی ہے۔ آبادی جوں جوں پھیلتی جاتی ہے، کرایے چڑھتے جاتے ہیں، کاروباریں تو سیٹھ ہوتی ہے، زمین کی طلب زیادہ ہوتی ہے اور اس کے ٹکڑے میں آئندہ ہمیشہ کے لیے اضافہ ہو جاتا ہے۔ لہذا مقامی ٹیکسوں کا بار ان لوگوں پر

پڑنا چاہیے جو اس قسم کی جائیداد کے مالک ہوں کیونکہ وہی مقامی حکومت کے اخراجات اور اس کی جدوجہد سے بہت زیادہ مستفید ہوتے ہیں۔ جس قدر وہ مقامی فوائد سے مستفید ہوتے ہیں، اسی تناسب سے مقامی اخراجات کی فراہمی میں ان کی شرکت ضروری ہے۔

ان کے علاوہ کارخانے دار، تجارتی دکان دار، اور مزارعین، یہ سب بھی اچھی سڑکوں، شاہراہوں، بدرزہ اور دوسرے تجاویز سے منتفع ہوتے ہیں جن کی بدولت اپنے اپنے بازار تک پہنچنے میں انھیں بے حد سہولت ہوتی ہے۔ ایک طرف تو ان کے مصارف میں تخفیف ہو جاتی ہے اور دوسری طرف ان کے کاروبار میں اضافہ ہوتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ان تمام فوائد کے عوض وہ بھی مقامی ترقیات کے مصارف میں شریک ہوں۔

جوٹکس ایسے کاموں کے لیے وصول کیے جاتے ہیں جن سے ادا کنندہ کو کوئی بدیہی فائدہ نہیں پہنچتا، وہ اصطلاح میں ”بے فیض“ کہلاتے ہیں۔ اس قسم کی خدمات سے جو فوائد رونما ہوتے ہیں، وہ زیادہ عام، بالواسطہ اور منتشر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابتدائی تعلیم، امداد محتاجاں، اور حفظانِ صحت کے انتظامات، ان خدمات کی نمایاں مثالیں ہیں۔ ترقی یافتہ اور روشن خیال اقوام میں رائے عامہ کے اثر سے لوگ مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس قسم کے کاموں پر خوب روپیہ خرچ کریں اور ایک مقررہ معیار کارگزاری سے گزرنے نہ پائیں۔ اس غرض سے جس قدر قوانین بنا دیئے جاتے ہیں، مقامی حکومتیں ان کی نگرانی کرتی اور مرکزی حکومت سے امداد کی طالب ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ مصارف کسی خاص مقام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ کل قوم کی فلاح و بہبودی سے متعلق ہیں۔ چنانچہ ہم معلوم کر چکے ہیں کہ ۱۹۱۳ء میں سرکار نے شاہی ٹیکسوں کی آمدنی سے ۲۲۶۱۷۲۴ پونڈ (یعنی شرح ۱۳ فی صدی حصہ) کی کثیر رقم انگلستان اور ویلز کی مقامی حکومتوں کو ان اغراض کے لیے عطا کی تھی۔ امدادی رقمیں عطا کرنے کا یہ طریقہ ۱۸۳۵ء میں شروع کیا گیا۔ پارلیمنٹ ہر سال خاص مجوزہ اغراض کے لیے مدامی قرضے سے رقم عطا کر کے مقامی حکومتوں کی امداد کرتی تھی۔ ابتدا میں یہ رقمیں تغزیری کارروائیوں اور محبسوں کے اخراجات

چلانے کے لیے دی جاتی تھیں۔ لیکن بعد ازاں ان میں توسیع کی گئی اور ان کے ساتھ متعدد دوسرے اغراض بھی شامل کر دیے گئے مثلاً پوس کے انتظامات، غربا کے لیے مدارس اور پانگل خانے، حفقانِ صحت کا انتظام، رجسٹریشن وغیرہ۔ ۱۸۸۸ء میں جب ان عطیوں کی مجموعی مقدار بہت زیادہ ہو گئی تو اس طریقے میں کچھ تبدیلی کی گئی، عطیات کی ایک کثیر تعداد موقوف کر دی گئی اور ان کے معاوضے میں چند جنگی کے لیسنس (جن کی مقدار ان عطیات سے نسبتاً زیادہ ہوتی تھی) مقامی حکومتوں کے سپرد کر دیے گئے۔ اور اس کے علاوہ مزید امداد کے لیے محصولِ ثبوت و میت کی نصف آمدنی بھی انھیں عطا کی گئی۔ ۱۸۹۶ء میں اس محصول کی جگہ محصولِ جائداد جاری کیا گیا، ۱۸۹۹ء میں دوزائید محاصلِ جنگی اور کروڑ گیری کی آمدنی ان کے ساتھ اور شامل کر دی گئی۔ ایک تو بیرو پر بحساب ۳ پنس فی بیرل اور دوسرے اسپرٹ پر بحساب ۲ پنس فی گیلن۔ ۱۸۹۶ء میں ایک زرعی شرح کا قانون جاری کیا گیا۔ زرعی زمین پر جو مقامی ٹکس لگایا جاتا تھا، اس کی امداد میں محصولِ جائداد کی آمدنی سے اس قانون کے مطابق ایک مزید عطیہ دیا گیا۔ بعض حالات میں یہ عطیہ نصف شرح کے مساوی ہوتا ہے۔ ۱۹۰۳-۱۹۰۲ء میں سلطنت متحدہ کے اندر اس کی مقدار ۱۵۰۹۰۳ پونڈ ہوئی تھی۔

۱۔ ان زائد محصولات کا ۸۰ فی صدی حصہ انگلستان کو دیا گیا، ۱۱ فی صدی اسکاٹ لینڈ کو، اور ۱۱ فی صدی آئرلینڈ کو سلطنت متحدہ کی عام آمدنی میں ان تینوں ملکوں کی شرکت کو پیش نظر رکھ کر ہر ایک کے حصے کے تناسب سے مذکورہ بالا تقسیم کی گئی۔ لیسنس کے محصولات ان مجلسوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں جن کے حدود سے وصول کیے جاتے ہیں۔ محصولِ سوت، اور بیڑ اور اسپرٹ کے زائد محصولات، یہ بھی (چند مہینوں کے بعد) مجلسوں میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ ہر مجلس کے سابق عطیات کا تخمینہ کر کے اسی تناسب سے اس کا حصہ عین کیا جاتا ہے۔ ۲۔ زراعت، ریلیں اور نہریں، ان سب کا کاروبار چلانے کے لیے غیر معمولی طور پر زمین کے بڑے بڑے قطعوں کی ضرورت لاحق ہوتی ہے لیکن عام شرحِ ضلع کے اغراض کے لیے جب ان کی تشخیص کی جاتی ہے تو ان کی مالیت کا رن ایک چوتھائی حصہ پیش نظر ہوتا ہے کیونکہ محض رقبہ کی وسعت مقامی حفقانِ صحت کے اغراجات سے استفادہ کرنے کا معیار نہیں سمجھی جاتی۔

مقامی مجلس کی امداد میں شاہی آمدنی سے روپیہ عطا کرنے کے متعلق بہت کچھ بحث مباحثہ ہوتا رہتا ہے۔ ایک طرف تو یہ خیال ہے کہ اس قسم کا طریقہ جاری کرنا سخت خطرناک ہے کیونکہ اس کی بدولت سرکاری خزانے پر مقامی حکومتوں کی طرف سے بڑے بڑے مطالبات ہونے لگیں گے۔ مزید برآں مقامی اخراجات پر پارلیمنٹ کی نگرانی موثر نہیں ہو سکتی اور نہ کفایت شعاری کا کوئی یقین ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو عطیات بلا کسی ایثار کے دستیاب ہوتے ہیں، وہ بہت بے دروی کے ساتھ اڑا دیے جاتے ہیں۔ علاوہ اس کے ٹھیک طور پر یہ پتہ لگانا کہ کون کون سے کام اس امداد کے مستحق ہیں، یا قطعی طور پر یہ یقین کر دینا کہ مختلف خدمات اور مقامات کی امداد کس معیار اور تناسب سے کی جائے، ناممکن ہے۔ برخلاف اس کے دوسری طرف یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ بہت سی خدمات کی انجام دہی پارلیمنٹ کی طرف سے مقامی حکومتوں پر لازم گردانی جاتی ہے اور ان کا تعلق زیادہ تر رعایائی عام فلاح و بہبود سے ہوتا ہے۔ غرض ان کی بدولت جو کچھ خرچ عائد ہوتا ہے وہ بے فیض ہوتا ہے اور اسی لیے کسی نہ کسی طرح شاہی امداد سے اس کی تکمیل ہونی چاہیے۔ سرکار مقامی حکومتوں کو جو عطیات دیتی ہے اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ وہ شروح ادا کرنے والوں کی حالت کو قابل رحم سمجھتی ہے بلکہ وہ ایک قسم کی ذمہ داری ہے جس کا بار تمام مجلس ادا کنندوں پر عائد ہونا چاہیے۔ اب رہا یہ سوال کہ مقامی حکومتوں کی مدد کرنے کا طریق کیا ہو، آیا پارلیمنٹ ہر سال از سر نو ان عطیات پر غور کر کے انھیں منظور کرے، یا خاص خاص ذرائع آمدنی کو مقامی اغراض کے لیے مخصوص کر دے، نیز یہ کہ مقامی مجلسوں اور سرکاری امداد میں کیا تناسب ہونا چاہیے، ان مسائل پر بھی بہت کچھ اختلاف رائے ہے۔

۱۔ مقامی مجلس کے مسئلے پر غور کرنے کے لیے جو شاہی کمیشن بنھایا گیا تھا، اس کی اقلیت نے اپنی رپورٹ میں یہ سفارش کی ہے کہ: ”جہاں تک ان خدمات کا تعلق ہے جن کا خرچ بے فیض ہوتا ہے، جن کا انتظام گو مقامی ہوتا ہے تاہم جن کی نوعیت عمومی ہوتی ہے، حکومت کو چاہیے کہ ایک مقررہ مقدار سے ان کی امداد کرے۔ لیکن اس کے علاوہ کسی اور قسم کے خرچ پر مطلق کسی طرح کی امداد نہ دی جائے۔ دوسرے یہ کہ اس قسم کی امداد کی مجموعی مقدار تو می خدمات کے نصف خرچ سے زائد نہ ہو۔“

مقامی حکومتوں کے اختیارات مرکزی حکومت کے عطا کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ آخر الذکر ہی ان کے لیے دستور بناتی ہے اور وقتاً فوقتاً ان پر بعض عائد کرتی اور دوسری طرف شروع لگانے کے متعلق انھیں نئے نئے اختیارات عطا کرتی ہے۔ پارلیمنٹ نے متعدد عام قوانین کے ذریعے سے قواعد و ضوابط مقرر کر دیے ہیں جن کے مطابق مقامی حکومتیں اپنے کام انجام دیتی ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری صورتوں میں قواعد و ضوابط بنانے کا کام حکومت کے ایک خاص سررشتے کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات خاص خاص اغراض کے لیے شروع لگانے پر قانونی پابندیاں عائد کر دی جاتی ہیں۔ عام کتب خانوں کا قیام اور اعلیٰ تعلیم کا انتظام اس کی مثالیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ مقامی حکومت اور اس کے اخراجات پر جو سرکاری نگرانی رکھی جاتی ہے، اس سے بڑے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں: ایک تو یہ کہ اس کی بدولت بڑے بڑے قومی اہم معاملات کے متعلق لوگوں کے خیالات میں یکسانیت اور انتظامات میں یکسانیت پیدا ہوتی ہے۔ اور ساتھ ہی مقامی خصوصیات کے اثر سے مختلف مقامات کے طریقوں میں جو تغیر پذیری موجود ہوتی چاہیے، اس کے لیے بھی کافی گنجائش رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ مرکزی حکومت اس بات پر اصرار کر سکتی ہے کہ تمام مقامات میں حساب و کتاب کا ایک ہی طریق اختیار کیا جائے جس کی وجہ سے مقامی موازنوں کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور قومی اعداد و شمار جمع کیے جاسکتے ہیں۔ مرکزی حکومت کی نگرانی کی بدولت جو قابل قدر نتائج برآمد ہوئے ہیں، اس کی بہترین مثال قانون محتاجان کے عہدہ آمد سے دستیاب ہوتی ہے۔

مزید براں ٹکس خواہ کسی قسم کا ہو، قومی رضا مندی اس کے ساتھ شامل ہونی چاہیے۔ خرچ کرنے اور شرح لگانے کے معاملات میں مقامی حکام کو کس قدر آزادی ملنی چاہیے، یہ ایک بحث طلب مسئلہ ہے لیکن اس میں تو شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ پارلیمنٹ کو یہ اختیار حاصل رہنا چاہیے کہ وہ مقامی اخراجات کو محدود کرنے سے متجاہز نہ ہونے دے، تاکہ مقامی حکومتوں کی ناتجربہ کاری اور ناواقفیت انڈسٹری سے جس فضول خرچی کا اندیشہ ہے، وہ واقع نہ ہو سکے اور سرکاری کاروبار کے

چلانے میں خاص خاص لوگوں کے مفاد کی بجائے طرفداروں کی جاسکے۔ انہی اسباب کی بنا پر مناسب ہے کہ پارلیمنٹ مقامی حکومتوں کے اختیارات پر غور کرے۔ پر بھی اپنا اقتدار رکھے۔ مقامی قرضوں کی اجرائی پر نگرانی کرنے کا کام زیادہ تر لوکل گورنمنٹ بورڈ کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ مقامی حکومتوں کا فرض ہے کہ قرضوں کی تمام تجاویز منظور کی حاصل کرنے کی غرض سے اس سررشتے میں پیش کریں۔

مقامی شہر و ح کا تعدیہ - مقامی شہر و ح کے حقیقی تعدیہ کا پتہ چلانا اور اس کی وجہ سے جو عدم مساوات رونما ہوتی ہے، اس کا مناسب علاج تجویز کرنا، عملی معاشیات کا غالباً کوئی مسئلہ ان سے زیادہ پیچیدہ اور تکلیف دہ نہیں ہے۔ شہر و ح ادا کرنے سے تین خاص طبقوں کے مفاد متاثر ہوتے ہیں: مالک زمین، مالک مکان اور قابض مکان۔ ان کے علاوہ اور جن لوگوں کے مفاد پر اثر پڑتا ہے وہ مکانات کے درمیانی مالک یعنی پٹے دار اور صارفین اشیاء اور قوم کے عام افراد ہیں۔ ابتدائی بار تو قابضین پر پڑتا ہے، بجز اس صورت کے جبکہ چھوٹے چھوٹے کمرے تھوڑے تھوڑے لگان پر قلیل میعاد کے لیے کرائے پر دیئے جائیں۔ اس صورت میں ممکن ہے کہ ان کا مالک مجموعی طور پر خود شہر و ح ادا کر دے اور پھر اسے یہ شکل لگان ٹکڑا یا جزع وصول کرے۔ لیکن جہاں تک آخری تعدیہ کا تعلق ہے، یہ مسئلہ اس وجہ سے بہت مشکل اور پیچیدہ ہو جاتا ہے کہ شہر و ح کا بار منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کے کئی اسباب ہیں، مثلاً درمیانی مفاد و اغراض کی تعداد، پٹوں اور ذیلی پٹوں کی مختلف میعادیں، ان کے معاہدات کے مختلف شرائط و جرمائے، مرمت، بڑھوتریاں وغیرہ، نامکمل مسابقت، معاشی تضاد کے ناموافق اثرات، رسم و رواج، جہالت اور بے پروائی کا اثر، کاروباری ہر دل غریزی کی پیدا کردہ رکاوٹیں، نقل و حرکت کی دقت اور اس کے اخراجات، شہر و ح کے مختلف رقبے اور ان رقبوں کے مختلف حالات۔ پس تعدیہ کے متعلق کوئی عام مسئلہ قطعی نہیں ہو سکتا، بلکہ ان مختلف اسباب کی وجہ سے اس میں کچھ نہ کچھ تغیر و تبدل ضرور واقع ہو گا۔ لیکن باوجود

ان پریشان کن اثرات کئے جن میں سے بعض کے متعلق اکثر مبالغہ آمیزی کی جاتی ہے، شروع کے معاشی وجود سے اٹکار نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا ضروری ہے کہ ان کا عام رجحان معاشی اصول کے مطابق ہو۔ اور اگرچہ بعض انفرادی صورتوں اور عارضی حالات میں ان اصول سے کافی تسفی نہ ہوتی ہو، تاہم اگر مضمون پر ایک وسیع نظر ڈالی جائے تو وہ ضرور ہماری کچھ نہ کچھ رہنمائی کرتے ہیں۔ اگر ہم ایک طویل مدت کو پیش نظر رکھیں تو اس قسم کے چھوٹے چھوٹے اسباب آپس میں ایک دوسرے کے اثر کو کم و بیش زائل کر دیتے ہیں اور اس طرح ان کے پریشان کن نتائج خود بخود محو ہو جاتے ہیں۔ دراصل جو باتیں مدامی رجحان پر اپنا اثر ڈالتی ہیں وہ معاشی عامل ہیں جو ہمیشہ موجود رہتے ہیں اور جنہیں مکمل طور پر تسلیم کرنا قاعدیہ کے ہر نظریے کے لیے ضروری ہے۔

مسئلہ تعدیہ کی تحقیق کرتے وقت چار جدا جدا صورتیں ہمارے پیش نظر ہو جاتی ہیں :-

(۱) زرعی زمین ، اس صورت میں شروع اس کسان سے وصول کیے جاتے ہیں جو زمین پر قابض ہوتا ہے اور جس کے حق میں زمین دولت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہوتی ہے۔ لیکن کاشتکاری میں اصل پر کوئی خاص ٹکس نہیں لگایا جاسکتا، ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ اپنا اصل بجائے کاشتکاری کے دوسرے زیادہ نفع بخش کاروبار میں لگائیں گے۔ لہذا عشور کی طرح شروع کا بھی یہی اثر ہے کہ اس کی بدولت لگان میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ کسان جب یہ اندازہ کرنے کے لیے بیٹھتا ہے کہ میں کس قدر لگان ادا کر سکوں گا تو صرف اصل اور نگرانی کا معمولی معاوضہ اس کی نظر کے سامنے نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے حسابات میں ان شروع کا بھی لحاظ کرتا ہے جو اسے مقامی حکومت کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔ ”اعلیٰ شروع ادنیٰ لگان کا باعث ہیں“ یہ ایک مشہور مقولہ ہے جو اسی واقعہ کو ظاہر کرتا ہے۔ زرعی زمین پر جو شروع فائدہ کیے جاتے ہیں، وہ غلے کے خریداروں پر بھی منتقل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جس سہولت کے اثر سے پیداوار کی قیمت معین ہوتی ہے وہ اس قدر وسیع

رقبے پر پہیلی ہوئی ہوتی ہے کہ اس میں دو دروازہ مقامات کے بے شمار بازار شامل ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ زرعی شروع زیادہ تر لگان سے ادا کیے جاتے ہیں لیکن اس اصول کے عمل درآمد میں کبھی کسی قدر رد و بدل بھی ہوتا ہے۔ مثلاً اگر معاہدے کی میعاد کے اندر شروع میں اضافہ یا تخفیف ہو جائے تو اس کی بدولت جو کچھ نقصان یا فائدہ ہو گا اس کا اثر کسان پر پڑے گا۔ حتیٰ کہ جب بیٹے کی تجدید کا موقع آئے گا تو وہ پھر حسب ضرورت رد و بدل کر لے گا۔ دوسرے یہ کہ کھیتوں میں سکونتی مکانات اور دوسرے اراضی بھی شامل ہوتے ہیں۔ اور جہاں تک زرعی مکانات کا تعلق ہے، زراعتی شروع اُسی قاعدے کے مطابق ہوں گے جو معمولی سکونتی مکانات کے لیے معین ہے یعنی اُن کا باران اشخاص پر پڑے گا جو مکانات میں رہتے بستے ہوں گے، کسان کے لیے بھی خواہ وہ زراعت کرتا ہو یا کسی اور پیشے میں رہے، ایک نہ ایک مکان میں رہنا ضروری ہے، لہذا اس تناسب سے (جس کا تخمینہ ۵ یا ۶ فی صدی کیا گیا ہے) شروع کا بار اس پر بھی پڑتا ہے۔

زراعت کے پیشے کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے، اور اس کے اندر مسابقت میں کچھ اس قدر وقتیں پیش آتی ہیں کہ شروع کے تغیرات اور قیمت پیداوار کی تبدیلیوں کا لگان پر بہت دیر میں اثر پڑتا ہے۔ لیکن اگر ایک کافی طویل مدت ہمارے پیش نظر ہو تو زراعتی شروع کا بار بالآخر لگان ہی پر پڑتا ہے۔ اگر دوسرے تمام حالات بدستور فرض کر لیے جائیں تو ایسی صورت میں شروع کے اضافے سے لگان میں تخفیف ہوگی۔ اور شروع کی تخفیف سے لگان میں اضافہ ہوگا اور استدلال کا اطلاق اگر ۱۸۹۶ء والے زراعتی شروع کے قانون پر کیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ باوجود قانون کی اس کوشش کے کہ مکان میں رہنے والا شروع کا صرف نصف حصہ ادا کرے، معاشی قوتوں کے عمل سے جلد یا بدیر مالک ہی کو فائدہ پہنچے گا، یا تو لگان میں اضافہ ہو جائے گا یا اگر کوئی تخفیف ہونے والی ہوگی تو وہ اس کی بدولت رگ جائے گی۔

(۲) معمولی سکونتی مکانات - یہاں تین مختلف شخصوں کے

منفاد ہمارے سامنے ہوتے ہیں ، ایک تو مکان میں رہنے والا دوسرے مالک مکان تیسرے مالک زمین ۔ شروع تو مکان میں رہنے والے سے وصول کیے جاتے ہیں اور جس حد تک وہ عام اور یکساں ہوتے ہیں اسی پر ان کا بار باقی رہتا ہے ۔ گویا جس طرح وہ روٹی صرف کرتا ہے اسی طرح وہ مکان بھی استعمال کرتا ہے ۔ دونوں اس کی ابتدائی ضروریات ہیں جن کی طلب میں تغیر پذیر سی کی صفت بہت کم ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ ہر انسان کے لیے غذا اور مکان ، دونوں ناگزیر ہیں ۔ عام طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان دونوں پر جو کوئی ٹکس لگایا جائے اس کا بار صارف یا استعمال کرنے والے پر پڑے گا ۔ لہذا معمولی سکونتی مکانات پر جس قدر ٹکس لگائے جاتے ہیں ان کا بار ان مکانات میں رہنے والوں پر عائد ہوتا ہے ۔ جہاں تک مکان بنانے والے یا مالک مکان کا تعلق ہے وہ شروع کے اثر سے علیحدہ رہتا ہے ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ تعمیر مکانات دراصل شغل اصل کی ایک صورت ہے جس پر معمولی شرح کے مطابق اوسط منافع حاصل ہونا چاہیئے ، ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ دوسرے کاروبار کو ترجیح دیں گے اور مکانات کی تعمیر کے لیے کافی اصل میسر نہ ہوگا ۔ اگر اضافہ شروع کی بدولت عمارات کا کرایہ کم نفع بخش ہو جائے تو اس کی وجہ سے جدید مکانات کی تعمیر رک جائے گی حتیٰ کہ طلب و رسد میں پھر توازن قائم ہو جائے ۔ برعکس اس کے اگر مکانات کی قلت واقع ہو تو ان کا کرایہ چڑھ جاتا ہے اور لوگوں کو یہ ترغیب ہوتی ہے کہ جدید مکانات تعمیر کروائیں ، حتیٰ کہ ان کی اس قدر کثرت ہو جاتی ہے کہ منافع پھر اپنی سابقہ معمولی شرح پر آجاتا ہے ۔ غرض جس طرح بیر کا ٹکس شرب بنانے والوں سے ہمیشہ نہیں وصول کیا جاسکتا اسی طرح شروع بھی بالآخر مالک مکانات سے نہیں حاصل کیے جاسکتے ۔ اگر معاشی قوتوں کو اپنا پورا اثر دکھلانے کا وقت مل جائے تو مالک مکان کو اس کا منافع حاصل ہو جائے گا ۔ اور مکان میں رہنے والا بطور ایک استعمال کی چیز کے اس کی مالیت پر شروع ادا کرے گا ۔ اب جہاں تک مالک زمین کا تعلق ہے جو سطح زمین کا لگان پاتا ہے وہ شروع کا اس قدر حصہ ادا کرے گا جو کم از کم اس کی زراعتی مالیت کے شروع کے مساوی جو غرض معمولی مکانات کا

یہی رجحان ہے کہ اس میں یہ مفروضہ مخفی ہے کہ قانون مسابقت کا عمل درآمد جاری ہے، یعنی ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ تعمیری اغراض کے لیے زمین کی نہایت افراط ہے اور اس کی کوئی خاص قدر اجارہ نہیں ہے۔

(۳) موقع محل کی قدر اجارہ۔ اگر کسی عمارت کا موقع محل سکونتی

اور کاروباری اغراض کے لیے خاص طور پر مفید ہو تو جوہر قلت کے اس کی قدر بڑھ جاتی ہے اور اس کی بدولت لگان میں اضافہ ہو جاتا ہے جو بعض اوقات بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ قدر اجارہ محض موقع محل سے متعلق اور مختلف قسم کے اسباب کا نتیجہ ہوتی ہے مثلاً کثرت آبادی، فیشن، کاروبار کے خاص مواقع، (جیسے کہ شہر لندن یا بوٹڈ اسٹریٹ میں حاصل ہوتے ہیں) یا صحت افزا آب و ہوا وغیرہ۔ ایسی تمام صورتوں میں خام لگان (یعنی مکان و زمین کا ملکر) تو بے انتہا بڑھ جاتا ہے، لیکن عمارتی لگان یا مکان کا کرایہ حسب سابق ہی رہتا ہے اور مالیت میں جس قدر اضافہ ہوتا ہے، وہ سب موقع محل کے لگان میں چلا جاتا ہے۔ جوں جوں یہ اجارہ قوی ہوتا جاتا ہے، زمین کی مالیت بھی لگان کے تناسب سے بڑھتی جاتی ہے اور مقامی حکومت کی طرف سے شروع میں اضافہ ہوتا جاتا ہے جس کا بار ملک زمین پر عائد ہوتا ہے کیونکہ شروع لگان ہی سے نہما کیے جاتے ہیں اس واقعہ کو ہم ایک مثال کے ذریعے سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرض کرو کہ

۱۷۲ کسی مقام پر ایک مکان کا کرایہ سالانہ ۱۰۰ پونڈ ہے جس میں سے ۲۰۰ پونڈ ادائی شرواح میں لگ جاتے ہیں۔ ۳۰۰ پونڈ عمارت کا لگان اور ۴۰۰ پونڈ زمین کا لگان ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ شروع شروع کر دیے جاتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔ کیا مکان کا کرایہ گھٹ کر صرف ۸۰ پونڈ ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ موقع محل کے فوائد کی بنا پر اور مسابقت کے اثر سے اس مکان کا کرایہ سالانہ ۱۰۰ پونڈ مقرر ہو چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مسابقت اب بھی پہلے کی طرح جاری رہے گی اور شروع کے شروع ہو جانے سے لوگوں کی طلب پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ لہذا وہ اب بھی ۱۰۰ پونڈ سالانہ کرایہ دینے پر آمادہ ہوں گے۔ علاوہ اس کے مکان کی تعمیر میں جو اصل صرف

کیا گیا ہے، اس پر سود بھی حسب سابق ہی ادا ہوگا کیونکہ کوئی ایسی بات واقع نہیں ہوئی ہے جس کی وجہ سے عمارات کے منافع میں اضافہ ہو۔ لہذا شروح کی تفسیح سے جو کچھ فائدہ ہوگا، وہ مالک زمین کے حصے میں آئے گا۔

پس معلوم ہوا کہ موقع محل کے اجارے پر جو شروح لگائے جاتے ہیں، وہ لگان سے منہا کیے جاتے ہیں۔ اگر یہ شروح نہ ہوتے تو زمیندار کو اس کا فائدہ پہنچتا۔ لہذا ان کا بار بھی موقع محل کے مالک ہی پر پڑتا ہے۔ کرایہ دار صرف اس قدر حصہ ادا کرتا ہے جو اس سے معمولی حالات میں بوجہ عمارت استعمال کرنے کے وصول طلب ہوتا ہے۔ اور موقع محل کے اجارے سے شروح میں جو کچھ اضافہ ہوتا ہے مالک زمین پر اس کا بار پڑتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ مالک زمین کو خاص خاص حالات کی وجہ سے ایک ”حاصل غیر لکتب“ دستیاب ہوتا ہے جو ایک بالکل جداگانہ مسئلہ ہے۔ لیکن جہاں تک اضافہ شروح کا تعلق ہے، اس کا اثر تو یہی ہے کہ لگان میں جو اضافہ ممکن تھا اس میں کمی واقع ہوتی ہے۔

(۴) تجارتی عمارات اور دکانیں۔ اگر شروح تمام مقامات میں عام اور ہر جگہ کیساں طور پر عائد کیے جاتے ہوں تو اس صورت میں وہ کاروبار کے مصارف میں شامل سمجھے جاتے ہیں اور بہ شکل قیمت چیزوں کے خریداروں پر منتقل کر دیئے جاتے ہیں۔ اگر موقع محل خاص طور پر مفید ہو اور اس کی وجہ سے مسابقت میں تخفیف اور قدر اجارہ نمودار ہو جائے تو لگان میں لازمی اضافہ ہوگا اور اضافہ مالیت کی بنا پر جو شروح عائد کیے جائیں گے، ان کا بار لگان حاصل کرنے والوں دور میں بی پٹے دار یا مالک زمین پر پڑے گا۔ اگر مقامی شروح غیر معمولی طور پر اعلیٰ ہوں جس کی وجہ سے اس خاص صنعت میں کام کرنے والوں کو اپنے حریفوں کے مقابلے میں نقصان پہنچے یا اگر دور دراز مقامات (مثلاً شہر کے بڑے بڑے گوداؤں) سے مال آکر مقامی قیمت کو گھٹا دے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اس صنعت میں کام کرنے والوں کا منافع گھٹ جائے گا بلکہ ممکن ہے کہ اعلیٰ مقامی شروح کی بدولت اس صنعت کا وہاں

بالکل خاتمہ ہو جائے۔ یعنی نتائج کو پیش نظر رکھ کر یہ کہا جاتا ہے کہ شروع جگہ مختلف نہ ہوں بلکہ بڑے بڑے وسیع رقبوں کے اندر وہ تمام مقامات میں یکساں ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ قریب قریب مقامات میں جہاں حالات ایک ہی قسم کے ہوں شروع کا ساوہی ہونا نہایت پسندیدہ ہے لیکن جو اضلاع ایک دوسرے سے بہت دور دور واقع ہوں، یا جن میں پیدائش دولت کے حالات مختلف ہوں، یا جہاں مقامی خرچ کی نوعیت اور مقدار کے متعلق لوگوں کے خیالات میں اختلاف ہو، وہاں مساوات شروع کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو مساوات شروع کے اصول کا صرف انہی رقبوں پر اطلاق ہونا چاہیئے جو ایک ہی مقامی حکومت کے تحت ہوں اور جہاں تمام باشندوں کے مفاد مشترک ہوں۔ مثلاً وہ تمام رقبہ جو دار السلطنت میں شامل ہے لیکن اس صورت میں نہ صرف شروع ہی عام ہوں بلکہ حکام با اختیار بھی مشترک ہوں۔ جدید ذرائع آمد و رفت اور طرز زندگی کا رجحان ان معاشرتی اکائیوں کی توسیع کی طرف ہے۔ وہ اس بات کے مقتضی ہیں کہ ان رقبوں میں روز افزوں اضافہ ہوتا جائے۔ لیکن اگر محض شروع کے انتشار کی غرض سے مختلف اضلاع کو متحد کر دیا جائے تو نتیجہ نا انصافی اور اسراف ہو گا۔ ایک ضلع کی فضول خرچی اور ادنیٰ کارگزاری کی وجہ سے دوسرے ضلع کو خواہ مخواہ ٹکس کا بار اٹھانا پڑے گا۔ یہ گویا ایک طرح کی تائین ہوگی جس کی بدولت اعلیٰ مقامات کی کارگزاری میں تخفیف ہو جانے کا اندیشہ رہے گا۔

۷۔ اس قسم کی مصیبت کی ایک نہایت موزوں مثال مسرس یارو کا وہ فیصلہ ہے جو انھوں نے اپنی جہاز سازی کی صنعت کو دریائے تھیمس سے منتقل کرنے کی بات کہی تھی۔ سبب کے ایک سبب یہ بیان کیا گیا تھا کہ پالمار کے اعلیٰ مقامی شروع دنی پوٹ ۱۲ شلنگ کی وجہ سے یہ ناممکن ہے کہ وہ شمال کی جہاز سازی کی صنعتوں کا مقابلہ کر سکیں جہاں ارزاں مصارف زندگی کے باعث اجرتیں بھی ادنیٰ ہیں۔

اگر دورانِ معاہدے میں یا پٹے کی میعاد ختم ہونے سے پیشتر کسی مقامی اصلاح پر سرمایہ خرچ کیا جائے اور اس کی وجہ سے شروع میں اضافہ ہو تو اس کا بار مکان میں رہنے والے پر پڑے گا۔ جب تک کہ معاہدے کی میعاد ختم نہ ہوئے، وہ خود پر سے اس بار کو جزو یا کلاً منتقل ہی نہیں کر سکتا۔ اور ختم مدت کے بعد ممکن ہے کہ لگان میں اور اضافہ ہو جائے کیونکہ اس اصلاح کی بدولت جس کے اخراجات میں وہ شریک ہو چکا ہے، جائیداد کی مالیت بڑھ جائے گی۔

پٹے کی بقیہ مدت کے لیے تو جائیداد کی اصلاح کے فائدے سے مالک مکان یا درمیانی زمیندار مستفید ہوگا۔ لیکن بالآخر یہ فائدہ مالک زمین کو پہنچے گا جن کو یہ داروں کی میعاد صرف ایک ایک سال ہوتی ہے، ان کی حالت کسی قدر بہتر ہوتی ہے۔ کیونکہ جب کبھی شروع میں اضافہ ہو تو وہ اپنی سکونت بدل سکتے ہیں، بشرطیکہ انھیں ادنیٰ مالیت کے مکانوں میں رہنا منظور ہو۔ لیکن نقل مکان میں بڑی مشکلات حاصل ہوتی ہیں مثلاً کسی دوسرے مناسب مکان کی تلاش، نقل و حرکت کے اخراجات، تبدیل پتے کی دقتیں، تساہل، تکلیف اور تفتیش اوقات وغیرہ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی اکثر تعداد یہی مناسب خیال کرتی ہے کہ اس قدر مصیبتیں جھیلنے اور نقصان اٹھانے کی بجائے تھوڑے سے اضافے کا بار ہی برداشت کرے۔ اس طرح معاشی تضادم کی بدولت جب کبھی کوئی نئی شرح جاری کی جاتی ہے پیرانی شرح ہی میں اضافہ ہوتا ہے تو اس کا کچھ بار مکان کے موجودہ رہنے والوں پر پڑتا ہے۔ اور اس قدیم مقولے کی ایک اور مثال دستیاب ہوتی ہے کہ ”شروع جہاں ایک مرتبہ ناکند ہوتے ہیں، ان کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ وہیں جے رہیں۔“ اب جہاں تک اس کی برعکس صورت کا تعلق ہے، ظاہر ہے کہ وہ بالکل صحیح ہے، یعنی اگر معاہدے کی میعاد کے اندر شروع میں تخفیف ہو جائے تو اس کا فائدہ کرایہ دار کو پہنچتا ہے۔ لیکن یہ کسی عملی تجربے کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ محض ایک علمی مسئلہ ہے جس کی صداقت بالکل بدیہی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ شروع میں تنازع و ناواری تخفیف ہوتی ہے۔

بعض لوگوں نے امول مساوات کی خاطر اس بات کی حمایت کی ہے کہ

انگلستان اور ولز میں شروع مالک مکان اور مکان میں رہنے والے کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوں۔ اسکاچستان اور آئرستان میں تو یہ طریقہ پہلے ہی سے جاری ہے۔ اگر معاشی قوتوں کا عمل بلاروک ٹوک فرض کر لیا جائے تو ادیر مختلف صورتوں کی جو تشریح کی گئی ہے، اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ابستدائی تقدیر کے متعلق اس طور پر انتظام کرنے سے آخری تقدیر پر کوئی قابل لحاظ اثر پڑے گا۔ یہ تو ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے ایک بدیہی نا انصافی رفع ہو جائے اور اس طرح لوگوں کی بے چینی میں تسکین ہو اور اس حد تک اس میں شک نہیں کہ وہ قابل لحاظ بھی ہے۔ لیکن ایک معاشی عمل کی حیثیت سے شروع اور لگان کے باہمی تصفیے پر اس کا کوئی زیادہ اثر نہیں پڑ سکتا۔ اگر مساوی تقسیم کی بدولت مکان میں رہنے والے کو شروع کا نسبت کم حصہ ادا کرنا پڑے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ مکانات کی طلب کے اثر سے بتدریج اس کے لگان میں اسی نسبت سے اضافہ ہو جائے گا، گو اس میں شک نہیں کہ اس نقل پذیری کی رفتار بہت سست اور اس کا عمل در آمد بہت ہی تدریجی ہو گا۔ اور اسی اثنا میں معاشی تقادم کے اثر سے مکان میں رہنے والے کو کسی قدر فائدہ حاصل ہو گا لیکن جو بات زیادہ کفایت پر مبنی اور باعث سہولت ہے، وہ یہ ہے کہ شروع یکمشت ادا ہوں، اور مختلف اسباب کی بنا پر بہترین صورت یہ ہے کہ وہ مکان میں رہنے والے سے وصول کیے جائیں الا اس حالت کے جہاں کمرے بہت ارزاں ہوں، کرایہ دار بار بار بدلتے رہتے ہوں، اور اس وجہ سے شروع جمع کرنا بہت دقت طلب ہو۔ ایسی صورت میں تو پھر زیادہ آسانی اسی میں ہے کہ طریق مرکب اختیار کیا جائے جس کے مطابق مالک کل جائیداد پر، عام ازیں کہ وہ کرایہ پر دی گئی ہو یا محض خالی پڑی ہوئی ہو، شروع ادا و مفلسین ادا کرتا ہے جس کے معاوضے میں اس کے لیے ۱۰ سے ۲۰ فی صدی تک تخفیف کر دی جاتی ہے۔

مشینوں پر شروع لگانے سے معارف پیدا نش میں اضافہ ہو جاتا ہے جس کا بار زیادہ تر اشیاء کے خریداروں پر پڑتا ہے۔ مشینوں پر شروع لگانے کی اس لیے حمایت کی جاتی ہے کہ سڑکوں، موریوں وغیرہ پر جو سرمایہ

خرچ کیا جاتا ہے، اس سے مقامی صنعتوں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے، لہذا یہ ایک اولین عقل بات ہے کہ وہ بھی ان مصارف کی فراہمی میں شریک ہوں۔ اب رہا یہ سوال کہ مقامی صنعتوں کو اس طرح جو فائدہ پہنچتا ہے، اس کا کیوں نہ ٹخنہ نہ کیا جائے۔ واضح رہے کہ نمود مشینوں کی مالیت ان فوائد کا ایک ہیست ہی نامکمل پیمانہ ہے اور مقامی خدمت کی مالیت کے ساتھ اسے کوئی خاص نسبت نہیں۔ مزید براں مشین ایک طرح کا اصل اور کاروبار پر پیدائش کا ایک اہم عامل ہے۔ لہذا اندیشہ ہے کہ اعلیٰ شروح کی وجہ سے مقامی صنعتوں پر نقصان عائد ہو اور وہ اپنے حریفوں کے مقابلے میں کمزور ہو جائیں۔ آلات پیدائش دولت پر کوئی خاص ٹکس لگانا اصول کفایت کے خلاف ہے۔ اس کی بدولت پیدائش میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اور مزدوری پیشہ طبقوں کو بے کاری کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ اگر یہ ٹکس عام ہو تو اس کے بار کا کچھ حصہ آگے منتقل ہو جاتا ہے اور اضافہ قیمت کی شکل میں خریداروں پر عائد ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے طلب محدود ہو جاتی ہے اور اس طرح کچھ حصہ پیچھے بھی منتقل ہو جاتا ہے، یعنی ان چیزوں کے بنانے والوں پر اس کا بار پڑتا ہے۔ بالآخر اسی اعلیٰ قیمت پر طلب و رسد کے درمیان توازن قائم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ٹکس مقامی ہو تو اس مقام کی صنعتیں دوسرے مقامات کی صنعتوں کے ساتھ مسابقت میں نقصان اٹھاتی ہیں۔ بعض اوقات صرف غیر منقولہ مشینوں پر ٹکس لگانے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن اس قسم کا امتیاز پیدا کرنا از روئے منطق کچھ زیادہ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ منقولہ اور غیر منقولہ مشینوں کے درمیان کوئی بنیادی نہیں بلکہ ایک مصنوعی فرق ہے۔ اصلی حقیقت تو یہ ہے کہ دونوں اصل میں شامل ہیں، ایک انجن تو وہ ہوتا ہے جو اپنی جگہ پر قائم رہ کر انسان کے لیے کارآمد ہوتا ہے دوسرے ریلوں اور جہازوں کے انجن ہوتے ہیں جو جگہ جگہ مال و اسباب لاتے لے جاتے ہیں۔ گو ان میں سے ایک منقولہ اور دوسرا غیر منقولہ سمجھا جائے ان میں کوئی اہم بنیادی فرق نہیں ہے۔ دونوں انسان کی صنعت کے آلے اور

مزدوروں کو کام پر لگانے کے ذرائع ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ بندرگاہ کے ایک حمالے پر تو ٹکس لگایا جائے اور ایک دھانی جہاز کو اس سے مستثنیٰ کر دیا جائے؟ حالانکہ آخر اندکڑی حمالے کے وجود کا باعث ہے۔ فرض مقامی ٹکسوں کو تقسیم کرنے کے لیے مشینوں پر ٹکس لگانے کا طریقہ خاص طور پر خلاف کفایت معلوم ہوتا ہے۔ گمان غالب یہ ہے کہ اگر یہ طریق اختیار کر لیا جائے تو ٹکس کا تعدیہ مضرت رساں ثابت ہو گا۔

فرانس، اٹلی، اور بعض دوسرے ملکوں میں مقامی آمدنی کا بہت بڑا حصہ ان ٹکسوں سے حاصل کیا جاتا ہے جو آکر اے کہلاتے ہیں۔ عام استعمال کی چیزیں (غذا، مسکرات، ایندھن، اور عمارتی سامان) جب شہروں میں داخل ہوتی ہیں تو ان پر یہ محصول لگائے جاتے ہیں۔ فرانس میں زمانہ قدیم سے آکر اے کا طریق جاری ہے۔ پہلے اس کی آمدنی کا نصف حصہ بادشاہ وقت کو ادا کیا جاتا تھا۔ ۱۷۹۱ء میں محصول آکر اے سے دوسرے بالا اسٹے ٹکسوں کے منسوخ کر دیا گیا تھا۔ لیکن ۱۷۹۹ء میں مقامی اغراض کے لیے وہ پھر جاری کر دیا گیا۔ چنانچہ اب پیرس میں بلدیہ کی نصف آمدنی آکر اے ہی پر مشتمل ہے اور دوسرے اضلاع نے بھی کثرت کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ آکر اے درحقیقت ایک طرح کا مقامی محصول کروڑ گیری ہے جو ایک طرف تو نہایت ہی تکلیف دہ اور بھونڈا، اور دوسری طرف مصارف کثیر کا باعث ہے۔ چونکہ وہ زیادہ تر ضروریات زندگی پر لگایا جاتا ہے، لہذا غریب طبقوں پر اس کا بار بہت گراں ہوتا ہے۔ اس کی بدولت مصارف زندگی بڑھ جاتے ہیں اور ٹکس کا بار ہرگز اسی نسبت سے تقسیم نہیں ہوتا جس سے کہ مقامی اخراجات کے فوائد منقسم ہوتے ہیں۔ تاہم جہاں جہاں لوگ اس سے روایا مانوس ہو گئے ہیں، وہاں اس کی جگہ کوئی اور ٹکس جاری کرنا دقت طلب ہے۔

انگلستان میں سڑکوں کی تعمیر اور دوسرے مقامی اخراجات کے لیے جب سرمایہ فراہم کرنے کی ضرورت پڑتی تھی تو وہاں بھی پہلے آکر اے کا طریق ہی

اختیار کیا جاتا تھا بلکہ کوئلے کے محصولات کی شکل میں وہ اب بھی چند شہروں میں موجود ہے۔ لندن میں کوئلے کے محصولات جب ۱۸۱۹ء میں منسوخ ہوئے ہیں تو ان سے ۴۵۰۰۰ پونڈ آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ ان محصولات کی تاریخ بہت دلچسپ ہے۔ ابتداً ان کی یوں ہوئی کہ لندن میں جس قدر کوئلہ داخل ہوتا تھا (اس وقت سمندر کی راہ سے) اس پر ۱۵۹ء میں فی ٹن ۴ پنس کے حساب سے ایک ٹکس لگایا گیا۔ ٹیکس دریاے ٹیمز کے محافظین کو اس غرض سے ادا کیا جاتا تھا کہ وہ بندرگاہ کو کھلا رکھیں۔ ۱۶۹۴ء میں اس محصول میں فی ٹن ۸ پنس کا اضافہ کیا گیا تاکہ اس سے شخصیت کا قرضہ ادا کیا جاسکے اور ۱۷۹۰ء میں ایک ہنی اور بڑھادی گئی تاکہ کوئلے کے صرافے کی از سر نو تعمیر ہو سکے۔ غرض فی ٹن ۱۳ پنس کا یہ مجموعی ٹکس تمام دارالسلطنت کے رقبے پر ۱۸۱۹ء تک جاری رہا۔ آخر میں تقریباً ۲۵۰ مقامات پر حکام شہر اسے وصول کرتے تھے۔ اسی اثنا میں کوئلہ زیادہ تر ریل کے ذریعے سے داخل ہونے لگا۔ اس کی آمدنی خاص کر بنیڈری اصلاحات عامہ (مثلاً ہولورن کال اور دریائے ٹیمز کا پستہ) پر خرچ کی جاتی تھی۔

معاشی نقطہ نظر سے کوئلے کے محصولات کی حمایت نہیں کی جاسکتی تھی چنانچہ اس بنا پر وہ منسوخ کر دیے گئے۔ ان کی بدولت استعمال کی ایک ضروری چیز کے مصارف بڑھ جاتے تھے، غریب طبقوں پر وہ بالخصوص بہت زیادہ گرانبار تھے، اور لندن میں جس قدر صنعتیں جاری تھیں، انھیں اپنے حرفیوں کے مقابلے میں سخت نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ مزید برآں یہ طریقہ حالات موجودہ میں بالکل ناموزون تھا نہ اس میں دارالسلطنت کے

۸۷۰ شہر ان درس میں مقامی اغراض کے لیے سالانہ ۸۰۰ پونڈ ایک طرح کے اگڑے ہاے سے وصول کیے جاتے ہیں۔ یہ محصول ان اشیاء پر لگایا جاتا ہے جو یا تو خشکی کے راستے سے یا نہر کیپٹ وینا سے داخل ہوتی ہیں۔ لیکن جو چیزیں سمندر کی راہ سے آتی اور بندرگاہی محصولات ادا کرتی ہیں، وہ اس محصول سے مستثنیٰ ہیں۔ اکثر حصہ تو کوئلہ، و سکی شراب اور مویشی سے وصول کیا جاتا ہے لیکن ان کے علاوہ اور بھی کثیر التعداد چیزیں جن میں سور اور دھلا ہوا لوبہ شامل ہیں۔ یہ محصول ادا کرتی ہیں۔

نشو و نما کا خیال رکھا جاتا ہے اور نہ مقامی حکومت کی ترقی کا۔ ایک محدود ضلع کی منتخب شدہ جماعت کو یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ تمام رقبہ دار اس سلطنت کے طول و عرض میں زندگی کی ایک ضروری چیز پر ٹکس عائد کرے اور اس طرح جو آمدنی حاصل ہو اس کے خرچ پر بھی اپنا پورا اقتدار رکھے۔

اضافہ مالیت :- گزشتہ تیس سال کے دوران میں دارالسلطنت کے اندر بڑے بڑے کارہائے عامہ انجام پائے ہیں جن کی بدولت اراضی کی مالیت میں زبردست اضافہ ہو گیا ہے۔ اس اضافے کا نتیجہ یہ ہے کہ مالیت مقامی کا ایک جدید مسئلہ نمودار ہوا ہے جو اضافہ مالیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ اصطلاح وہ طرح پر استعمال ہوتی ہے :- ایک معنی کے لحاظ سے تو وہ اس واقعے کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مقامی اصلاحات پر عوام کا روپیہ خرچ کرنے سے خالص جائیدادوں کی مالیت میں اضافہ ہوتا ہے مثلاً کسی نئی شاہراہ کا کھلنا۔ دوسرے مفہوم کے مطابق وہ اس اصول کو بیان کرتی ہے کہ جب کبھی خالص جائیدادوں کی مالیت میں اس طرح اضافہ واقع ہو تو مقامی حکومت کو چاہیے کہ مالکان جائیداد پر کوئی خاص ٹکس عائد کرے۔ اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ یا تو سالانہ لگان پر ٹکس لگایا جائے یا جائیداد کی مالیت پر یکمشت کوئی رقم تشخیص کی جائے۔ انگلستان میں تو صرف لندن کی مجلس ضلع نے اضافہ مالیت کا اصول اختیار کیا ہے لیکن ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ”تشخیص خاص“ کے نام سے اس اصول پر ایک زمانہ دراز سے عمل ہو رہا ہے۔ پروفیسر سیلکین کا بیان ہے کہ امریکہ نے ابتدا میں انگلستان ہی سے اس طریقے کی تقلید کی۔ لندن کی عظیم آتشزدگی کے بعد جب شہر کی دوبارہ تعمیر ہوئی تو اس سلسلے میں متعدد خاص اصلاحات کی گئیں اور ان کا بار ان اشخاص پر ڈالا گیا جن کی جائیدادوں کو اصلاحات مذکور کی بدولت فائدہ پہنچا تھا۔ امریکہ میں ”تشخیص خاص“ کا جو اصول جاری ہے وہ یہ ہے کہ افادہ عامہ کی غرض سے سرکار جو سرمایہ خرچ کرتی ہے اگر اس کی بدولت کسی

۱۷۹ - ملاحظہ ہو ”پے پی کی ڈائری“ ستمبر ۱۹۲۷ء جس میں اس مضمون پر ایک نوٹ تحریر کیا گیا ہے۔

خانگی جائیداد کی بازاری مالیت میں اضافہ ہو جائے تو بلا انصاف کا خون کیسے ہوئے مالک جائیداد سے یہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس سرمائے کی فراہمی میں کچھ یکمشت رقم ادا کرے۔ اس قسم کی ادائیگی اور مقامی شہرے میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر صورت میں یکمشت رقم ادا کر دی جاتی ہے اور ہمیشہ کے لیے اس اصلاح کے مطالبے سے نجات مل جاتی ہے۔ قطعہ اصلاح کے اندر جو جائیداد واقع ہوتی ہے کام متعلقہ یہ شخص کرتے ہیں کہ اصلاح کی بدولت اس کو کس قدر نفیس پہنچا اور شخص چند مسئلہ معیار پر مبنی ہوتی ہے مثلاً بازاری مالیت کا اضافہ، جائیداد کی وسعت، سامنے والے حصے کی مقدار وغیرہ۔ اس طریق کے حامی اس بات کے مدعی ہیں کہ اس پر نہایت عمدگی کے ساتھ عملدرآمد ہوتا ہے، کیونکہ اس کی بدولت فوراً ایک ایسا مطالبہ پیش کر دیا جاتا ہے جو بہ صورت دیگر حاصل غیر کمشب کی شکل اختیار کر لیتا۔ دوسرے یہ کہ اس کی وجہ سے بہت جلد مادی طور پر معاملہ طے ہو جاتا ہے۔

۱۹۵ء والے قانون ٹاور برڈج پر نظر ڈالنے سے ہمیں اصول اضافہ مالیت کے دوسرے پہلو کی مثال دستیاب ہوتی ہے۔ لندن کی مجلس ضلع نے اس اصول پر عمل کرنے میں یکمشت رقم کی بجائے سال بہ سال ٹکس لگانے کا طریق اختیار کیا۔ لیکن اس صورت میں جو اخراجات لاحق ہوتے تھے وہ اس قدر کم تر تھے کہ تقریباً تمام آمدنی انھی میں لگ جاتی تھی۔ اضافہ مالیت کا رقبہ معین کرنے اور اس رقبے میں ہر جائیداد کو کس قدر فائدہ پہنچا، اس کا تخمینہ کرنے میں بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ ایک اور بات جو اس سلسلے میں نمودار ہوتی ہے وہ تخفیف مالیت کا مسئلہ ہے۔ جو تبدیلیاں اضافہ مالیت پیدا کرتی ہیں، ان کی وجہ سے بعض اوقات جائیداد کو نقصان بھی پہنچ جاتا ہے۔ مسئلہ تخفیف مالیت اسی نقصان کے معاوضے سے متعلق ہے تخفیف مالیت کی بنا پر جو مطالبات کیے جاتے ہیں ان کا اسی وقت لحاظ کیا جاتا ہے جبکہ نقصان ایک ہی جائیداد کے کسی دوسرے حصے کو پہنچا ہو۔ لیکن اگر یہ مطالبات اس لیے کیے جائیں کہ ان تبدیلیوں سے دوسرے رقبوں یا دوسری جائیدادوں کو نقصان پہنچا ہے تو ان پر کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ یہ بات تسلیم

کر لی گئی ہے کہ اصلاحات عامہ کی بدولت بالعموم تمام ضلع کی نوعیت بدل جاتی ہے اور اس کی معاشی قدر میں زبردست اضافہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح کھیتوں میں پتھر پھینکنے سے لہریں نمودار ہو کر پھیلی جاتی ہیں اسی طرح مفید اور فیض رساں اثرات کا حلقہ بھی وسیع ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ بتدریج تمام رقبہ اُن سے متاثر ہو جاتا ہے۔ لہذا تخمین ہے کہ پبلک کے بڑے تعمیراتی کاموں سے بعض جائیدادوں کو عارضی طور پر نقصان اٹھانا پڑے گا تاہم اس اصلاح کی بدولت کل علاقے کو یہ حیثیت مجموعی جو دہائی فائدہ پہنچتا ہے اس سے وہ جائیدادیں بھی بالآخر مستفید ہوتی ہیں۔ اصول اضافہ مالیت کے اطلاق میں جو عملی دقتیں پیش آتی ہیں، ان کو رفع کرنے کے لیے بعض اوقات ایک دوسرا اصول اختیار کیا جاتا ہے جو اصول تلافی کہلاتا ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ جس ضلع میں اس قسم کی اصلاح کرنا مقصود ہوتا ہے وہاں مقامی حکومت ایک بہت بڑا رقبہ خود خرید لیتی ہے اور اس کی مالیت میں اصلاح کی بدولت جو اضافہ نمودار ہوتا ہے اس سے اپنی اصلاحات کے کل مصارف یا ان کا بہت بڑا حصہ وصول کر لیتی ہے۔ اصلاح کے بعد اگر مقامی حکومت چاہے تو جائیداد کو زیادہ قیمت پر دوبارہ بیچ دے، یا جو صورت اس سے بہتر سمجھی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان مواقع کو اپنے ہی قبضے میں رکھے اور عمارتیں بنانے کے واسطے خاص خاص میعادوں کے لیے انھیں بیٹے پر دے دے۔ اس طرح زمین کے لگان کی شکل میں اضافہ مالیت کا معاوضہ وصول ہو جائے گا۔ البتہ اس طریق میں تخمین کا جز و ضرور شامل ہے۔

لندن کی مجلس ضلع نے اسٹریٹ کی وسیع اصلاحات کے موقع پر یہ اصول اختیار کیا تھا۔ اس وقت کہا یہ جاتا تھا کہ یہ تجویز قوم کے لیے بالآخر نفع بخش ثابت ہوگی کیونکہ ایک طرف تو زمین کے آئندہ لگان اور اس سود کا کوئی مقابلہ نہیں جو زیر مقروضہ پر ادا کرنا پڑے گا، دوسری طرف زائد جائیداد کو حکومت عمارتی پٹوں پر دے سکتی ہے اور ختم میعاد پر حتیٰ عود اپنے لیے

محفوظ کر سکتی ہے۔^۱

اگر اسٹریٹ کے تجربے سے یہ توقعات بجا ثابت ہو جائیں تو اس طرح شہری اصلاحات کے لیے اصول تلافی اختیار کرنے کی حمایت میں گویا ایک دلیل بلجائے گی۔^{۱۸۱} گزشتہ چند سال سے مقامی ٹکس خوفناک طریقے پر بڑھ رہے ہیں اور ساتھ ہی شہری اراضی کی مالیت میں زبردست اضافہ ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لگان بڑھتے جاتے ہیں اور جب کبھی عمارت کے لیے زمین فروخت ہوتی ہے تو اس کی خوب قیمت اٹھتی ہے۔ یہی وہ اسباب ہیں جنہوں نے شہری اراضی کے اجارے کے مسئلے کی طرف پبلک کو متوجہ کر دیا ہے اور اراضی کی بدولت اب مقامی ٹکس کے

۱۔ مٹرس، ایٹ، شالفر نے ۲۹ اپریل ۱۹۵۰ء کو اخبار ٹیمس کے نام ایک خط روانہ کیا تھا جس میں سے مندرجہ ذیل اقتباس تحریر کیا جاتا ہے۔

”اس بڑی جائیداد کو حاصل کرنے اور اس کی بدولت مزدوری ہمیشہ طبعی کے جو ۳۸۰۰ اشتیاق ہے خانہاں ہو جائیں گے انہیں پڑوس میں دوبارہ آباد کرنے کے اخراجات کا تخمینہ ۳۰۰۰ ۴۸۹ پونڈ کیا گیا تھا۔ دوسری طرف رقبہ تلافی کی مالیت کا تخمینہ حسب معمول کیا گیا تو ۴۰۰۰ ۴۱۶ پونڈ اس کی مقدار ہوئی، یعنی اگر زائد زمین کو فروخت کیا جائے تو اس کے لگان کا لحاظ کرتے ہوئے بازار میں اسی قدر قیمت اٹھے گی۔ اس طرح اس اسکیم کے خالص مصارف کا تخمینہ ۵۰۰ ۳۷ پونڈ ہوا۔ اب ممکن ہے کہ جائیداد کو خریدنے کے بعد اس کو پٹے پر دینے تک جو وقفہ گزرے اس میں سرکار کو نقصان اٹھانا پڑے اور ظاہر ہے کہ اس نقصان کی مقدار لازمی بہت زیادہ ہوگی۔ لیکن مندرجہ بالا تخمینے میں اس نقصان کا کوئی شمار نہیں ہے۔“

”مگر مجلس اس بات پر مجبور نہیں ہے کہ اپنی اراضی کو فروخت کر دے۔ وہ مجاز ہے کہ بطور ذخیرہ ادائیگی ضمانت کے نہیں اپنے قبضے میں رکھے مجلس کی رائے کے مطابق اس قسم کی اسکیم کے مصارف کا صحیح پیمانہ اسی وقت قابل ہو سکتا ہے جبکہ ہم معلوم کریں کہ زمین کے آئندہ لگان اور زمین فروش کے سود کی فروغ ہوگی۔“
۱۔ تقریباً دس سال تک غالی رہنے کے بعد مشرقی کنارہ حکومت اسٹریٹیا کو اپریل دیا گیا اور اکتوبر ۱۹۵۱ء میں مغربی کنارہ بھی سالانہ ۵۰۰ پونڈ گرانے پر ایک مرلے کو میں ۱۱ کروڑ روخت اور کروڑ عایشی ہی شامل کر دیا گیا۔

بوجہ کو ہٹا کر نئے کی غرض سے مختلف تجاویز پیش ہونے لگی ہیں۔ انہی میں سے ایک وہ تحریک ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ زمین یا موقع محل کی مالیت پر ٹیکس لگا کر سرکاری آمدنی حاصل کی جائے۔ مقصد یہ ہے کہ عمارتوں کے لیے جو موقع محل درکار ہوتے ہیں عام ازیں کہ وہ خالی ہوں بازیر استعمال، ان پر کسی نہ کسی شکل میں ٹیکس لگا کر زمین کا ماحصل غیر منکسب وصول کر لیا جائے، بالخصوص شہروں میں جہاں اضافہ لگان کی شکل میں یہ بات صاف طور پر واضح ہوتی ہے کہ زمین کی مالیت ہمیشہ کے لیے کس قدر بڑھ گئی ہے۔ دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ مالیت میں اس طرح جو اضافہ واقع ہوتا ہے وہ مالک زمین کی جدوجہد یا اس کے ذاتی خرچ کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کا اصلی سبب سوسائٹی اور وہ سرکاری سرمایہ ہے جو سڑکوں، حفظان صحت کے انتظامات، کھلے میدانوں وغیرہ پر خرچ کیا جاتا ہے۔ لہذا یہ بات بالکل قرین انصاف ہے کہ اس ذریعے سے جو کچھ فائدہ نمودار ہو، اس میں عوام الناس کو بھی کچھ حصہ ملے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض اراضی کی اعلیٰ قدر اجارہ مضی اس بات کا نتیجہ ہے کہ آبادی روز افزوں بڑھتی اور کثیر تعداد میں شہروں کے اندر جمع ہوتی جاتی ہے۔ تجارتی جیل پہل بھی ایک خاص مرکز کے قرب و جوار میں محدود ہو جاتی ہے اور اصل بھی کثیر مقدار میں وہیں جمع ہوتا جاتا ہے۔ اس وجہ سے مجموعی دولت بھی اُسی جگہ بڑھتی جاتی ہے اور پیداوار جدوجہد ایک خاص رقبہ کے اندر محدود ہو جاتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کثیر دولت میں سے جو مالک جائیداد کی کسی جدوجہد کے بغیر بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اور جس کی توسیع کی کوئی حد انتہا ہی نظر نہیں آتی، سرکاری طور پر اپنا حصہ نکال سکتی ہے۔ یہ مسئلہ بار بار نمودار ہوتا رہا ہے۔ جسے اس نے اس کو حل کرنے کی کوشش کی لیکن اسے کامیابی نہ ہو سکی۔ بعد ازاں ٹیکس مفرد کے حامیوں نے اس کو از سر نو تازہ کیا۔ مسئلہ اس قدر پیچیدہ اور وسیع ہے کہ یہاں اس پر بحث ناممکن ہے اور پورے طور پر اس کی جانچ پڑتال کرنا ہمارے موجودہ مقصد سے غیر متعلق۔ البتہ یہاں صرف چند مشکلات کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ زمین کی قدر پر خاص طور پر ٹیکس لگانے کی حمایت میں سب سے بڑی

دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اجارہ زمین اور دوسرے اجاروں میں ایک بہت بڑا
 اختیار موجود ہے۔ وہ یہ کہ زمین پیدائش دولت کے ہر کارہ بار میں ایک نہایت
 اہم عامل ہے۔ تقائے وجود کے لیے سب سے پہلے اسی کی ضرورت ہے اور
 مقدار میں وہ قطعی طور پر محدود ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر
 زمین کی خاطر خواہ ترقی منظور ہو تو مصلحت اسی میں ہے کہ وہ فائلی افراد کی
 ملک میں چھوڑ دی جائے۔ اسی اصول کی بدولت نئے نئے ممالک آباد ہوتے ہیں
 اور وہی قدیم ممالک میں زراعت کی کامیابی کا خاص سبب ہے۔ دوسرے
 یہ کہ اگر لگانوں میں اضافہ ہوا ہے تو ساتھ ہی شروع بھی اسی نسبت سے
 بڑھ گئے ہیں اور اس کا بار مالکان زمین ہی پر عائد ہوتا ہے۔ مزید برآں یہ پتہ
 کیونکر لگایا جاسکتا ہے کہ زمین کی مالیت کا کس قدر اضافہ مالک زمین کی
 آل اندیشی، حسن انتظام اور سرمائے کا نتیجہ ہے اور کس قدر دوسرے اسباب کا۔
 اس کے علاوہ اکثر زراعتی زمینوں کا لگان اس قدر نہیں ہوتا کہ مالکوں نے ان پر
 جو سرمایہ صرف کیا ہے، اس کا انصاف کافی معاوضہ مل سکے۔ اور شہری زمینوں کے
 متعلق یہ بات قابل لحاظ ہے کہ وہ جلد جلد فروخت ہوتی ہیں اور ہر موقع پر خریدار
 اضافہ لگان کی پوری پوری مالیت بہ شکل قیمت ادا کر دیتا ہے۔ اسی صورت میں
 پھر اس اضافے کو وصول کرنا ایک طرح کی ضابطی اور سرماسر خلافت انصاف ہے۔
 لہذا اب سوال یہ پیش ہوتا ہے کہ آخر ان تمام اعتراضات کا کس طرح جواب
 دیا جائے۔ بل نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ایک مرتبہ عام تشخیص کر لی جائے اور
 بعد ازاں کسی تاریخ مقررہ سے محمول اضافے پر عمل شروع کیا جائے۔ لیکن
 اس تجویز سے مشکل حل نہیں ہوتی بلکہ صرف ملتوی ہو جاتی ہے۔ موجودہ تجویز
 یہ ہے کہ مختلف اراضی کی مالیت بلحاظ ان کے موقع محل کے تشخیص کر لی جائے
 اور اس کے بعد مخصوص طور پر شروع لگائے جائیں۔ اب یہ معلوم کرنا مشکل
 ہے کہ بلا لگان کا حوالہ دیے ہوئے کیونکر اس تجویز پر عمل کیا جاسکتا ہے،
 یا موقع محل پر ٹکس لگانے میں یہ کیسے ممکن ہے کہ اس مالیت کو ضبط نہ کیا جائے
 جو بوقت خرید پوری طور پر ادا کی جا چکی ہے۔

مزید برآں زمین حاصل غیر مکتبہ کی متعدد شکلوں میں سے صرف ایک شکل ہے۔
 مراغے کے تمام نفع بخش کاروبار تسکات کی مالیتوں کے اضافے، نیز وہ تمام
 تحقیقی کاروبار جن کا اوسط منافع زائد از معمول ہو، یہ سب حاصل غیر مکتبہ ہی کی
 صورت میں ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں ضروری ایسے افراد ملتے ہیں جو اپنے ساتھیوں
 کے مقابلے میں زیادہ کماتے ہیں لیکن ان کا اس طرح زیادہ کمانا شخص ان کی
 خوش قسمتی کا نتیجہ ہوتا ہے نہ کہ ان کی ذاتی کوششوں یا قابلیت کا ایک اور
 وقت یہ ہے کہ اضافوں کی طرح بعض اوقات تخفیف بھی واقع ہوتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا
 ہوتا ہے کہ ان صورتوں میں کیا طرز عمل اختیار کیا جائے۔ کیا امول مساوات یہ اجازت
 دیتا ہے کہ اضافہ فوراً وصول کر لیا جائے اور جب تخفیف واقع ہو تو اس سے بے اعتنائی
 کی جائے۔ مزید برآں جہاں تک جائیداد کا تعلق ہے بہت سے لوگوں کے مفاد اس سے متعلق ہوتے ہیں
 اور متعدد قانونی ذمہ داریاں اس پر موجود ہوتی ہیں۔ تجزیہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ
 مضمون کس قدر مشکل اور پیچیدہ ہے اور اس کو انصافانہ طور پر حل کرنے میں
 کس قدر وقت اور مصارف درکار ہوں گے۔ اگر ان مشکلات کو پیش نظر رکھ کر
 ہم فی الحال اس مسئلے کو ٹالنا چاہیں تو یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ اس کا فوراً کچھ نہ کچھ فیصلہ ہو جانا
 نہایت ضروری ہے۔ شہر اور اس کے سوا دیہا جوں جوں اراضی کے موقع محل کی
 مالیت بڑھتی جاتی ہے، شہروں اور مقامی قرضداری میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔
 شہروں کی توسیع کی کوئی حد ہی نظر نہیں آتی اور اس توسیع کے ساتھ ساتھ شہر ادا
 کرنے والوں پر بار روز افزوں بڑھتا جاتا ہے۔ مزید برآں اسی ایک سبب کا
 نتیجہ ہے کہ متعدد اہم تصفیہ طلب مسائل نمودار ہو گئے ہیں مثلاً افلاس، اجرت، لگان،
 فراہمی مکانات، صنعتوں کی نقل و حرکت وغیرہ۔ متعدد شاہی کمیشنوں نے
 تحقیقات کر کے رپورٹیں شائع کیں، حتیٰ کہ اب اس مضمون نے ایک نہایت اہم
 اور مشکل معاشرتی مسئلے کی شکل اختیار کر لی ہے۔ لہذا نہایت ضروری ہے کہ

۱۔ موقع محل کے ملکوں کی موجودہ حالت اور مجوزہ طریقوں کی ایک نہایت واضح کیفیت
 معلوم کرنا ہو تو ملاحظہ ہو اے، ولسن فاکس کی کتاب زمین کی مالیت کے شروح۔

کوئی مٹی برانصاف طریقہ ایسا سوچا جائے جس کی بدولت قوم اپنے نشو و نما سے متعلقہ اخراجات کو مالیتوں کے اٹس اٹھانے سے ادا کر سکے جو اسی نشو و نما کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ موقع محل کی مالیتوں پر محمول لگا کر مقامی ٹیکس کے بار کو دوبارہ تقسیم کیا جاسکے، یہ ضروری ہے کہ جو مشکلات یہاں بیان کی گئی ہیں انھیں حل کیا جائے اور ایک ایسی قابل عمل اسکیم بنالی جائے جس کی بدولت اصول مساوات کے مطابق مختلف لوگوں کے مفاد کا لحاظ رکھا جاسکے۔

معاشرتی نقطہ نظر سے زمین کی مالیت پر ٹیکس لگانے کا تقریباً پورا بار لگان حاصل کرنے والوں پر پڑے گا۔ اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ ایسا ٹیکس انصافاً صرف اختلافی قدر اجارہ پر لگایا جاسکتا ہے۔ باواسطہ طور پر یہ ٹیکس کچھ خفیف سا منتقل ہو تو ہوا ورنہ دراصل وہ منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ٹیکس کی وجہ سے عمارتی اغراض کے لیے زمین کی رسد میں کچھ نہ کچھ تخفیف واقع ہو تو ایسی صورت میں ٹیکس کے کچھ حصے کا بار پہ شکل اضافہ لگان مکانات میں رہنے والوں پر عائد ہوگا۔ کیونکہ یہ نسبت پہلے کے سکونتی مکانات کی قلت محسوس ہونے لگے گی۔ لیکن ٹیکس کے اکثر حصے کا بار تو ہمیشہ لگان حاصل کرنے والوں پر ہی رہے گا۔

دسویں فصل

۱۹۱۴ء کے بعد کی تبدیلیاں

اس کتاب کی گذشتہ (۱۹۲۴ء) والی ۱۲ اشاعت میں اُن تبدیلیوں کا جو ۱۹۱۴ء کے بعد واقع ہوئیں، متن کے اندر کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا۔ البتہ صرف چند تشریحی نوٹ اور حوالے دے دیے گئے تھے۔ اور جنگ کے زمانے میں نیز جنگ کے بعد ۱۹۲۱ء کے موازنے تک مالیات سے متعلق جو اہم تدبیریں اختیار کی گئی تھیں، انھیں ضمیموں کی شکل میں پیش کیا گیا تھا۔ اب ان ضمیموں کی جگہ اس نئے باب کا اضافہ کیا جاتا ہے جس میں ۱۹۲۴ء تک کی مالیاتی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

ملکس جو جنگ کے زمانے میں لگائے گئے

اگست ۱۹۱۴ء میں جنگ چھڑنے کے ساتھ ہی موسم خزاں میں ایک اور موازنہ منظور کیا گیا جو کہ ایک بہت ہی غیر معمولی بات تھی۔ انکم ٹیکس اور زائد ٹیکس اسی سال کے بقیہ چار مہینوں کے لیے دو گنے کر دیے گئے۔ اس طرح ۱۹۱۵ء کے مالیاتی سال میں یہ حیثیت مجموعی ایک تہائی کا اضافہ ہوا اور اوسط شرح ایک شلنگ آٹھ پنس پڑی۔ لیکن سالِ آئندہ یعنی ۱۹۱۵-۱۹۱۶ء سے دو گنی شرح یعنی ۲ شلنگ چھ پنس پر پورا عائد شدہ شروع ہونے والا تھا۔ اس کے علاوہ شراب اور چائے کے محصولوں میں بھی اضافہ کیا گیا اور یہ تخمینہ کیا گیا کہ ایک سال تمام میں ان سب تبدیلیوں کی بدولت

کل ۶۱ ملین پونڈ حاصل ہوں گے۔

مئی ۱۹۱۷ء میں ۱۹۱۶ء کا موازنہ پیش ہوا جس میں کوئی ایسی تجویز نہیں تھی جو جنگی کمسوں کے اس نظام العمل میں مزید اضافے کا موجب ہو۔ لیکن جب دن گزرتے گئے اور جنگ کی وسعت زیادہ واضح ہونے لگی تو مزید مالیاتی اشار کی ضرورت تسلیم کی گئی اور مسٹر میکینا نے جو مسٹر لائڈ جارج کی جگہ وزیر مالیات مقرر ہوئے تھے، موسم خزاں میں پھر ایک درمیانی موازنہ پیش کیا۔

بالواسطہ محمولوں میں شکر کا محمول فی ہنڈر ڈویٹ ایک شلنگ دس پنس سے بڑھا کر ۶ شلنگ چار پنس کر دیا گیا (ایک پنی فی پونڈ) اور تبا کو کا محمول اور بعض دوسرے محال میں بہ قدر نصف اضافہ کیا گیا۔ مالیاتی اصول کے نقطہ نظر سے زیادہ قابل لحاظ تبدیلی یہ تھی کہ تائینی نوعیت کے بعض نئے محال عائد کیے گئے۔ پیل اور گلیڈسٹون نے آزاد تجارت کا جو سخت مسلک قائم کر دیا تھا، اس سے انحراف کی اب تک صرف ایک مثال ۱۹۰۷ء کے عارضی محمول غلہ کی شکل میں موجود تھی (ملاحظہ ہو صفحہ ۹۰)۔ ۱۹۱۵ء کی حکومت ایک متفقہ حکومت تھی جس میں تائین تجارت کے حامی قدامت پسند شامل تھے۔ لیکن خود مسٹر میکینا نے، باوجود آزاد تجارت کے حامی اور جدت پسند ہونے کے، ان محال کی تائید اس بنا پر کی کہ وہ محض ایک جنگی تدبیر ہے اور جنگ کے زمانے میں غیر ضروری اشیاء کی درآمد کو روکنا بہت اہم ہے۔

یہ تائینی محال جو اس وقت سے عام طور پر محال میکینا کے نام سے موسوم ہیں، ۳۳ ۱/۲ فی صد بحساب مالیت کی شرح سے سوئروں، سیٹلوں آلات موسیقی، گھڑیوں اور سینما کی تصویروں پر عائد کیے گئے تھے۔

لیکن مسٹر میکینا کی زیادہ اہم تدبیریں وہ تھیں جن کا تعلق ہلا واسطہ محمولوں سے تھا۔ چنانچہ انکم ٹکس فی پونڈ ۲ شلنگ ۶ پنس سے ۳ شلنگ تک بڑھا دیا گیا۔ آٹھ ہزار پونڈ سے اوپر کی آمدنیوں پر زائد ٹکس میں اضافہ کیا گیا۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۱۳)۔ انکم ٹکس کی حد استثناء ۱۶۰ پونڈ سے گھٹا کر ۳۰ پونڈ کر دی گئی اور چھ سو پونڈ تک کی آمدنیوں پر تخفیفات کی مقداریں بھی گھٹا دی گئیں۔

۱۸۷ اہل زمانے میں ذریعہ فراہم جانی ہوئے سے قیمتیں بہت چڑھ گئی تھیں اور اس کی وجہ سے اجرتیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اب جو معدا استثنا لکھا وہی گئی تو جسمانی محنت کر کے اجرت کمانے والوں کی کثیر تعداد انکم ٹکس کی مدد کے اندر داخل ہو گئی اور ہر تھامہ ہی پر ان لوگوں کی آمدنیاں ٹکس کرنے کے لیے خاص انتظامات کرنے پڑے۔ ۱۹۱۰ء میں جسمانی محنت کر کے اجرت کمانے والوں کی آمدنیاں یہ قدر ۲۰۰ ملین پونڈ شخص کی گئیں اور ۱۹۲۰ء میں وہ ۸۰۰ ملین پونڈ سے بھی زیادہ ہو گئیں۔ لیکن حال میں چند سال سے قیمتیں اور اجرتیں ان بلند سطحوں سے جہاں وہ افراد اجراء کے دوران میں پہنچ گئی تھیں، گر گئی ہیں اور اسی وجہ سے ان آمدنیوں کی مقدار بھی گھٹ کر پچھلے ۲۰۰ ملین پونڈ سے کچھ زیادہ رہ گئی ہے۔ طریق تخفیف کی وجہ سے ان آمدنیوں کے پانے والے ٹکس کی جو واقعی مقدار ادا کرتے ہیں وہ تھوڑی ہے۔ اگر ہمارے انکم ٹکس کے اہل حصے کا مقابلہ جرمنی کے اسی حصے سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جرمنی میں اجرت کمانے والوں کی اکثریت انکم ٹکس کے تابع ہے۔ اور اس ٹکس کی مجموعی آمد کا خاصا بڑا جزو یہ لوگ مہیا کرتے ہیں۔ دونوں ملکوں میں اجرتوں پر کامیابی کے ساتھ انکم ٹکس لگانے کا انحصار آجروں کی اعداد اور ذمہ داری پر ہے۔ انگلستان میں آج ضروری سطحات مہیا کرتے ہیں اور جرمنی میں تو وہ اجرت سے ٹکس کی مقدار وضع کر لیتے ہیں اور وضع شدہ مقدار کے مطابق اسٹامپ چسپاں کر دیتے ہیں۔

ایک اور اہم تبدیلی جو مسٹر میکینا نے آغاز کی یہ تھی کہ قبضہ زمین سے جو منافع حاصل ہو، اس پر انکم ٹکس لگانا شروع کیا۔

جب سے انکم ٹکس کی ابتدا ہوئی، اسی وقت سے زرعی منافعوں کی تخفیف کا (شد دل ب) ہمیشہ یہ دستور رہا کہ ٹکس اصلی منافع پر نہیں بلکہ لگان کے ایک فرضی جزو پر لگایا جاتا تھا۔ یہ جزو بہ قدر ایک ہتائی مقرر تھا۔ لیکن اس طو پر جو مقدار چلتی تھی، وہ اکثر و بیشتر صورتوں میں اصلی منافع سے بہت کم ہوتی تھی اور یہ کمی چنگ کے دوران میں قیمتیں بڑھ جانے سے اور بھی زیادہ نمایاں ہو گئی تھی۔ کیونکہ قیمتوں کے اس اضافے کا اثر نہ تو لگان کی حقیقی مقداروں پر پڑا تھا اور نہ زمینوں کی اس مالیت پر جو بحساب لگان انکم ٹکس کے اغراض

کے لیے کی جاتی تھی۔ سرٹیکینا کی تجویز کے مطابق منافع کل لگان کے مساوی سمجھا جانے لگا نہ کہ صرف ایک ہائی لگان کے۔ لیکن کسان کو ہمیشہ سے یہ حق حاصل تھا اور وہی اب بھی برقرار رہا کہ اس کا ٹکس حقیقی منافع کی بنا پر دین سالہ اوسط کے حساب سے مشخص کیا جائے بشرطیکہ وہ مفصل حساب کتاب رکھے لیکن بہت کم کسانوں نے اپنے اس اختیار سے کبھی فائدہ اٹھایا۔ ۱۹۱۱ء میں زرعی منافع کی تشخیص میں اضافہ کر کے اسے لگان کے دوچند قرار دیا گیا۔ لیکن ۱۹۲۲ء میں جب قیمتوں کا عارضی اضافہ ناپید ہو گیا تو پھر اسے لگان کے ہم قدر قرار دیا گیا۔

۱۹۱۵ء کی تمام تدبیروں میں سب سے زیادہ قابل لحاظ محصول منافع زائد کی تدبیر تھی۔ ہر کاروبار کے متعلق یہ دیکھا جاتا تھا کہ جنگ کے پہلے اس کا سالانہ منافع یہ اغراض انکم ٹکس کس قدر مشخص کیا گیا تھا۔ اب جو منافع اس مقدار سے زائد حاصل ہوا، اس پر یہ محصول لگایا جاتا تھا۔ ٹکس ادا کرنے والے کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ۱۹۱۱-۱۹۱۳ء ان تین سالوں میں سے جو سب سے زیادہ نفع بخش سال ہو، اسی کو اس غرض کے لیے منتخب کرے۔ اب رہے وہ کاروبار جو ۱۹۱۵ء کے بعد سے جاری کیے گئے ہوں، ان کے متعلق یہ فرض کر لیا گیا کہ انھیں اپنے سرمائے پر کسی مجوزہ شرح کے حساب سے منافع حاصل ہو رہا ہے اس طور پر حساب کرنے سے جو زائد منافع برآمد ہوتا، اس پر ۵۰ فی صدی محصول لیا جاتا تھا۔ بعد ازاں یہ شرح ۱۹۱۶ء میں ۶۰ فی صدی اور ۱۹۱۷ء میں ۸۰ فی صد تک بڑھا دی گئی۔

یہ ٹکس کئی وجوہ سے نکتہ چینی کے قابل تھا۔ اول تو وہ کاروبار کے زائد منافع پر عائد ہوتا تھا نہ کہ ٹکس ادا کرنے والے کی زائد آمدنی پر۔ گویا یہ ممکن تھا کہ کسی شخص کو محصول منافع زائد ادا کرنے والے کسی کاروبار سے اپنی آمدنی کا کوئی جزء حاصل ہو رہا ہے اور ساتھ ہی دوسرے ذرائع گھٹ جانے کے باعث اس کی آمدنی درحقیقت پہلے سے کم ہو گئی ہو۔ مزید برآں ملکی پیشوں کی فیس یا تنخواہوں کی شکل میں جو آمدنیاں حاصل ہوتی تھیں ان کے اضافے اس محصول سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔ محصول منافع زائد ادا کرنے والے کاروبار کو بلاوجہ

اپنے مصارف بڑھانے کی ترغیب ہوتی تھی۔ مثلاً یہ ممکن تھا کہ کوئی شخص اشتہاروں پر مزید دس ہزار پونڈ خرچ کر دے یا تجدید یا توسیع کی بعض ایسی تدبیروں پر خرچ کرے جو انکم ٹکس کے اغراض کے لیے تو چالو اخراجات میں شمار ہو سکیں لیکن جن سے درحقیقت کاروبار کی کارگزاری میں اضافہ ہو جائے۔ اب ایسا شخص بہ قدر آٹھ ہزار پونڈ محصول منافعہ زائد سے، اور بقیہ دو ہزار پونڈ پر انکم ٹکس دینے ۱۸۹

اگر وہ دولت مند تھا تو زائد ٹکس ادا کرنے سے بچ سکتا تھا۔ گویا صرف ڈیڑھ ہزار پونڈ خرچ کر کے یا اس سے بھی کم صرفہ سے وہ دس ہزار پونڈ کے ہم قدر اخراجات اپنے کاروبار کے لیے مہیا کر سکتا تھا۔ مختصر یہ کہ اس ٹکس کے عملدرآمد میں متضاد باتوں کا پیدا ہونا، مشکلات کا پیش آنا اور نا انصافیوں کا نمودار ہونا لازمی تھا۔

گران تمام باتوں کے باوجود اس وقت کے حالات میں وہ آمدنی کا ایک بہت قابل قدر ذریعہ تھا۔ چھ سال تک اس پر عملدرآمد جاری رہا اور اس عرصے میں تقریباً ۲۰۰ ملین پونڈ اس سے حاصل ہوئے۔ اس میں سے کوئی نصف رقم توجنگ کے دوران میں وصول ہوئی اور بقیہ نصف انتہائی مالی تنگی کے ایام میں جو جنگ کے بعد ہی شروع ہوئے۔ یہ زمانہ متواتر اور روز افزوں افراطِ اجرائے زر کا زمانہ تھا اور قیمتیں چڑھ جانے سے غیر معمولی منافع تجارت پیشہ اشخاص کے ہاتھ لگ رہا تھا۔ لوگ منافعہ بازوں کی خوش حالی سختی سے نکتہ مبہنی کر رہے تھے اور معاشرتی نقطہ نظر سے واقعی یہ حالت خلاف انصاف تھی۔ لیکن یہ خوش حالی خود ان اشخاص کی حرص و طمع کا نتیجہ نہ تھی بلکہ وقتی حالات کی بدولت وہ ان پر زبردستی نازل ہو گئی تھی۔ محصول منافعہ زائد نے ایک تو اس نا انصافی میں براہ راست تخفیف کی، دوسرے اس کی بدولت ایک ایسا ذریعہ آمدنی مہیا ہو گیا جو حصول زر کے ان طریقوں کا جو افراطِ اجرائے زر پر مبنی ہوتے ہیں تنہا بدل تھا۔

اس کے بعد تین اور موازنے اٹھائے جنگ میں پیش ہوئے: ایک ۱۸۹۱ء میں دوسرا ۱۹۱۱ء میں اور تیسرا ۱۹۱۵ء میں۔ متواتر اضافوں کی بدولت ٹنکر کا محصول ۲۵ شلنگ ۸ پینس فی ہنڈر ڈویسہ (۲۵ پینس فی پونڈ) تک اور تباکو کا محصول ۸ شلنگ ۲ پینس فی پونڈ تک پہنچ گیا۔ نئے بالواسطہ محصول بھی لگائے گئے مثلاً

تفریحات کا محصول اور دیاسلائی کا محصول۔ ۱۹۱۵ء کے بعد سب سے پہلی مرتبہ ۱۹۱۸ء میں الکھل والے مشروبات کے محاصل بڑھائے گئے۔ پیر شراب کا محصول ۱۹۱۵ء میں ۷ شلنگ ۹ پینس سے بڑھا کر ۲۵ شلنگ فی بیرل کر دیا گیا تھا۔ لیکن جہاں تک اسپرٹ والی شرابوں کا تعلق ہے ان پر چودہ شلنگ نو پینس فی گیلن کا جو محصول جنگ سے پہلے موجود تھا وہ الکھل کے جزد کی نسبت سے پیر کے محصول سے بہت زیادہ تھا۔ اور ۱۹۰۹ء میں یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ محصول میں اضافہ کرنے کی وجہ سے مجموعی آمدنی پہلے سے گھٹ جاتی ہے۔ لہذا اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ اسپرٹ کی شرابوں پر ٹیکس لگا کر نفع حاصل کرنے کی انتہائی حد پر پہنچ گئی ہے۔ چنانچہ ۱۹۱۸ء تک ان پر کوئی مزید محصول نہیں لگایا گیا۔ بجز اس کے کہ غیر پختہ اسپرٹ کی شرابوں کے خلاف کچھ امتیاز کیا گیا جس سے تحریک اعتدال پسندی کی حمایت مقصود تھی۔

لیکن ۱۹۱۱ء میں حالات بالکل بدل گئے تھے۔ اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ شراب کشی میں اناج کا استعمال بہت گھٹا دیا جائے تاکہ اشیائے خوراک کفایت سے استعمال کی جاسکیں۔ لہذا اسپرٹ کی پیداوار بہر صورت اس کی طلب کا ساتھ نہیں دے سکتی تھی اور اس لیے اضافہ محصول کا یہ اثر کہ اس کی بدولت طلب رگ جائے گی، ایک مدت تک نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔

مزید برآں زربہ افراط جاری ہونے سے اس کی قوت خرید بہت گھٹ گئی تھی۔ قیمتوں کی سطح دگنی بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ بلند ہو گئی تھی۔ چودہ شلنگ نو پینس کا محصول اصلی دولت کی شکل میں قبل جنگ کے سات شلنگ سے زیادہ نہیں تھا۔ لہذا محصول دگنا کر دیا گیا لیکن اس وقت کا لحاظ کرتے ہوئے جبکہ قدیم محصول عائد کیا گیا تھا، یہ تیس شلنگ کا نیا محصول درحقیقت اس کے برابر ہی سمجھا جاسکتا ہے۔

یہی خیالات پیر کے متعلق بھی صحیح تھے بلکہ اس صورت میں وہ اور زیادہ قوی ہو گئے تھے کیونکہ یہاں یہ فرض کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی کہ ۱۹۱۵ء کا محصول پیداوری کی انتہائی حد پر پہنچ گیا ہے۔ لہذا وہ محصول بھی دگنا کر دیا گیا اور فی بیرل پچاس شلنگ کا نیا محصول پچیس شلنگ کے محصول سے جس وقت کہ وہ

ماند کیا گیا تھا، زیادہ گراں بار نہ تھا۔

محصول سنا فغذرا اند میں جو متواتر اضافے ہوئے، ان کا حال ہم پہلے ہی معلوم

کر چکے ہیں۔

انکم ٹکس ۱۹۱۶ء میں پانچ شلنگ تک بڑھا دیا گیا اور ساتھ ہی ۲۵۰ پونڈ سے نیچے کی آمدنیوں کے لیے تخفیفات کا ایک سچیدہ پیمانہ تیار کیا گیا (ملاحظہ ہو صفحہ ۵۷ نوٹ) ۱۹۱۶ء میں یہ شرح چھ شلنگ گردی گئی اور زائد ٹکس میں بھی اضافہ کیا گیا۔ اثنائے جنگ کے متواتر موازنوں کا عام اثر اس مقدار آمدنی سے ظاہر ہوتا ہے جو مختلف ٹکسوں سے سال بہ سال حاصل ہوئی۔

سال	ٹکس والی آمدنی	بے ٹکس آمدنی	میزان (ملین پونڈ میں)
۱۹۱۳-۱۴ء	۱۶۳۶۰	۳۵۶۲	۱۹۸۲
۱۹۱۴-۱۵ء	۱۸۹۵۳	۳۷۶۴	۲۲۶۱۷
۱۹۱۵-۱۶ء	۲۹۱۶۰	۴۵۶۸	۳۳۶۶۸
۱۹۱۶-۱۷ء	۵۱۴۵۱	۵۹۶۳	۵۷۳۶۴
۱۹۱۷-۱۸ء	۶۱۳۶۰	۹۳۶۲	۷۰۷۶۲
۱۹۱۸-۱۹ء	۷۸۴۵۳	۱۰۴۶۷	۸۸۹۶۰

باوجود اس کے ۱۹۱۸-۱۹ء میں ۱۹۸۸ ملین پونڈ اور ۱۹۱۹-۲۰ء میں ۱۹۰۹ ملین پونڈ

قرضہ لینے سے لگ محفوظ نہ رہ سکا۔

ٹکس جو جنگ کے بعد لگائے گئے

۲۸ جون ۱۹۱۹ء کو جرمنی کے ساتھ صلح نامے پر دستخط ہو گئے۔ لیکن پھر بھی ۱۹۱۹-۲۰ء پر بہت زبردست بوجہ موجود تھا جو کچھ تو جنگی ذمہ داریوں پر اور کچھ ان عظیم الشان مصارف پر مشتمل تھا جو فوجوں کو برخواست کرنے اور ملک کو دوبارہ شیک منشا کرنے میں لاحق ہوئے ہیں۔ اپریل ۱۹۱۹ء میں کیفیت موازنہ کے اندر مصارف کا پیش اندازہ یہ قدر ۱۴۳۴ ملین پونڈ کیا گیا۔ اور واقعی خسرج

۱۶۶۶ء میں پونڈ ثابت ہوا۔ دوسری طرف بے ٹکس محاصل کے زیر عنوان ایک بہت بڑی رقم حکومت کے کثیر اثاثوں کی فروخت سے وصول ہوئی۔ اثنائے جنگ میں صنعت و حرفت تجارت اور نقل و حمل کی تقریباً ہر شاخ پر حکومت کا تسلط ہو جانے سے یہ تمام اثاثے اس کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ اس مد سے ۲۱۰ ملین پونڈ کا پیش اندازہ کیا گیا تھا لیکن دراصل اس سے ۲۶۵ ملین پونڈ دستیاب ہوئے۔ لیکن پھر بھی ۳۰۰ ملین پونڈ کے خالص خرچ کی محض مداخل سے سربراہی نہیں کی جاسکتی تھی۔

موجودہ ٹکسوں کی آمدنی بڑھ رہی تھی۔ ۱۹۲۰-۱۹ء میں ان پر عملدرآمد شروع ہوئے پورا ایک سال جو چکا تھا۔ قیتمیں بھی پہلے سے اور زیادہ چڑھ گئی تھیں۔ ہندو ٹکسوں میں مزید اضافے کا اندکے گئے۔ اسپرٹ کا محصول فی گیلن میں شلنگ سے پچاس شلنگ اور پیر کا محصول فی ریل پچاس شلنگ سے ستر شلنگ کر دیا گیا۔ پندرہ ہزار پونڈ کے اور پروالی تمام جائیدادوں پر محصول جائیداد بڑھا دیا گیا اور دو ملین پونڈ سے تجاوز جائیدادوں پر تو وہ ۳۰۰ فی صدی تک پہنچ گیا۔

اس کے برعکس محصول منافع زائد کو گھٹا کر ۸ سے ۳۰ فی صدی کیا گیا۔ اس محصول سے ہر سال کوئی ۳۰۰ ملین پونڈ وصول ہو رہے تھے لیکن اس تخفیف سے صرف ۵۰ ملین پونڈ نقصان کی توقع کی گئی۔ جنگی منافع اب ایک گئی گزری بات تھے اور قیمتوں کے گرنے اور کاروبار سست پڑ جانے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ مگر چونکہ یہ محصول جس سال کے منافع پر مشتمل کیا جاتا ہے اس کے ختم ہونے کے ایک کافی طویل وقفے کے بعد عملاً وصول کیا جاتا ہے اس لیے مداخل کے نقصان کا کوئی اثر ۱۹۲۰-۱۹ء پر نہ پڑتا۔

ان تمام تدبیروں کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قدر ۹۹۸۹۶۰۰۰ پونڈ محاصل ٹکس سے وصول ہوئے یعنی ۱۹۱۹-۱۹ء کے محاصل ٹکس سے یہ قدر ۲۰۰ ملین پونڈ اور موازنے کے پیش اندازے سے یہ قدر ۶۰ ملین پونڈ تجاوز ہو گئے۔ افراط اجرائے زر کے پھر قدم جم گئے تھے اور قیمتیں پھر تیزی کے ساتھ چڑھ جانے سے ٹکس کی پیداوار بہت بڑھ گئی تھی۔

۱۹۲۰ء کا موازنہ افراط اجرائے انتہائی حالت میں پیش کیا گیا۔

انگلستان بنک کی شرح اسی وقت ۷ فی صدی تک بڑھادی گئی تھی لیکن صورت حال صاف بتلا رہی تھی کہ حکومت کو اپنا خرچ بذریعہ ٹکس چلانا چاہیئے۔ چنانچہ پیر اور Spirits کے محصولوں میں اور اضافہ کیا گیا اور پہلے کی شرح فی بیل سولنگ اور دوسرے کی فی گیلن ۲ ۱/۲ شلنگ چھ پنس تک پہنچ گئی۔ محصول منافع زائد ۴۴ سے ۶۰ فی صدی کر دیا گیا۔ زائد ٹکس کی شرحیں بلند کی گئیں۔ نیز شراب اسٹاپ اور موٹروں کے محصولوں میں اضافے کیے گئے۔

یہ دیکھ کر کہ محصول منافع زائد ایک غیر معمولی اور عارضی نوعیت کا ٹکس ہے، یہ ضروری سمجھا گیا کہ آئندہ کے لیے اس کی جگہ پر ایک زیادہ مستقل ٹکس مہیا کیا جائے۔ ۱۹۳۳ چنانچہ محصول منافع کمپنیاں کی شکل میں ایسا ٹکس دستیاب ہو گیا۔ یہ ٹکس ہر محدود ذمہ داری والے کاروبار پر بہ شرح ایک شلنگ فی پونڈ مقرر کیا گیا۔

مصارف جنگ کی سہرا ہی کے لیے ٹکسوں میں جو اضافے کیے گئے، وہ ۱۹۲۱-۲۲ء میں اپنی انتہائی بلندی پر پہنچ گئے اور اسی سال ان کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ غیر معمولی مصارف اب بھی جاری تھے۔ مگر دوسری طرف خاص محاصل بھی مل رہے تھے جو حکومت کے اثنائے جنگ میں حاصل کیے ہوئے وسیع اثاثوں سے نیز مختلف دوسرے وسائل سے حاصل ہو رہے تھے اور ان دونوں مدوں میں عملاً توازن سا پیدا ہو گیا تھا۔ ٹکس کے محاصل اپنی انتہائی مقدار یعنی ۲۵۰۰۰۰۰ ۱۰ پونڈ پر پہنچ گئے۔

جنگ کے بعد والے دو سال یعنی ۱۹۲۰-۲۱ء اور ۱۹۲۱-۲۲ء کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ان میں مالیاتی مسلک کے اندر چند قابل ذکر تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔

ایک یہ کہ ۱۹۲۰ء میں انکم ٹکس میں تخفیفات کا طریقہ بالکل نئی طرز پر قائم کیا گیا اور اس میں سادگی پیدا کی گئی۔

۱۹۲۰ء سے پہلے یہ قاعدہ تھا کہ چھوٹی آمدنیوں پر (یعنی ۷۰۰ پونڈ تک) تخفیفات کی اجازت تھی اور اس کی یہ صورت تھی کہ آمدنی کا ایک خاص حصہ ٹکس کے عمل سے خارج رہتا تھا۔ چنانچہ چار سو پونڈ تک کی آمدنی والے صرف ۶۰ پونڈ سے

متجاوز حصے پر ٹکس ادا کرتے تھے، چار سو اور پانچ سو پونڈ کے درمیان والے ۵۰ پونڈ سے متجاوز حصے پر پانچ سو اور چھ سو پونڈ کے درمیان والے ۱۲۰ پونڈ سے متجاوز حصے پر اور چھ سو اور سات سو پونڈ کے درمیان والے ۲۰۰ پونڈ سے متجاوز حصے پر۔ یہ طریقہ انتظامی سہولت کی وجہ سے اختیار کیا گیا تھا۔ انکم ٹکس کا بڑا حصہ "ماخذ پر وضعات" کے ذریعے سے جمع کیا جاتا ہے۔ لگان، سود، مقسوم اور بعض حالات میں تنخواہوں کی رقیں، یہ سب ٹکس وضع کر لینے کے بعد لوگوں کو ادا کی جاتی ہیں۔ ٹکس یکساں شرح سے وضع کیا جاتا ہے اور اکثر صورتوں میں تخفیفات کا عمل یوں ہوتا ہے کہ ٹکس کی پہلے سے وضع شدہ رقم بعد کو واپس کر دی جاتی ہے۔ اب عملہ درآمدیں اس طریقے کی سادگی واضح ہے کیونکہ تخفیف کی رقم کا انحصار ٹیکس مقدار آمدنی پر نہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ آمدنی چند وسیع حدود کے مابین واقع ہوئی ہے۔

۱۹۰۷ء میں ایک نئی بات یہ اختیار کی گئی کہ کمائی آمدنیوں پر جو ۲۰۰ پونڈ سے متجاوز نہ ہوں، (صفحہ ۵۷) تخفیف عطا کرنے کے لیے ادنیٰ شرح ٹکس کی صورت اختیار کی گئی۔ ۱۹۱۳ء میں ۲۵۰ پونڈ تک کی کمائی آمدنیوں کے لیے ایک تدریجی پیمانہ اختیار کیا گیا۔

اشنائے جنگ میں انکم ٹکس میں اضافے ہوتے رہے اور یہی طریقہ برقرار رہا لیکن غمیدہ کمائی آمدنیوں کے لیے جو پانسو اور دو ہزار پونڈ کے مابین ہوں تدریج بذریعہ تخفیفات کے علاوہ تدریج بذریعہ شرح کا بھی عمل ہونے لگا۔ اس کا پیمانہ صفحہ ۵۷ پر بتایا گیا ہے۔ مزید براں خود تخفیفات میں بھی کمی کر دی گئی۔

تخفیف کی ایک اور شکل ۱۹۰۹ء میں جاری کی گئی تھی، اور وہ یہ تھی کہ ہرزیر پرورش بچے کے لیے قابل ٹکس آمدنی میں سے دس پونڈ کم کر دیے جاتے تھے۔ اس مقدار میں تدریج اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۹ء میں پہلے بچے کے لیے چالیس پونڈ اور باقی ہر بچے کے لیے تیس پونڈ کم کیے جانے لگے اور دوسرے زیر پرورش متعلقین کے لیے بھی اس کا عمل ہونے لگا۔ اس تخفیف کا اطلاق پانچ سو پونڈ تک کی آمدنیوں پر ہوتا تھا ۱۹۱۶ء میں یہ حد سات سو پونڈ تک بڑھادی گئی۔

۱۹۲۰ء کے قانون مالیات کی اہم اصلاحات نے ان پیچیدہ پیمانوں کا خاتمہ کر دیا جن کے مطابق تحقیقات کا انحصار آمدنی کی مقدار پر ہوتا تھا۔ اس کے بجائے ہر ٹیکس ادا کرنے والے کے لیے خواہ اس کی کچھ ہی آمدنی ہو، ایک معینہ رقم یعنی ۳۵ پونڈ کی تخفیف منظور کی گئی اور اس کے علاوہ ایک بیوی کے لیے نوے پونڈ پہلی اولاد کے لیے ۳۶ پونڈ اور بعد کی ہر اولاد کے لیے ستائیس پونڈ کی مزید تخفیف منظور ہوئی۔ اور ان میں سے کسی صورت میں مقدار آمدنی کا کوئی لحاظ نہیں کیا جانے لگا۔ ان تخفیفات کی رقم کھانے کے بعد جو آمدنی بچے، اس پر پہلے ۲۲.۵ پونڈ کی حد تک نصف معیاری شرح سے اور بقیہ پر سالم معیاری شرح سے ٹیکس لیا جانے لگا۔

کمانی آمدنیوں کی خاطر پہلے جو شرح ٹیکس میں فرق کیا جاتا تھا، اس کے بجائے اب کمانی آمدنی کے دسویں حصے کے برابر تخفیف کی جانے لگی بشرطیکہ ایسی آمدنی پندرہ سو پونڈ سے متجاوز نہ ہو۔

۱۹۵

یکساں تخفیفات کے اس طریقے سے انتظام میں سادگی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اب مجموعی آمدنی دریافت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اور ہر نوٹ پر شرح ٹیکس میں تدریج کا اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن جیسے جیسے ادینیاں بڑھنے لگتی ہیں شرح میں تدریج کا اثر کمتر ہوتا جاتا ہے۔ مثلاً اگر دس ہزار پونڈ کی آمدنی پر چند سو پونڈ کے تخفیفات دے دیے جائیں تو اس سے شرح ٹیکس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اعلیٰ آمدنیوں میں تدریج کا اثر زائد ٹیکس کے ذریعے سے پیدا کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے مسٹر لائڈ جارج نے اپنے ۱۹۰۹ء کے مشہور موازنے میں زائد ٹیکس کی تجویز پیش کی جو دارالامرا نے مسترد کر دی۔ لیکن دستور پر ایک نازک مرحلہ گزرنے کے بعد وہ منظور ہو گئی۔ اس وقت اس ٹیکس کا اطلاق صرف ان آمدنیوں پر ہوتا تھا جو سالانہ پانچ ہزار پونڈ سے زائد ہوتی تھیں اور وہ بحساب چھپن فی پونڈ زائد ٹیکس کے طور پر صرف اس حصہ آمدنی پر لگایا جاتا تھا جو تین ہزار پونڈ سے متجاوز ہوتا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں جنگ سے پہلے جو آخری موازنہ پیش ہوا، اس میں تین ہزار پونڈ سے زائد تمام آمدنیوں پر یہ ٹیکس لگایا گیا اور وہ اس طور پر کہ ڈھائی ہزار پونڈ سے

مجاوز آمدنیوں کے لیے حسب ذیل تدریجی چمانہ بنایا گیا۔ پہلے پانچ سو پونڈ پر ۵ پنس فی پونڈ اس کے بعد والے ایک ہزار پونڈ پر ۷ پنس فی پونڈ اس کے بعد والے ایک ایک ہزار پونڈ پر بہ ترتیب ۱۱، ۱۳، ۱۵ پنس فی پونڈ اور بقیہ یعنی ۱۷ لاکھ ۱۷ ہزار پونڈ پر ۱۶ پنس فی پونڈ۔ نومبر ۱۹۱۴ء میں جو جنگی موازنہ پیش ہوا تو ان شرحوں میں بہ قدر ایک تہائی اضافہ کیا گیا اور ۱۹۱۵ء میں یہ شرحیں لگائی ہوئیں۔ ۱۹۱۵ء میں تدریج کا طریقہ دس ہزار پونڈ تک پھیلا دیا گیا اور انتہائی شرح ۳ شلنگ ۶ پنس تک پہنچ گئی۔ ۱۹۱۶ء میں وہ ڈھائی ہزار پونڈ سے زائد آمدنیوں پر عائد کیا گیا اور تدریجی چمانے کا اطلاق دو ہزار پونڈ سے زائد پر ہونے لگا۔ پہلے پانسو پونڈ پر فی پونڈ ایک شلنگ سے شروع ہو کر اس کی شرح دس ہزار پونڈ سے مجتاوز آمدنیوں پر فی پونڈ چار شلنگ چھ پنس تک پہنچ گئی۔

۱۹۲۰ء کے قانون مالیات کی بدولت سات ہزار پونڈ تک کی آمدنیوں پر شرح ٹکس میں ۶ پنس کا اضافہ کیا گیا اور سات ہزار سے دس ہزار پونڈ تک کی آمدنیوں پر ایک شلنگ کا۔ آٹھ ہزار سے بیس ہزار پونڈ تک شرح ٹکس (چائے ۴ شلنگ اور پھر ۴ شلنگ ۶ پنس کے) پانچ شلنگ تھی، بیس ہزار سے تیس ہزار پونڈ تک ۵ شلنگ ۶ پنس اور تیس ہزار پونڈ سے مجتاوز آمدنی پر ۶ شلنگ پس جس وقت انکم ٹکس کی شرح ۶ شلنگ تھی، اس وقت تیس ہزار پونڈ سے مجتاوز آمدنیوں پر بارہ شلنگ فی پونڈ یا ۶ فی صدی ٹکس لیا جا رہا تھا۔

۱۹۲۰ء کے موازنے کا ایک اور قابل لحاظ واقعہ یہ ہے کہ شہور مالیت زمین کے محصول منسوخ کر دیے گئے۔ ۱۹۱۰ء کی دستور جی ٹیکس کا سب سے نمایاں سبب یہی محصول تھے۔ (ملاحظہ ہو صفحات ۱۳۲-۱۳۳) ان محصولوں کی وجہ سے یہ ضرورت پیش آئی کہ گراں مصارف برداشت کر کے جامع طور پر سلطنت کی تمام زمین کی مالیت و دیانت کی جائے۔ اور اس کے علاوہ بے شمار قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے ٹکس جمع کرنے کا خرچ بڑھ گیا اور اس کی پیدا آوری گھٹ گئی۔ اب یہ محصول نہ صرف منسوخ کیے گئے بلکہ ان کے دس سالہ عملدرآمد میں جو رقمیں وصول ہوئیں تھیں، وہ ٹکس ادا کرنے والوں کو واپس دے دی گئیں۔ البتہ

معدنی حقوق کا محصول اس تسبیح میں نہیں شامل کیا گیا کیونکہ وہ دراصل معدنی آمدنیوں پر عائد کیا جاتا ہے۔

یہ اہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ ۱۹۱۵ء میں پہلی حکومت متفقہ نے بعض تائینی محصول جاری کیے تھے۔ اب دوسری حکومت متفقہ نے اس اصول کو اور آگے بڑھایا۔

پہلی بات تو یہ کہ شاہی ترجیح کا اصول ۱۹۱۹ء میں شروع کیا گیا۔ برطانوی شہنشاہی کی پیداواروں پر ممالک غیر کی پیداواروں کے مقابلے میں ادنیٰ شرح سے محصول لگانا قرار پایا۔ ترجیح کا اطلاق شکر، چائے، اور تباکو جیسے بڑے بڑے مالی محصولوں پر کیا گیا اور ۱۹۱۵ء کے تائینی محصولوں سے تو بڑھانوسی شہنشاہی کی پیداواریں پورے طور پر مستثنیٰ کی گئیں۔ برطانیہ میں کوئی عام محصول یا تائینی طریق تو مروج تھا، انہیں اس لیے جس ترجیح کا اس طور پر آغاز کیا گیا کہ وہ بالحاظ اپنے نتائج کے کوئی باقاعدہ چیز نہ تھی۔ اس کا فائدہ تقریباً پورے طور پر صرف چند برطانوی مقبوضات کے حصے میں آیا جن کا مفاد شکر سے وابستہ تھا اور جن کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی۔ چائے کی ترجیح کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ کیونکہ پہلے ہی سے اس کی رسد کا بہت بڑا حصہ ہندوستان اور سیلون سے آتا تھا۔ دوسرے یہ کہ چینی چائے اور ہندوستانی چائے کے درمیان خاصیت اور قیمت کا فرق بہت نمایاں تھا۔

۱۹۲۱ء کے قانون محافظت صنعت کی شکل میں گویا تائین کی ایک اور قسط پیش کی گئی۔ اس کی بدولت بعض ایسی اشیاء پر تائینی محصول لگائے گئے جن کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ وہ خاص سلوک کی مستحق ہیں۔

سب سے پہلے کلیدی صنعتوں کی پیداواریں اس کے تحت آئیں۔ یہ وہ پیداواریں تھیں جن کی رسد کے لیے بیرونی ذرائع پر انحصار کرنا ملک کے مفاد کے لیے نامناسب خیال کیا گیا۔ اس کی یا تو یہ وجہ تھی کہ ایسی پیداواریں جنگ کے زمانے میں درکار ہوتی ہیں یا یہ کہ کسی اور بہت بڑی صنعت کا کام جاری رکھنے کے لیے ان کا موجود ہو نا ضروری ہے۔

دوسرے بعض ایسی صورتیں پیدا ہو گئی تھیں کہ ہمارے بیرونی حریف اپنے زر کے اتار سے مسابقت میں بیجا فائدہ اٹھا رہے تھے کیونکہ اس کی وجہ ان کے مصارف پیدایش انگلستان کے مقابلے میں گھٹ گئے تھے۔ دائرے ہوئے زر کا محصول)۔

تیسرے یہ اختیار حاصل کیا گیا کہ بعد کو یہ ثابت ہوا کہ یہ اختیار کبھی استعمال ہی نہیں ہوا کہ باہر سے جو اشیاء بھرا کی جائیں (یعنی وہ اشیاء درآمد جو مصارف سے کم قیمت پر فروخت ہوں) ان پر محصول لگائے جائیں۔

ملکس کی معافیاں (۱۹۲۱-۱۹۲۵ء)

۱۹۲۱ء میں جو ملکس لگائے گئے، وہ ایک غیر معمولی کوشش کا نتیجہ تھے۔ کوئی ۲۳۰ ملین پونڈ کا حقیقی سرہ حاصل حکومت کے ہاتھ لگا۔ اور اس سے قرضے کی تخفیف کا کام لیا گیا۔ افراط اجراء مالیات کا اب خاتمہ ہو رہا تھا۔ ۱۹۲۵ء کے موسم بہار میں تحدید اعتبار کا کامیابی کے ساتھ آنا ز کیا گیا تھا لیکن اب وہ تدبیر ایسی سخت ثابت ہونے لگی کہ شکل سے اس کی کوئی مثال ملتی ہے۔ اشیاء کی قیمتیں یک نخت گر گئیں اور کساد بازاری کا دور شروع ہوا۔

۱۹۲۲-۲۱ء میں محصول منافعہ زائد منسوخ کیا گیا، لیکن کوئی اور اہم رعایت ملکس ادا کرنے والوں کے ساتھ نہیں کی گئی۔ حقیقت میں خود محصول منافعہ زائد کی خوبی زائل ہو چکی تھی۔ کیونکہ قیمتیں گرنے سے منافعہ زائد نا پیدا ہو رہا تھا۔ بعض کاروبار جو محصول منافعہ زائد ادا کر چکے تھے، بعد کو انہیں اتنے نقصانات اٹھانے پڑے کہ وہ محصول واپس پانے کے مستحق قرار دیے گئے۔ محصول کو ختم کرنے کا عمل کئی سال تک جاری رہا اور ایک سے زائد مرتبہ تو ایسا اتفاق ہوا کہ واپسیوں کی رقم وصول شدہ بقایا کی رقم سے بڑھ گئی، گویا اس محصول کی پیداوری ایک منفی مقدار کے برابر تھی۔

۱۹۲۲ء کے موازنے میں کچھ معمول کے حالات نظر آنے شروع ہوئے۔

اور جنگی ٹکسوں کی معافیوں کا دراصل آغاز ہوا۔ چنانچہ انکم ٹکس کی شرح فی پونڈ ۶ شلنگ سے گھٹ کر پانچ شلنگ (۱۹۲۲ء) ساڑھے چار (۱۹۲۳ء) اور چار شلنگ (۱۹۲۵ء) تک پہنچ گئی۔ چلے کا محصول ایک شلنگ فی پونڈ سے گھٹ کر ۸ پنس (۱۹۲۲ء) اور پھر ۴ پنس (۱۹۲۳ء) ہو گیا۔ شکر کا محصول ۲۵ شلنگ ۸ پنس فی ہنڈرو ویسٹیم ۲ پنس فی پونڈ سے گھٹ کر ۱۱ شلنگ ۸ پنس (۱۹۲۳ء) ۸ پنس فی پونڈ ہو گیا۔

بیر شراب کا محصول بھی گھٹا دیا گیا اور اس طور پر گھٹایا گیا کہ ملکی شرابوں کو زیادہ فائدہ پہنچے۔ موجودہ محصول بحساب ۵ پونڈ فی معیاری بیرل قائم رہا۔ معیاری بیرل ایک ایسا پیمانہ ہے جس کا انحصار خود بیر کی مقدار پر نہیں بلکہ اس کے اندر الکوہل کی مقدار پر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک "بلک بیرل" میں ۳۶ گیلن شراب سمائی ہے مگر اس پر جو محصول لگایا جائے گا وہ اسی نسبت سے جو اس کے الکوہل کی مقدار اور معیاری بیرل کے الکوہل کی مقدار میں قائم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ملکی بیر پر ۵ پونڈ فی بلک بیرل سے بہت کم محصول ادا کیا جائے گا۔ ۱۹۲۳ء میں جو مہنہائی منظور کی گئی، اس نے یہ صورت اختیار کی کہ مقدار محصول سے فی بلک بیرل بیس شلنگ وضع کیے جانے لگے (بہ شریکہ شرح محصول ۲۴ شلنگ فی بلک بیرل سے نیچے نہ اتر جائے)۔

محصول تقریحات گھٹا دیا گیا (۱۹۲۳ء) اور جہاں فیس داخلہ ۶ پنس سے زائد نہ ہو وہاں وہ بالکل معاف کر دیا گیا۔ محصول منافعت کمپناں بہ قدر نصف گھٹا دیا گیا (۱۹۲۳ء) اور بعد ازاں (۱۹۲۳ء) بالکل منسوخ کر دیا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں محصول مکان سکونہ کی تین سو فی صد میں آئی جو کسی قدر تاریخی دلچسپی کی حامل ہے (صفحات ۷۷-۸۱)۔

۱۹۹ ۱۹۲۳ء کے انتخاب عام میں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حامی آزادی طبقے کی تائید سے مزدور حکومت برسر اقتدار آگئی، من جملہ اور مسائل کے ایک مسئلہ قدامت پسند حکومت کا وہ طرز عمل تھا جو اس نے تائین تجارت کے بارے میں اختیار کیا تھا۔ ۱۹۲۳ء میں متفقہ حکومت کا خاتمہ ہو جانے کے بعد سے قسم قسم کی تبدیلیاں پیش کی گئیں (جن میں شاہی ترجیح کے بعض توسیعات

خاص طور پر قابل ذکر ہیں)۔ لہذا ۱۹۲۳ء میں ملک سے جو اپیل کی گئی اُس کا منشا یہ تھا کہ حکومت کو ان وعدوں سے بری کر دیا جائے جو ۱۹۲۲ء میں سابقہ انتخاب کے موقع پر اُس نے کیے تھے اور جو اُس کی آزادی عمل میں حاصل تھے۔ قدامت پسندوں کو قوت شکست ہو گئی اور مزدور حکومت نے تائیدی محمول جو سیکنڈ محمولوں کے نام سے موسوم اور ۱۹۱۵ء سے جاری تھے منسوخ کر دیے اور اُن ترے ہوئے زر کا محمول بھی متروک ہو گیا۔

دولت پر حصہ رسدی لگانے کی تجویزیں

جنگ کے بعد یہ قومی قرضے کا بوجھ بہت خوفناک ہو گیا، چنانچہ ۱۹۱۹ء کے ختم پر اس کی انتہائی مقدار آٹھ ہزار ملین پونڈ تک پہنچ گئی۔ اسی وجہ سے تخفیف قرضہ کا سوال اٹھا اور ذخیرہ ادائی کے طول عمل کے مقابلے میں لوگ کسی زیادہ تیز طریقے کے امکان پر غور کرنے لگے۔ دو تجویزیں اس سلسلے میں قابل ذکر ہیں۔ ایک کل دولت پر حصہ رسدی لگانا، دوسرے دولت کے اثنائے جنگ والے اضافوں پر حصہ رسدی لگانا۔

دولت پر حصہ رسدی سے مراد ایک ایسا ٹیکس ہے جو ہر فرد کی مجموعی دولت پر مستحق کیا جائے، گویا وہ ایک ایسا محمول جائیداد ہے جو زندوں پر عائد کیا جائے۔ اُس میں جس طریقے سے چاہو، تدریج پیدا کی جاسکتی ہے اور مچوٹی جائیدادیں اُس سے مستثنیٰ کی جاسکتی ہیں۔ انتظام میں بھی یوں سادگی پیدا کی جاسکتی ہے کہ ٹیکس سے ایسے املاک خارج کر دیے جائیں جن کا پست لگانا یا جن کی مالیت دریا فٹ کرنا بہت مشکل ہو۔

اس تجویز پر بڑی گرم بحثیں ہوئیں مختلف وجوہ سے اس پر اعتراض کیے گئے۔ اگر اس دعوے کو مان لیا جائے کہ اُس سے کئی ہزار ملین پونڈ کی توقع کی جاسکتی ہے تب بھی ادائی ٹیکس کے عمل ہی سے طریق اعتبار میں سخت بے ترتیبی پیدا ہو جائے گی۔ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ ادائی پشکل نقد

درکار نہ ہوگی بلکہ شکل مسکات اس کی اجازت ہوگی۔ مگر اس جواب سے اس خوف کی پوری تلافی نہ ہوئی۔

مگر اجماع اعتراض تو یہ تھا کہ ایسا ملک دولت مضبوط کرنے کے ہم معنی ہوگا۔ ایک مرتبہ عائد کرنے کے بعد اسے پھر دہرایا جاسکے گا۔ حق ملکیت پر پھر کسی کو بھروسہ ہی نہیں رہے گا، اور پس انداز کی دولت کی جو قوتیں کمزور ہو جائیں گی۔ ان اسباب کی بنا پر حملہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اشتراکین اس تجویز کی حمایت کرنے لگ گئے اور قدامت پسندوں کی مخالفت بہت شدید ہو گئی۔

دوسری تدبیر یعنی دولت کے اثنائے جنگ والے اضافوں پر حصہ رسدی لگانا، یہ ان اعتراضات سے نسبتاً بری تھی کیونکہ اس کی نوعیت ایک مناجی تدبیر کی سی تھی۔ لیکن اثنائے جنگ والے اضافوں کا اکثر و بیشتر حصہ محصول منافع زائد کی شکل میں پہلے ہی حاصل کر لیا گیا تھا اور جو کچھ باقی رہا تھا وہ زیادہ تر نتیجہ تھارسط قیمت کے بلند ہوجانے کا۔ اور اس وجہ سے جو اضافے واقع ہوئے تھے، وہ قطعاً حقیقی اضافے نہ تھے بلکہ اس بیجانے گھساؤ کا نتیجہ تھے جس کے ذریعے سے دولت کا حساب کیا جاتا ہے۔ ان برائے نام اضافوں کے مقابلے میں بہت سے نقصانات بھی تھے مثلاً وہ جو مسکات کی قیمتیں اتر جانے سے واقع ہوئے تھے۔ پس یہ واضح ہو گیا کہ اس اصول پر جو کس لگایا جائے گا، وہ نہ مطابق انصاف ہوگا اور نہ بہت پیدا آور ہوگا۔

۱۹۱۹ء میں مسٹر اسٹین جیمبر لین نے (جواب سر کا خطاب پاچسکے ہیں) بحیثیت وزیر مالیات کے اس تجویز کی تحقیق کرائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بالکل متروک کر دی گئی۔

۱۹۲۳ء کے انتخاب کے بعد مزدور حکومت برسرِ اقتدار آئی تو پھر یہ توقع پیدا ہوئی کہ شاید دولت پر حصہ رسدی عائد کیا جائے۔ لیکن اس قسم کی کوئی صورت نہیں پیدا ہوئی۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ حکومت کا انحصار آزادی پسند جماعت کی تائید پر تھا اور کچھ اس وجہ سے کہ خود مزدور جماعت کے رہنما اس کی طرف مائل نہ تھے۔ البتہ ۱۹۲۳ء کے ختم پر حکومت سے ہٹنے کے بعد

مزدور جماعت نے بجائے اس حصہ رسدی کے چند اور تجویزیں اختیار کی ہیں جن کا منشا یہ ہے کہ شغل اصل سے جو آمدنیاں حاصل ہوتی ہیں ان پر مزید ٹکس لگایا جائے۔

مالیاتی تدبیریں ۱۹۲۵-۱۹۲۹ء

دسمبر ۱۹۲۴ء میں ہندوستان پسند حکومت عہدے پر آئی اور اس کا پہلا موازنہ معافی ٹکس کے دوری سے متعلق ہے۔ ۱۹۲۶-۲۵ء کے لیے ۲۶۶۰۰۰۰ پونڈ سر حاصل کا پیش اندازہ کیا گیا۔ لیکن انکم ٹکس میں $\frac{1}{4}$ سے $\frac{1}{2}$ شلنگ تک جو تخفیف کردی گئی، اس میں یہ سر حاصل تقریباً ختم ہو گیا اور پورے سال بھر کے لیے اس کا خرچ ۳۲ ملین پونڈ ہوتا لیکن پہلے سال میں صرف ۲۴ ملین پونڈ کی ضرورت پڑتی تھی)۔ اس کے علاوہ اضافہ و تخفیف، دونوں قسم کی اور بھی تدبیریں اختیار کی گئیں۔ زائد ٹکس اور محصول جائداد کے پیمانوں میں ترمیم کی گئی۔ پہلے پیش تخفیف اور دوسرے میں اضافہ کیا گیا اور وہ بھی اس طریقے پر کہ محاصل کی پیش اندازہ کمی اور زیادتی ایک پورے سال کے اندر ٹھیک ایک دوسرے کے برابر ہو جائیں۔ دو ہزار پونڈ سے متجاوز تمام آمدنیوں پر زائد ٹکس کا پیمانہ حسب ذیل قرار پایا۔

پہلے ۵۰۰ پونڈ پر	۹۰۰ پونڈ
اس کے بعد والے ۵۰۰ پونڈ پر	ایک شلنگ
۱۰۰۰	ایک شلنگ ۶ پنس فی پونڈ
۱۰۰۰	۲ ش ۳ پ
۱۰۰۰	۳ ش
۲۰۰۰	۳ ش ۶ پ
۲۰۰۰	۴ ش
۵۰۰۰	۴ ش ۶ پ

” ۵۰۰۰ ” ۵ شش
 ” ۱۰۰۰ ” ۵ شش ۶ پ
 ” ۳۰۰۰ ” متبعاوز پر ۶ شش

۲۰۲ جہاں تک محصول جائیداد کے پیمانے کا تعلق ہے، وہ سو پونڈ سے پانچ سو پونڈ تک کی جائیداد پر ایک فی صدی اور پانچ سو پونڈ سے ایک ہزار پونڈ تک کی جائیداد پر ۲ فی صدی سے شروع ہوتا ہے اور درجہ بہ درجہ بڑھتا جاتا ہے مثلاً ۱۸ ہزار اور ۲۱ ہزار پونڈ کے درمیان ۸ فی صدی، ۳۵ ہزار اور ۴۰ ہزار پونڈ کے درمیان ۱۲ فی صدی، ایک لاکھ اور ایک لاکھ بیس ہزار پونڈ کے درمیان ۲۰ فی صدی یہاں تک کہ ۲ لاکھ پونڈ سے متجاوز جائیدادوں پر ۴۰ فی صدی تک پہنچ جاتا ہے جو کہ اس کی انتہائی شرح ہے۔

کمائی آمدنیوں پر انکم ٹیکس میں تخفیف کی شرح ۱۰ سے بڑھا کر ۱۵ کر دی گئی۔

۱۹۲۵ء کے موازنے میں ایک اور اہم نئی تبدیلی یہ ہوئی کہ ریشم اور مصنوعی ریشم پر محصول لگایا گیا۔ اصلی ریشم پر تو صرف محصول کرڈ گیری لگایا گیا کیونکہ خود برطانیہ میں ریشم نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن مصنوعی ریشم پر ایک محصول کرڈ گیری بحساب ۲ شلنگ فی پونڈ (وزن) اور دوسرے محصول پیداوار ملکی بحساب ایک شلنگ اس طرح دو محصول عائد کیے گئے۔ ان دونوں میں جو فرق تھا اس سے برطانوی پیداواروں کو اچھی خاصی تائین ملنے لگی۔ اس کے علاوہ ریشم اور مصنوعی ریشم کے تیار شدہ مال کی درآمد پر اسی مطابقت سے محصول لگائے گئے وہ بھی اپنے اثر میں تائین تھے۔

قداست پسند حکومت تائین کے متعلق اپنی سابقہ پابندیوں سے سبکدوش کر دی گئی تھی۔ لیکن ۱۹۲۵ء کے انتخاب کے موقع پر عام محصول جاری نہ کرنے کے لیے اس نے اپنے آپ کو از سر نو پابند کر لیا۔ اسے یہ تو آزادی تھی کہ وہ جس قسم کے تائینی محصول تجویز کرنا چاہے، تجویز کرے بشرطیکہ وہ عمومیت کے قریب نہ پہنچیں۔ چنانچہ سٹرچر چل نے اپنے پہلے موازنے میں میکینا محصول دو بارہ

جاری کر دیے اور صنوبروں پر ایک تائینی محصول عائد کیا۔ ۱۹۲۵ء کے دوران میں نئے محافضتی محصول عائد کیے گئے اور رتالو والی شکر کی پیدائش پر چند سال کے لیے انعامات کا طریقہ جاری کیا گیا۔

قدامت پسند حکومت کے چار اور موازنے پیش ہوئے۔ وہ سب مخالف معاشی حالات سے متاثر تھے۔ تجارتی کساد بازاری اور قیمتوں کا انحطاط برابر جاری رہا۔ اور کوئلے کی کان کنی کے کاروبار پر جو نازک وقت آیا، اس کے اثرات موازنے کے حق میں دو طرح سے تباہ کن ثابت ہوئے۔ ایک ۱۹۲۶-۲۵ء میں امداد کے خرچ کی صورت میں، دوسرے ۱۹۲۶ء کی عام ہڑتال اور کوئلے کی نزاع کے توسط سے۔ نتیجہ یہ کہ ۱۹۲۶ء، ۱۹۲۷ء اور ۱۹۲۸ء میں ٹیکسوں میں اضافہ کرنا ضروری ہو گیا۔

ایک دلچسپ لیکن ناکام تجربہ یہ تھا کہ جوئے بازی پر ٹیکس لگایا گیا۔ یہ ٹیکس ۱۹۲۶ء میں عائد کیا گیا اور ۱۹۲۹ء میں منسوخ کر دیا گیا۔ اس کی پیدائش بہت مایوس کن تھی جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ دھوکہ بازی کو روکنا ناممکن تھا۔ مزید چھوٹے چھوٹے تائینی محصول عائد کرنے کا طریقہ جاری رہا لیکن ان سے آمدنی میں بہت خفیف اضافہ ہوا۔

۱۹۲۵ء میں خام شکر کی درآمد کا محصول بہ قدر پیمپس فی پونڈ دو زون اکٹھا دیا گیا تاکہ شکر صاف کرنے کی صنعت کو تائین ملے۔

اس دور کی سب سے اہم مالیاتی تدبیر یہ تھی کہ ۱۹۲۸ء میں تیل پر محصول لگایا گیا تاکہ مقامی ٹیکسوں کی اصلاح کے لیے وسائل مہیا ہو سکیں۔ اس اصلاح کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جس قدر جائیداد پیداوار کاروبار میں لگی ہوئی ہے، اس کو شرج کے تین چوتھائی بوجھ سے نجات دلائی جائے۔ اس رعایت کی وجہ سے مقامی حکومتوں کے مالیات میں جو کمی واقع ہوگی، اس کی تلافی کرنے کے لیے تیل کے محصول کی آمدنی استعمال کی جائے گی (جس حد تک بھی وہ کام آسکے)۔

قانون شرج زرعی بابت ۱۸۹۶ء کے ذریعے سے اسی قسم کی امداد عطا کی گئی تھی اور ۱۹۲۳ء میں اس میں اضافہ کیا گیا تھا۔ اب نئی اسکیم کے ضمن میں

زمرعی زمین کو شروع سے پورے طور پر نہات دے دی گئی۔
 اس تجویز کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی حکومت کی ساخت میں، نیز مرکزی خزانے سے
 مقامی محکموں کو جو امداد دی جاتی ہے، اس کی شکل و شرائط میں اہم تبدیلیاں واقع ہوئیں۔
 مسٹر چرچل کی دوا اور مالیاتی تدبیریں قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ سوئٹوز کے
 ٹکس کا ایک حصہ روڈ فنڈ سے کمال کر مرکزی خزانے میں منتقل کر دیا گیا۔ مثلاً ۱۹۳۰ء میں
 اس ٹکس کی آمدنی کا جو پیش اندازہ کیا گیا ہے، اس کے سن جملہ ۲۲۵۱۰۰۰ پونڈ کی
 رقم تو روڈ فنڈ کو ملے گی اور ۴۶۸۰۰۰ پونڈ مرکزی خزانے میں داخل ہوگی۔
 دوسری تدبیر یہ ہے کہ ۱۹۲۹ء میں پائے کا محصول منسوخ کر دیا گیا۔ یہ محصول
 مختلف شرحوں سے سترھویں صدی سے برابر چلا آ رہا تھا۔

فرانس کے ٹکس ۱۹۱۴ء - ۱۹۲۹ء

طویل مباحثے اور بہت سے سیاسی تغیرات کے بعد بالآخر ۱۹۱۴ء میں فرانسیسی
 مجلس وضع قوانین نے انکم ٹکس کی منظوری دی۔ جنگ سے کچھ ہی پہلے یہ ٹکس منظور
 ہوا تھا، اور اس میں اتنی ویر لگ گئی تھی کہ اس سے فوراً کام نہیں لیا جاسکتا تھا۔
 جنگ کے پہلے دو سال تک تو کوئی مزید ٹکس نہیں عائد کیا گیا۔ لیکن ۱۹۱۶ء میں
 بالآخر انکم ٹکس پر عملدرآمد شروع کیا گیا، گو اس کی شرح بہت ادنیٰ رکھی گئی۔
 اس کے بعد چند نئے ٹکس لگائے گئے جن میں جنگی منافع کا محصول خاص طور پر
 قابل ذکر ہے۔

فرانس میں افراط اجرائے زر کا جو دور دورہ رہا اور حالت بہت نازک
 ہو گئی، اس کا ایک اہم سبب تھا کہ وہاں اثنائے جنگ میں ٹکس ناکافی تھے۔
 عارضی منسلح کے بعد افراط اجرائے اور شدت ہو گئی۔ فوجوں کو بروخواست کرنے
 اور تباہ شدہ علاقوں کو دوبارہ تعمیر کرنے کے ابتدائی مدارج کا زبردست خرچ
 کچھ مدت تک محض عارضی قرضے کی مقدار میں اضافہ کر کے چلتا رہا۔

۱۹۲۹ء کے ابتدائی مہینوں میں کہیں ایم فرانسو مار سال نے جو اسی وقت

وزیر مالیات ہوا تھا، اس بات کی سنجیدہ کوشش کی کہ مدخل میں اضافہ کیا جائے اور پھر بھی ناگزیر طور پر جو کمی باقی رہے، اس کو پورا کرنے کے لیے مدامی قرضے جاری کیے جائیں۔

اس کی تدبیروں میں سب سے زیادہ قابل لحاظ وہ ٹکس تھا جو مجموعی مقدار کا روباہر لگایا گیا تھا اور ایک اور ٹکس کے نمونے پر ڈھالا گیا تھا جسے ارسنبرگ نے کچھ ہی پہلے جرمنی میں عائد کیا تھا۔ تمام دولت پیدا کرنے اور اشیاء کا لین دین کرنے والے جتنے معاملات کریں، ان کی خام مالیت کے بہت تھوڑے جزو یعنی ایک فی صدی پر یہ ٹکس شل ہوتا ہے کسی ایک معاملے پر اس کا بار اس قدر ہلکا ہوتا ہے کہ بات چھپانے یا دھوکہ دینے کے لیے کوئی وجہ تحریک نہیں رہتی۔ لیکن معاملات کی کل مقدار جس پر ٹکس لگایا جاتا ہے، اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ٹکس کا مجموعی حاصل بہت بڑھ جاتا ہے۔ یہ ایک بالواسطہ ٹکس ہے جس کا بار صارف شے پر پڑتا ہے۔ بار کی مقدار کا انحصار اس بات پر ہے کہ صارف کی خریدی ہوئی چیز، نسیزہ و اشیائے خام اور وہ خدمات جن کا وہ نتیجہ ہے، ان سب پر کتنی مرتبہ ٹکس ادا کیا جا چکا ہے۔ اس کا نتیجہ کثرت معاملات کے مخالف پڑتا ہے اور یوں بعض لحاظ سے اس کا اثر پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ ہر معاملہ حصولِ نفع کا ایک موقع ہوتا ہے، اب ٹکس کی بدولت جس قدر ان موقعوں میں کمی ہوگی، اسی قدر منافع بھی گھٹ جائے گا۔

۱۹۲۰ء میں ٹکسوں کے اندر چند اور اہم اضافے واقع ہوئے اور خاص کر انکم ٹکس میں۔ اثنائے جنگ میں تو اس کی کوئی حیثیت نہ تھی لیکن اب وہ فرانسیسی موازنے کا ایک خاص ذریعہ آمدنی بن گیا ہے۔

ایم فرانسو امار سال کے اصلاحات ٹکس اور اس کے جاری کردہ بڑے بڑے قرضے ایسے وقت پر آئے جبکہ دوسرے ملکوں میں افراطِ اجرائے زر کو کامیابی کے ساتھ روکا جا رہا تھا۔ فرانس میں بھی قیمتوں کا چڑھاؤ زدک دیا گیا تھا اور اس کی جگہ قیمتیں گرنی شروع ہو گئی تھیں۔ لیکن اگر قیمتیں گریں اور بہت تیزی کے ساتھ گریں، تاہم فرانسیسی زر میں جو اتار پیدا ہو گیا تھا، اس کی اب بھی

سلائی نہ ہو سکی۔ اشیاء کی قیمتیں اپنی ادنیٰ ترین سطح پر پہنچنے پر بھی ۱۹۱۳ء کے مقابلے میں کوئی تین گنی زیادہ تھیں اور فرانک اپنی نصف قدر طلبا سے اوپر نہ چڑھ سکا۔
 ۲۰۱۔ باوجود اس کے قیمتوں کے گرنے سے ٹکسوں کے حاصل میں کمی واقع ہوئی۔
 مجموعی مقدار کاروبار والے جدید ٹکس کی آمدنی پیش اندازے سے بہت کم رہی۔
 خارج کے مقابلے میں داخل کی زبردست کمی بدستور قائم رہی۔ سیاسی پیچیدگیاں
 ۱۹۲۳ء میں قبضہ روہر کی صورت میں اپنی انتہا کو پہنچ گئیں اور ان کی وجہ سے
 سخت بے اعتمادی پیدا ہو گئی۔ اور ۱۹۲۴ء میں دوبارہ افراطِ اجراء کے زر
 شروع ہو جانے سے بحران کی کیفیت پیدا ہو گئی۔

ایک مرتبہ اور یہ ظاہر ہو گیا کہ ٹکسوں میں اضافہ کرنا ناگزیر ہے۔ مارچ ۱۹۲۴ء میں
 ایم پوان کارے نے اپنا ”دھڑے عشر“ والا قانون نافذ کیا جس کے مطابق
 تمام ٹکسوں میں بجز چند مستثنیات کے ۱/۱۰ کا اضافہ کر دیا گیا۔ لیکن یہ تدبیر بھی کافی نہیں
 ثابت ہوئی۔ موازنے کی کمی پورے طور پر نہیں رفع ہوئی۔ مزید برآں ۱۹۲۵ء میں
 بعض بڑے قرضوں کی میعاد ختم ہونے سے مارضیٰ قرضے میں جو مزید اضافے کا
 اندیشہ تھا اس کی وجہ سے از سر نو بے اعتباری پیدا ہو گئی۔

۱۹۲۶ء کے موازنے میں ٹکسوں میں مزید اضافے کیے گئے اور بالآخر
 اسی سال اگست کے مہینے میں ایم پوان کارے کی بنائی ہوئی حکومت تنفقہ نے
 مزید اضافے اتنے بڑے پیمانے پر کیے کہ جس سے موازنے میں ایک بڑی اور
 قابلِ اعتماد بچت حاصل ہو سکے

مجموعی مقدار کاروبار کا ٹکس (جس میں پہلے ہی کئی طرح سے اضافہ ہو چکا تھا)
 ۲ فی صدی تک بڑھا دیا گیا۔ اور قسم قسم کے بالواسطہ محصول جو فرانک کے حساب سے
 متعین کیے گئے تھے، بڑھا دیے گئے۔ کیونکہ جیسے جیسے فرانک اترتا گیا، ان کی
 اصلی مالیت بھی بہ شکل دولت کم ہو گئی تھی۔

انکم ٹکس میں بھی مزید اضافہ کیا گیا۔ فرانسیسی انکم ٹکس برطانوی انکم ٹکس
 اور زائد ٹکس کے اجتماع سے مشابہت رکھتا ہے کیونکہ وہ دو چیزوں پر مشتمل ہے۔
 (۱) ایک ”نہرست والا“ ٹکس جو آمدنی کے ہر اخذ پر جدا جدا مشخص کیا جاتا ہے

اور (۲) دوسرے مجموعی آمدنی والا ٹکس جو ٹکس ادا کرنے والے ہر فرد پر براہ راست
 مشغف کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ آخر الذکر ٹکس بجائے چند بڑی بڑی آمدنیوں تک محدود
 رہنے کے، تمام آمدنیوں پر جو ایک ادنیٰ حد (یعنی سات ہزار فرانک یا پچپن پونڈ)
 سے متجاوز ہوں، لگا یا جاتا ہے۔ ذاتی تشخیص پر جو ٹکس مبنی ہوں ان میں فریب دہی کا
 انسداد مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ فرانسیسی وزیرائے مالیات نے انکم ٹکس میں
 فریب دہی کی بار بار شکایتیں کی ہیں۔ اسی وجہ سے ۱۹۲۷ء میں جو اضافے
 کیے گئے، وہ فہرست والے ٹکس میں کیے گئے کیونکہ یہی صورت قرین عقل تھی۔

۲۰۰

مدخل و مخارج

مدخل ٹکس بابت ۱۹۲۸-۱۹۲۹، اوپیش اندازے بابت ۱۹۲۹-۱۹۳۰

(بہرہ راپونڈ)

خالص آمدنی ۱۹۲۸-۱۹۲۹

د) کردگیری اور چنگی

کردگیری	چنگی	میزان آمدنی خزانہ	پیش اندازہ ۱۹۳۰-۲۹
۲۶۷۰	۳۸۹۹۸	۲۵۶۶۸	۴۲۰۰۰
۲۹۷۸	۷۰۸۴۷	۷۵۸۲۵	۷۹۰۰۰
۳۲۳۸	۲۰۲	۲۲۵۰	۴۷۱۰
۳۶	۳۵۵	۳۹۱	۴۰۰
۵۷۴۰		۵۷۴۰	۵۰
۷۰۹		۷۰۹	۷۲۰
۲۴۲		۲۴۲	۲۵۰
۱۳۹۱۲	۱۳۷۶	۱۵۲۸۸	۱۵۱۰۰
۶۴۳		۶۴۳	۶۳۰
۵۹۰۸۶	۱	۵۹۰۸۷	۶۰۰۰۰
۲۰۷۷	۱۸۸۳	۳۹۶۰	۳۰۰۰
۱۹۲		۱۹۲	۱۸۰

اسپرٹ

بیر

وائجن

ٹیبیل وائرس

چائے

کوکو

کافی و چکوری

شکر

خشک سیوے

تباکو

دیا سلائی

سینما کے فلم

خالص آمدنی ۱۹۲۸-۱۹۲۹

کروڑ گیری چنگی میزان آمدنی خزانہ پیش اندازہ ۲۹-۱۹۳۰

۶۵۰		۶۱۳		۶۱۳	گھڑیاں
۲۵۰۰		۲۳۷۰		۲۳۷۰	موثرین اور موثر سیکنس
۲۳۰		۲۳۹		۲۳۹	آلات موسیقی
۶۲۰۰		۶۰۶۳		۱۳۶۶ ۲۵۹۷	ریشم اور مصنوعی ریشم
۱۵۷۰۰		۱۲۹۸۲		۳۶۱۸ ۹۳۶۳	تیل
۶۲۰۰		۶۰۰۳		۶۰۰۳	تفریحات
۳۰۰۰		۳۵۷۰		۳۵۷۰	شکرات کے لیسنس
۶۳۰		۵۳۰		۵۳۰	دوسرے لیسنس
۶۰		۳۶۷		۳۶۷	محصول ریلوے
۱۳۵۰		۱۳۰۰		۱۳۰۰	دوائیں، کچیف، وغیرہ
۵۰۰		۲۲۲۵		۲۲۲۵	بازیاں یا شرطیں
۲۹۰		۲۹۰		۲۹۰	صنوبرے
۶۰۰		۶۳۳		۶۳۳	کلیدی صنعت کا محصول
۱۷۷۲		۱۷۰۲		۱۷۰۲	دوسرے تائینی محصولات
۳۸۸		۵۱۵		۵۳۲ ۱۷	دوسرے محصولات اور امانتیں وغیرہ

۱۱۹۸۵۰		۱۱۸۹۷۲		۱۱۸۹۷۲	میزان کروڑ گیری
۱۳۰۳۳۰		۱۳۳۰۰۰		۱۳۳۸۸۳	میزان چنگی
۲۵۰۱۸۰		۲۵۲۹۷۲		۲۵۲۸۱۸	میزان کروڑ گیری چنگی
۲۷۱۹۰		۲۵۳۵۷		۲۵۵۳۵	(۲) موثر سوانی کے محصولات

(۳) محصولات موت -

۷۲۲۳۱

محصول جائداد

۷۶۳۶

محصول وراثت

خاص آمدنی ۱۹۲۸-۱۹۲۹ء			
کروٹگیری	چنگی	میزان آمدنی خزانہ	پیش اندازہ ۱۹۳۰-۲۹ء
۱۱۵۳	۸۱۰۲۰	۸۰۵۷۰	۸۱۰۰۰
محصول جانشینی			
(۴) اسٹامپ -			
۳۸۵۶			
زمین اور املاک			
۱۱۶۹۵			
تسکات حصے وغیرہ			
۲۴۱۶			
محصول سرمایہ کمپنیاں			
۵۱۲۲			
چک اور ہنڈیاں			
۲۲۸۶			
رسائد			
۱۷۵۸	۳۱۱۳۳	۳۰۰۶۰	۳۱۰۰۰
دوسرے اسٹامپ			
۶۲۳		{ ۶۲۰	
بھ محصول زمین		{ ۲۰۰	
۲۱۰			۸۰۰
(۶) محصول حقوق معدنی			
۲۳۷۴۴		۲۳۷۴۲	۲۳۹۵۰۰
(۷) محصول آمدنی (انکم ٹیکس)			
۵۶۲۱۳		۵۶۱۵۰	۵۸۰۰۰
(۸) محصول زائد			
۲۰۱۳		۱۷۰۰	۱۷۰۰
(۹) محصول منافعہ زائد			
محصول منافعہ کمپنیاں			
۶۸۵۸۳۸		۶۸۵۲۶۹	۶۸۹۳۷۰
میزان مدخل ٹیکسی			
مدخل غیر ٹیکسی -			
ڈاک خانہ -			
۳۸۹۶۸			
مواصلہ ڈاک			
۶۲۲۷			
ٹیلیگراف			
۲۰۱۲۰	۶۵۳۱۵	۶۵۳۰۰	۶۷۰۱۰
ٹیلیفون			
۱۲۱۴		۱۲۱۰	۱۲۵۰
شاہی زمینیں			
۲۸۱۱۱		۲۸۱۱۱	۳۰۵۵۰
متفرق قرضے (سود اور اصل کی ادائیگی)			

خالص آمدنی ۱۹۲۸-۱۹۱۹			
کرد و گزیری چنگی میزان آمدنی خزانہ پیش اندازہ ۲۹-۱۹۳۰ء			
معمولی	خاص	۱۲۹۳۰	
۱۲۹۳۰	۳۳۲۰۲	۵۶۳۲۲	۵۶۵۲۵
۳۸۵۰۰			
میزان باقی		۸۳۶۸۲۰	۸۳۶۴۳۵
			۸۲۶۶۸۰

مخارج

برجائی خزانہ ۲۸-۱۹۲۹ء			
پیش اندازہ ۲۹-۱۹۳۰ء			
سود	انتظام	ذخیرہ ادائی	شک فنڈ
۲۱۰۰۶۶	۱۳۲۲	۵۴۵۱۰	۳۶۹۰۰۰
			۲۲۵۱۰
			۱۵۰۰۰
			۵۲۰۰
			۳۵۰۰
			۲۰۵۲۵
			۵۵۸۶۵
			۱۶۲۰۰
			۲۲۳۳۲۵
			۲۱۱۳۱
			۱۵۲۰۳
			۵۱۰۰
			۲۸۰۷
			۲۰۵۰۰
			۵۶۹۲۰
			۱۶۰۵۰
			۲۲۲۲۹۳
			۲۸۵۵

پیش اندازہ ۲۹-۱۹۳۰ء

اجرائی خزانہ ۲۹-۱۹۲۹ء

۱۱۵۶۹

۱۱۶۳۷

۶۷۸۲

مداخل اندرون ملک

۵۸۱۱۰

۵۷۲۰۰

.....

ڈاک خانہ

۱۵۵۶۰

.....

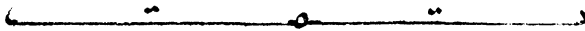
.....

مقامی آمدنی کی جدید امداد

متجانب خزانہ

۸۲۳۵۸۴

۸۱۸۰۴۱



۲۱۔ احرار درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا۔

۱۔ اگر کسی نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اس کا دل بے غش و غبار رہے گا۔
 ۲۔ اگر کسی نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اس کا دل بے غش و غبار رہے گا۔
 ۳۔ اگر کسی نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اس کا دل بے غش و غبار رہے گا۔
 ۴۔ اگر کسی نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اس کا دل بے غش و غبار رہے گا۔
 ۵۔ اگر کسی نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اس کا دل بے غش و غبار رہے گا۔
 ۶۔ اگر کسی نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اس کا دل بے غش و غبار رہے گا۔
 ۷۔ اگر کسی نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اس کا دل بے غش و غبار رہے گا۔
 ۸۔ اگر کسی نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اس کا دل بے غش و غبار رہے گا۔
 ۹۔ اگر کسی نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اس کا دل بے غش و غبار رہے گا۔
 ۱۰۔ اگر کسی نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اس کا دل بے غش و غبار رہے گا۔

